اسلام
اور
عورت کی حکمرانی
مصنفہ
علامہ سید محمد جمال الدین کاظمی
ناشر
تحریک اسلامی انقلاب پاکستان

اسلام

اور

عورت کی حکمرانی

تحریر

علامہ سید محمد جمال الدین کاظمی

ناشر

تحریک اسلامی انقلاب پاکستان

نام کتاب ———— اسلام اور عورت کی حکمرانی

مصنف ———— علامہ سید محمد جمال الدین کاظمی

سرورق ———— محمد اقبال سعید۔ دارالتحریر اکیڈمی۔ کراچی

بار اوّل ———— ۱۴۱۰ھ

تعداد اشاعت ———— ایک ہزار

پرنٹر ————

ناشر ———— تحریک اسلامی انقلاب پاکستان

قیمت ———— ساٹھ روپے

ملنے کا پتہ

دفتر۔ تحریک اسلامی انقلاب۔ نزد۔ قمر العلوم فریدیہ

ماری پور روڈ۔ کراچی۔ کوڈ نمبر ۷۵۶۶۰

اِنتساب

مسلمانوں کی اس عظیم ماں کے نام جو ۴۸ سال تک مینارۂ نور بنکر مسلمانوں کی رہنمائی فرماتی رہیں۔

جن کو دنیا اور آخرت میں محبوب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زوجیّت کا لازوال شرف حاصل ہوا، جن کی پاکدامنی کے بیان میں قرآن حمید کی پندرہ آیتیں نازل ہوئیں۔

جنہوں نے پردہ کی اہمیت کو دوام بخشنے کے لیے اپنے دفن اور جنازہ کو رات کی تاریکی میں انجام دینے کی وصیّت فرمائی۔

۴۸ سال میں انہوں نے ایک دفعہ بھی خلافت کا مطالبہ اور خواہش نہ کر کے امت مسلمہ پر ثابت کر دیا کہ عورت علمی و نسبی رفعتوں اور عظمتوں کے باوجود بھی امارت کی اہل نہیں ہو سکتی ـــ اور ـــ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم صاحبزادی کے نام جس نے کبھی بھی امارت کی طلب و خواہش نہ کر کے امت مسلمہ کے لیے حق کی راہ واضح کر دی کہ کوئی عورت خواہ جنت کی خواتین کی سردار کیوں نہ ہو اور اسلامی نظام کو اپنے خون سے تحفظ دینے والے نوجوانان جنت کے سردار کی والدہ کیوں نہ ہو اُسے امارت (ملکی سربراہی) کا حق نہیں پہنچتا۔

رشحاتِ فکر

استاذ العلماء والفضلاء، شارح صحیح مسلم

حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

اک حرفِ محرمانہ

حضرت صاحبزادہ سید جمال الدین کاظمی مدظلہٗ کی شخصیت کئی جہتوں سے نمایاں خصوصیات کی حامل ہے، اور کسی شخص اور شخصیت کے لیے یہی امتیازات اسے اپنے عہد کے لوگوں میں امتیازی مقام اور انفرادی شان عطا کرتے ہیں اور اُسے بقائے دوام بخشتے ہیں۔ میری نظر میں صاحبزادہ صاحب کی شخصیت کے جو پہلو دلکش و دلربا ہیں، ان میں چند یہ ہیں۔

"تاریخ کے ہر دَور میں اہلِ فکر و نظر کے دو طبقات رہے ہیں، ایک کے فلسفۂ حیات کو ان لفظوں میں سمو دیا گیا ہے کہ ع اگر زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز، اور دوسرے کا مقصدِ زندگی ہمیشہ یہ رہا ہے کہ ع گر زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز۔

یعنی ایک گروہ اپنے عہد کی باطل قوتوں سے مفاہمت (COMPROMISE) کر کے وقتی مفادات حاصل کرنے والا، اور دوسرا گروہ تمام تر بے سر و سامانی کے باوجود اپنی اولوالعزمی، استقامت، نظریئے کی حقانیت اور قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر اپنے عہد کے فراعنہ، نماردہ اور ابلیسی قوتوں سے ٹکرا جانے والا۔ یہی وہ جنگ ہے جس میں حقیقی

کامیابی کا انحصار ظاہری فتح و کامرانی پر نہیں ہے بلکہ اس میں بظاہر شکست خوردہ ہونے کے باوجود اہلِ حق کے حصے میں صرف اور صرف فتح و نصرت آتی ہے اور وہ ہے اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے خالق و مالک کی رضا کو پالینا، بقول علامہ اقبال ؎

بر تر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

کسی کے نزدیک بہ ہزار حیلہ و تدبیر جان بچالینا زندگی ہے اور کسی کے نزدیک بصد شانِ نیاز مندی و انداز دلربائی جان محبوبِ حقیقی کی راہ میں وار دینا ہی اصل زندگی بلکہ کمالِ زندگی ہے، بقولِ کسے ؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

الغرض اس کارزارِ حیات میں کوئی مفادات کا اسیر ہے اور کوئی اس دنیا کے عارضی مفادات سے بالا تر سرکارِ مدینہ کا غلامِ بے دام، کوئی سکوں کے عوض بک جانے والا اور کوئی انمول، کسی کا ضمیر و ایمان بکاؤ مال جو سرِ عام نیلام ہونے کے لیے ہر دم آمادہ و تیار اور کسی کو ساری کائنات کی دولت کے عوض بھی خریدا نہ جا سکے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بے دام کٹ مرنے کے لیے ہر آن تیار، دراصل ایسے ہی لوگ انسانیت کی آن اور آدمیت کی شان ہوتے ہیں، کیونکہ انسان ترازو میں تب تلتا ہے جب اُس کا ضمیر اور انسانیت مر جاتی ہے اور صرف حیوانی ڈھانچہ باقی رہ جاتا ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

انسان کی عظمت کو ترازو میں نہ تولو
انسان ہر اک دَور میں انمول رہا ہے

صاحبزادہ صاحب کو میں برسوں سے جانتا ہوں، زمانۂ طالب علمی سے

میرے ہم مکتب اور رفیق رہے ہیں، ہمیشہ سے اُن سے محبت و خلوص کا تعلق قائم رہا ہے لیکن حالیہ برسوں میں، میں نے ان کی دینی استقامت اور قوتِ ایمانی کا جو مشاہدہ کیا ہے، اس نے ان کی عظمت و محبت کے نقوش میری لوحِ قلب پر ثبت کر دیے ہیں اور میں اُنہیں اپنی نظر میں اس عہد کے اس گروہِ انسانیت کے طبقۂ اولیٰ میں شمار کر سکتا ہوں جن پر محبانِ دین وملت اور اہلِ وطن بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں ـــــ کیونکہ ـــــ صاحبزادہ صاحب گزشتہ چند برسوں سے اپنی تمام تر مساعی اور وسائل کو دین اسلام کی تائید و حمایت کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں، انہوں نے ۱۹۸۶ء میں نظامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے مطالبے کو تقویت دینے کے لیے کراچی تا اسلام آباد پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین "لانگ مارچ" کیا یہ درحقیقت اربابِ اقتدار کی بند آنکھوں اور خوابیدہ ضمیر پر اس طشت از بام راز کو منکشف و عیاں کرنا تھا کہ مسلمانانِ پاکستان حقیقی اور مکمل اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ چاہتے ہیں کیونکہ جزوی اور نامکمل اسلامی قوانین کے نفاذ کے مقاصد صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ حیلے بہانوں سے اہلِ وطن کو بیوقوف بنا کر اپنے اقتدار کو دوام بخشنا، لادینی عناصر کی خوشنودی حاصل کرنا، دین سے بے بہرہ بلکہ منحرف عناصر کے ذریعے نامکمل اسلامی قوانین کو نافذ کر کے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنا اور عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں اسلام کی حقانیت کو مشتبہ بنانا اور اسلام کی مقبولیت عامہ دعوت اور OPPEAL کو ناکام ثابت کرنا۔

آزادی کے حصول اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قیامِ پاکستان کے بعد ۴۲ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس عرصہ میں ایک نئی نسل پروان چڑھ کر بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہے، اہلِ نظر کا کہنا یہ ہے کہ ۴۰ سال کی عمر میں انسان "عقلی بلوغ" کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اور انسان لڑکپن کی کم فہمی، عہدِ شباب کی کج فہمی اور لاابالی پن سے چھٹکارا حاصل

کر کے فکری رسوخ کی منزل کو پا لیتا ہے۔ لیکن یہ ایک عام فرد کی بات ہے، مبداء فیاض سے فکرِ رسا، علم نافع، حکمتِ بالغہ اور عقلِ صائب کا وافر عطیہ پانے والے منتخب افراد اس سے مستثنیٰ ہیں، مگر اقوام کی تقدیر سنوارنے کے لیے ۴۰ سال تک انتظار کرنا اجتماعی خود کشی کے مترادف ہے۔

پیغمبرِ انقلاب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب تو ۲۳ سال میں تکمیل پا چکا تھا اور حدِّ کمال کی آخری حدود کو پار کر چکا تھا۔ ان گزارشات کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ مسلمانان پاکستان نے اپنی قومی و ملّی عمر کے چالیس سال ضائع کر دیے ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے نصف سے زائد ملک گنوا دیا ہے اور آج بھی مقصدیت اور نفاذِ اسلام کے ہدفِ ملّی کے اعتبار سے اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تھے بلکہ اس سے بھی پیچھے جا چکے ہیں کیونکہ اس وقت کم از کم منزل متعین تھی اور نشانِ منزل واضح تھا، آج تو اسے بھی متنازع بنا دیا گیا ہے۔ اُس وقت جذبہ صادق تھا، طلب سچی تھی آج تو اس میں مادیّت، الحاد، فسق و عصیاں، اور نفاق کی کھوٹ مل چکی ہے جبکہ قومی و ملّی غفلت کے نتائج تو اس قدر ہولناک ہوتے ہیں کہ بقول کسے ؎

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ منزل دُور شُد

صاحبزادہ صاحب نے اس قومی و ملّی مرض کو صحیح طور پر پہچانا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس تباہی کا سبب وہ "افیون" ہے جو برطانوی سامراج نے جاتے جاتے اس نوزائیدہ قوم کی گھٹی میں ملا دی تھی اور وہ ہے اینگلو سیکسن طرز کی "مغربی جمہوریت" "مادر، پدر آزاد جمہوریت"، تمام دینی اور اخلاقی حدود و قیود سے آزاد نظامِ حکومت جس میں بقول علامہ اقبال "بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"، اور اس نظام کی نحوست سے اکثر اوقات پاکستان میں ۳۵٪ ووٹ حاصل کرنے والا منظم ٹولہ ۶۵٪ ووٹ حاصل کرنیوالی منتشر اکثریت کو محکوم بنا لیتا ہے اور ۳۵٪ کا تناسب

بھی ڈالے جانیوالے ووٹوں COSLING-VOTES کے تناسب سے ہے اور نہ ۶۰٪ ووٹر تو اپنا ووٹ (COST) استعمال ہی نہیں کرتے، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اہل رائے دہندگان کی اکثریت اپنا حق رائے دہندگی استعمال نہ کرکے اور اس نظامِ انتخاب سے الگ تھلگ رہ کر اس ظالمانہ وفاسقانہ نظام پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتی ہے اور یہ ایک طرح اکثریت کی جانب سے اس نظام کو رد کرنا ہے لہٰذا حکمراں اقلیتی ٹولے کو ملنے والے ووٹ درحقیقت تمام اہل رائے دہندگان کی مجموعی تعداد کا ۱۵٪ بھی نہیں بنتے۔ اب کوئی ذی عقل اور صاحبِ فہم وفراست بتائے کہ آیا یہ درحقیقت جمہوریت ہے یا جمہوریت کے لبادے میں ایک آمر کی بجائے فساق وفجار کے ایک ٹولے کی آمریت ہے۔

لہٰذا صاحبزادہ صاحب نے "اسلام اور مغربی جمہوریت" نامی کتاب تصنیف فرماکر حق راہنمائی ادا فرمادیا ہے کہ مغربی جمہوریت کے تحت کوئی سا بھی نظامِ انتخاب بحیثیت ملتِ مسلمہ ہمارے مسائل کا حل نہیں ہے بلکہ ہمارے مسائل کا حل ایک خالص مکمل حقیقی اسلامی انقلاب ہے اور یہ عہد درحقیقت کسی مومن کامل، قائدِ انقلاب کے انتظار میں ہے۔ اقبال نے انہی بتانِ جمہوریت "تراشنے والے برہمنوں، پنڈتوں اور آزروں سے کہا تھا۔ ے

سچ کہدوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدے کے بت ہوگئے پرانے

اور انہوں نے کہا تھا ع یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے۔

دراصل صاحبزادہ صاحب کی یہی ادا اور کردار کا یہی رُخ مجھے دلکش و دلربا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی (COMMITMENT) غیر متزلزل، غیر متبدل اور اٹل ہے۔ اور وہ اس پر کسی قیمت پر بھی معمولی سے معمولی مفاہمت، مداہنت

اور سودے بازی کے روادار نہیں ہیں اور اس کے لیے اپنا سب کچھ لٹانے کے لیے تیار ہیں، بقول علامہ اقبال ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول۔

وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو ہر صاحب اقتدار کی چوکھٹ پر سرنگوں ہو جاتے ہیں، اقتدار کی دہلیز ان کا مرکزِ عقیدت بن جاتی ہے، وہ "تحویلِ قبلہ" کے ماہر ہوتے ہیں اور صاحبِ اقتدار کے زوال کے ساتھ ہی ان کا "قبلۂ مفادات" بدل جاتا ہے مقتدرِ وقت کی خوشنودی کے لیے کتاب و سنت کی نصوص صریحہ و قطعیہ میں تاویلات کا باب کھول دیتے ہیں اور ؏

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔

یہی صورتِ حال حالیہ انتخابات کے بعد "عورت کی حکمرانی" کے مسئلہ پر پیدا ہوئی۔ مفاد پرست و جاہ طلب مفتیانِ عصر نے عورت کی امارت کے جواز کے لیے فرمانِ رسول کی تاویلات شروع کر دیں، کسی نے بزعم خویش اس کے حکم کو بغیر کسی مخصص کے ایک خاص قوم کے ساتھ مختص کر دیا، کسی نے ملکۂ سبا کا سہارا لیا، کسی نے رجال کو محلِ نظر قرار دیا۔ صاحبزادہ صاحب نے ان تمام بودے دلائل کے محلات کو جو ریت پر تعمیر کیے گئے تھے، قرآن و سنت کی قطعی اور صریح نصوص کی ضرب ید اللّٰہی سے زمین بوس کر دیا ہے۔ اور مخالفین کے تمام فاسد دلائل اور استدلال کے مُسکت جوابات تحریر فرما دیے ہیں۔ اور یہ واضح کر دیا کہ "امارتِ عورت" سے متعلق حدیث صریح کے علاوہ حجاب، حیا اور عفت کے بارے میں اسلام کے صریح احکام اور عمومی اسلامی مزاج کیا ہے اس کی روشنی میں کسی عورت کی "امارت" کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے۔

یہاں ضمناً یہ عرض کرتا چلوں کہ حال ہی میں بعض مفکرین و سیاسی زعماء کا

یہ عذرِ لنگ سامنے آیا کہ صاحب کیا کریں، اسلام میں تو عورت کی امارت کی گنجائش نہیں ہے، مگر آئین میں تو اس کی گنجائش ہے! تو ایسے زعماء سے بصد ادب عرض ہے کہ حضور! کیا چند انسانوں کا بنایا ہوا "آئین" قرآن و سنت سے کوئی بالاتر چیز ہے؟ اور قرآن و سنت کی نصوص اور آئینی دفعات اگر باہم متعارض ہو جائیں تو آپ کا ایمان کیا کہتا ہے، کس چیز کو ترجیح دینی چاہیے؟ اللہ اور اس کے رسول کے فرامین عالیہ کو یا انسانوں کے خود ساختہ آئین کو؟ پھر ایسے استدلالات کسی ملحد کی زبان پر تو جاری ہو سکتے ہیں، کسی عالم دین کی زبان پر نہیں سجتے، دین کی ایسی ترجمانی پر تو بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

رگلہ ٔ وفاءِ جفا نما جو حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کروں بت کدے میں اگر بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری

ایک اور سہارا جدید سیاسی اصطلاحات کا لیا جاتا ہے کہ مملکت و ریاست (STATE) اور حکومت (GOVERNMENT) و انتظامیہ (EXECUTIVE) دو الگ الگ چیزیں ہیں، وزیر اعظم سربراہِ مملکت (HEAD-OF THE STATE) نہیں ہوتا بلکہ سربراہِ حکومت (HEAD OF THE GOVERNMENT) اور منتظمِ اعلیٰ (CHIEF EXECUTIVE) ہوتا ہے۔
یہ سب جدید دور کی اصطلاحات ہیں، عہدِ رسالت و عہدِ خلفائے راشدین میں نہ یہ اصطلاحات مروّج تھیں نہ ہی یہ تقسیم تھی، اور اگر ایسا ہو بھی تو اسلامی احکام کی روشنی میں عورت مملکت و ریاست، حکومت و منتظمہ، عدلیہ یا کسی بھی قومی و ملّی ادارے کی امارت اور سیادت و قیادت کی اہل نہیں ہے۔

صاحبزادہ صاحب ماشاءاللہ بیک وقت ایک ثقہ عالم دین، شیخ طریقت، صاحب سجادہ مفکر، محقق، سیاسی و ملّی زعیم مجاہد حق اور اسلام کے نڈر سپاہی ہیں۔ ان کے علمی و

تحقیقی ذوق کی آئینہ دار وہ وقیع لائبریری ہے جو لاکھوں روپے کی بیش قیمت نادر و نایاب کتب پر مشتمل ہے۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس علمی خزانے پر محض سانپ بن کر نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ اہل علم، محققین اور مصنفین کو اس سے استفادہ کا بھرپور موقع مرحمت فرماتے ہیں۔ مجھے خود اس کا عملی تجربہ ہے، شرح صحیح مسلم کے سلسلے میں جب بھی جو کتاب مطلوب ہوئی اسے انہوں نے بہ کمال خندہ پیشانی سے عطا فرمایا بلکہ بجائے اس کے کہ میں حصولِ کتاب کے لیے ان کے پاس حاضرِ خدمت ہوتا وہ کتاب لے کر خود تشریف لے آتے یا اپنے اہتمام سے مجھ تک پہنچاتے رہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ اگر کتاب ان کی لائبریری میں نہیں ہے تو ملک یا بیرون ملک جہاں سے بھی دستیاب ہو سکتی خرید کر پہنچا دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض"، یعنی جو چیز انسانوں کے لیے منفعت بخش ہو اللہ تعالیٰ اسے زمین میں قرار و دوام عطا فرماتا ہے، صاحبزادہ صاحب کم از کم کتب کی فیض رسانی کے حوالہ سے بجا طور پر اس آیت کے مصداق ہیں۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ لائبریری محض فیشن یا اپنی عالمانہ شان کے اظہار کے لیے قائم نہیں کی بلکہ اپنی خالص علمی ضرورت کے تحت قائم کی ہے اور وہ ان کتب سے استفادے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں اور عملاً استفادہ بھی کرتے ہیں۔ اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ دو سال میں یہ ان کی تیسری وقیع علمی و تحقیقی کتاب منظرِ عام پر آ رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کا "رہوارِ قلم" یونہی رواں دواں رہے اور امت ان سے استفادہ کرتی رہے۔

صاحبزادہ صاحب استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی مدظلہم کے مستفیدین و مستفیضین میں سے ہیں، مجھے امید ہے کہ صاحبزادہ صاحب کا یہ تحریری کام اور قلمی کاوشیں مجھے اور ہمارے دیگر استاذ بھائیوں کے لیے مہمیز کا کام دیں گی اور ان کا پے درپے

سلسلہ تصانیف ہمارے سب رفقاء اور معاصر اہلِ علم میں مسابقت اور "حسدِ محمود" یا رشک کا جذبہ پیدا کرے گا، پھر اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ علماء اہلسنت جو تحریر کی جانب مائل ہوتے ہیں وہ بالعموم اپنی تمام قلمی مساعی اور تحریری کاوشیں مسلکی خلافیات اور نزاعی موضوعات کی نذر کر دیتے ہیں، موضوع کی اس یک رخی نے ہم میں جمود کی کیفیت پیدا کر دی ہے اور عصری مسائل عہدِ جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے اور وقت کے (CHALLANGES) کا مقابلہ کرنے مختلف موضوعات پر اسلامی لٹریچر فراہم کرنے کا میدان اغیار کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا خلا تھا جو روز بروز بڑھ رہا تھا، صاحبزادہ صاحب نے عام روش سے ہٹ کر اس جانب توجہ دی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے دیگر اہل علم بھی اس سے رہنمائی حاصل کریں گے اور اپنی علمی و فکری کاوشوں سے نہ صرف اس کمی کو پورا کریں گے بلکہ ان کی توجہ ہمارے علمی سرمائے کو مالا مال کرنے کا باعث بنے گی۔ اسی قسم کی تخلیقات سامنے آتی رہیں تو ہم اپنے عہد کے ایک دینی تقاضے کو پورا کر کے خالق اور خلق دونوں کے سامنے سرخرو ہو سکیں گے۔

میں بصد خلوص و نیاز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہوں کہ وہ صاحبزادہ سید جمال الدین کاظمی مدظلہ کی مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے اور ان کے علمی فیوض و برکات کو عام فرمائے اور ملّت مسلمہ کو اس سے مستفید ہونے کے مواقع نصیب فرمائے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث، دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸
۱۱ جمادی ثانیہ ۱۴۱۰ھ
۹ جنوری ۱۹۹۰ء

کلماتِ تشکر

خالق کائنات کا بے حد و حساب شکر ہے جس نے مجھ جیسے بے کار و کم علم کو اپنے محبوب پاک محسن اعظم رحمۃ للعٰلمین شفیع المذنبین تاجدار عرب و عجم سیاح لامکان کے طفیل اس کتاب کی تصنیف کی ہمت عطا فرمائی اور اس طرح مجھے ایک خالص دینی فریضہ انجام دینے کے اسباب فراہم فرماتے۔

میں ان تمام دوستوں کا بھی تہ دل سے مشکور رہوں جنہوں نے اس کتاب کی تصنیف و اشاعت میں میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ بالخصوص

- علامہ ابوالظفر غلام محمد سیالوی شیخ الحدیث شمس العلوم کراچی و ناظم اعلیٰ شعبہ امتحانات تنظیم المدارس پاکستان۔
- شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ۔ کراچی
- علامہ ابوالمعالی غلام نبی صاحب مہتمم دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی۔
- جناب مولانا محمد اکرام حسین صاحب ناظم تعلیمات شمس العلوم جامعہ رضویہ۔
- جناب مولانا خیر محمد افغانی صدر مدرس قمرالعلوم فریدیہ۔ کراچی۔
- جناب جی۔ ایم۔ سلیم ایڈووکیٹ سندھ ہائیکورٹ۔
- عزیز الحافظ محمد فاروق انور کاظمی خواجہ آباد شریف (میانوالی)

کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ساتھ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں خصوصی تعاون فرمایا اور میری حوصلہ افزائی فرما کر میرے عزائم میں تقویت کا باعث بنے اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اسکا نعم البدل عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلیؐ علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، امابعد

عورت کی سربراہی کا مسئلہ پاکستان میں دو دفعہ بحث وتمحیص کا موضوع بن چکا ہے، شومیٔ قسمت کہ پہلی دفعہ اس کے مؤیدین میں ایسے لوگ بھی سامنے آئے جو اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششوں کی علمبرداری کا دعویٰ کرتے تھے انہوں نے ایوبی آمریت کے خلاف جد وجہد کے لیے نظریہ ضرورت کے تحت اسے جائز قرار دینے کی کوشش کی حالانکہ نظریہ ضرورت کا اطلاق کسی طرح بھی اس معاملہ میں صحیح نہیں تھا کیونکہ نہ ہی حالتِ اضطراری کی کیفیت تھی اور نہ ہی اہل مردوں کی کمی تھی۔

وہ لوگ نظریہ ضرورت کی باریک جالی میں چھپنے کی بجائے اگر کسی صالح مرد کو آمر ایوب خان کے مقابلہ میں لے آتے تو انہیں اس طرح ناجائز کو جائز قرار دینے کے لیے حیلوں بہانوں سے کام نہ لینا پڑتا، مس فاطمہ جناح دیگر خواتین کی طرح شرائط امامت پر نہ تو پوری اترتی تھیں اور نہ ہی ان میں کوئی ایسی منفرد صلاحیت تھی اگرچہ کسی جوان خاتون کے مقابلے میں پردہ کی شرائط ایسی ضعیف خواتین پر نرم ہو جاتی ہیں اور ان کے گھروں سے نکلنے پر بھی وہ شرعی پابندیاں باقی نہیں رہتیں جو اس کے مقابلے میں جوان خواتین پر ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی کوئی عورت ملک کی سربراہی کی اہل نہیں ہو سکتی اگر ایسے حضرات ایوبی آمریت کے مقابلے کے لیے کوئی اور راستہ نکالتے تو آج انہیں یہ خجالت نہ اٹھانی پڑتی اور اعتراضات کے گرداب

میں نہ پھنستے ، حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا عالم ، لیڈر یا قومی رہنما کیوں نہ ہو جب بھی اس کے قول و فعل میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے یا ذاتی اغراض و مصالح کو احکام شرعیہ پر ترجیح دیتا ہے تو اسے زود یا بدیر اس کی جزا ضرور ملتی ہے اور اسے اپنے کیے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امت مسلمہ کے اکابرین کا سب سے کمزور پہلو ہمیشہ یہی رہا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ذاتی اغراض اور سستی شہرت کے لیے احکام دین کو بدلنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اسی عمل نے یہودیوں اور عیسائیوں کو تباہ و برباد کیا اور آج وہ ہی عمل ہمارے راہ نمایان دین و ملت بھی کر رہے ہیں ، کسی دور میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں رہی جنہوں نے حکومتِ وقت کو خوش کرنے یا ذاتی پسند کی بنیاد پر آیات قرآنی کی تفسیر اپنی رائے سے نہ کی ہو اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقصد کے لیے استعمال نہ کیا ہو لیکن سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ آج کے علماء کے علاوہ ایسے نام نہاد محققین بھی میدان میں اتر چکے ہیں جن کی عملی زندگی کا اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں ، بلکہ ایسے منکرین حدیث بھی آج پیش پیش ہیں جو کسی کی سربراہی سے یا کسی کے سیاسی نظریات سے دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ حالات کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر وہ صرف اور صرف اپنے مذموم مقاصد پورے کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں کسی کا اقتدار ان کی بلا سے ان کو تو فتنۂ انکار حدیث پھیلانا ہے ایک صحابی کا مخلص بن کر دوسرے پر کیچڑ اچھال کر صحابہ کی عزت و وقار گھٹانے کی کوشش کرنی ہے اور یہ سارا کھیل حکومتِ وقت کے سایہ میں رہ کر انجام دینا ہے تاکہ جو پتھر دوسری طرف سے آئے وہ حکومت پر پڑے اور ان کا سر محفوظ رہے اور اس طرح وہ حکومت کی ڈھال تلے محفوظ رہ کر دو طرفہ کھیل کھیلتے رہیں۔ باطل نظریات و عقائد کا فروغ اور حکومتِ وقت کی خوشنودی اس گھناؤنے اور مذموم کردار کو بھانپنے کے لیے جن دور

بین لگا ہوں کی ضرورت ہے افسوس کہ آج ان کی شدید کمی ہے سطحی سوچ کا دور دورہ ہے آج کا زندہ باد کل مردہ باد ہو جاتا ہے، ہر آنیوالے کے خوش کن نعرے سن کر عوام اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیتے ہیں ایسے افراتفری کے دور میں کتنے لوگ ہوں گے جو حقائق کی تلاش میں اپنے اوقات صرف کریں زیر نظر کتاب میرے علم و فضل کا نہ ثبوت ہے اور نہ ہی تحقیق و تدقیق کا مدعی ہونے کے باعث یہ معرض وجود میں آئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں امور سے مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں، زندگی کے چند ایام بعض دینی مدارس میں گزارنے کا موقع ملا اور اس وقت میں چند ٹوٹے پھوٹے لفظ سیکھے نہ تو زمانہ طالب علمی میں مجھے محنتی طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہوا اور نہ ہی بعد کی عملی زندگی میں معاصرین کے سامنے میری کوئی ممتاز حیثیت رہی۔ ان تمام اعترافات کے باوجود مجھے یہ خدمت انجام دینے پر یوں مجبور ہونا پڑا کہ یکے بعد دیگرے تین چار کتابیں امامۃ المراۃ کے جواز میں سامنے آئیں ان میں سے ایک کتابچہ رحمت اللہ طارق اور ایک پروفیسر رفیع اللہ شہاب اور ایک کتاب پروفیسر لیسین شیخ کی تھی جو قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر لیسین کی کتاب جو درحقیقت ایک ایسا تبصرہ ہے جس میں مصنف نہ تو اپنی منزل کا تعین کر سکا اور نہ ہی دعویٰ و دلیل میں کوئی مطابقت پیدا ہو سکی بلکہ شیخ صاحب اکثر دلائل اپنے مدعیٰ کے خلاف ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے انہیں مصنف بننے یا کاغذ سیاہ کرنے کا شوق دامنگیر تھا۔

پروفیسر شہاب اور رحمت اللہ طارق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں انکی سوچ میں کوئی نمایاں فرق نہیں صرف انداز تحریر میں فرق ہے پروفیسر شہاب علماء امت کو الزام دیتے ہوئے رقمطراز ہے کہ علماء اخلاقیات کا لحاظ نہیں رکھتے اور ان کی تحریر دل آزار ہوتی ہے اسی نسبت سے اس نے تو اپنی تحریر کو نرم رکھنے کی پوری کوشش

کی ہے لیکن اس کے فکری استاذ رحمت اللہ طارق نے بدزبانی، یاوہ گوئی، الزام تراشی، طعن وتشنیع، بےہودگی اور رذالت کا وہ مظاہرہ کیا ہے کہ اس کے قلم ظلم وستم سے دنیا کی کوئی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ شخصیت بھی محفوظ نہیں رہ سکی، صحابہ کرام تابعین، مفسرین، محدثین اور آئمہ کے متعلق وہ اس بیباکی اور بدطینتی کا مظاہرہ کرتا ہے جیسے العیاذ باللہ وہ لوگ اس سے کمتر تھے مثال کے طور پر اس کی چند عبارات ملاحظہ ہوں۔

عائشہ کے خلاف گہری سازش۔

امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد ابن حجر کا ذہن صاف ہو چکا ہوگا اور جس اضطراب دروں میں وہ مبتلا ہو چکے تھے نجات مل گئی ہوگی لہذا یہ نادر موقع تھا کہ نفیع اپنی وفاداری کا برموقعہ اظہار فرما کر سیدنا علیؓ کی نظروں میں غیر جانبدار ثابت ہوں، کیونکہ ہوا کا رخ دیکھ کر موقف بدلنے کا سنہرا چانس تھا۔

نیز اس سے بھی بحث نہیں کہ حسن بصری کو عائشہ کے خلاف تلوار استعمال کرنے سے روکنے والے ابوبکرہ تھے یا نہیں۔

وہ دراصل وکیل صفائی ابن حجر کی غلط توجیہات کو ملحوظ رکھ کر کئے گئے تھے۔

جناب ام المومنین کی عظمت وشان سے کون واقف نہیں، مشہور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت نفیع بن الحارث اور مشہور تابعی زاہد وعابد حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم اجمعین، اور بخاری شریف کے مشہور اور مستند شارح امام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جس انداز میں ذکر کیا گیا وہ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ تو چند مثالیں تھیں پورا کتابچہ پڑھنے سے آپ کو طارق کی فکری نجاست اور تحریری

غیاثت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

پروفیسر شہاب کی پوری کتاب جس میں اس نے علماء امت کو قدامت پسند، بنیاد پرست تاریک خیال اور طرح طرح کے الزام دیئے ہیں اور اس نے یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی ہے کہ دنیا میں صرف میں ہی ایک ایسا آدمی ہوں جس نے علماء کو ہر مسئلہ پر چیلنج دیا اور وہ اس کا جواب نہ دے سکے، اور علماء میں کوئی بھی ایسا عالم نہیں ہے جس کو قرآن و حدیث کا مکمل علم ہو کئی مقامات پر علماء کو مطالعہ نہ کرنے اور سطحی اور ناقص معلومات رکھنے کا بھی مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔

رحمت اللہ طارق کی تعریف کے لیے ایک مکمل باب بہ عنوان "اسلام میں عورت کی سربراہی کے بارے میں ایک انقلاب آفرین کتاب" قائم کر کے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں، کسی بھی قاری کو دونوں کتابوں کے پڑھنے کے بعد کوئی شک وارتیاب نہیں رہتا کہ پروفیسر شہاب کی کتاب درحقیقت رحمت اللہ کی کتاب کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے، دونوں میں اتنا خفیف سا فرق ہے کہ شہاب نے طارق کی روایتی بدزبانی کو زہر ہلاہل بنانے کی کوشش کی ہے، شہاب و طارق دونوں منکرین حدیث ہیں، جیسا کہ آئندہ صفحات میں ان کے متعلق ذکر آئے گا یہ دین کے بدترین دشمن اور کمیونسٹ ہیں ایسی کتابیں دیکھنے پر مجھے امید تھی کہ علماء حق ان کے جواب میں تاخیر نہیں کریں گے اور یہ کام ملک کے ان عظیم علماء کے ہاتھوں سرانجام پائے گا جن کے علم و فضل کے چار دانگ عالم میں ڈنکے بج رہے ہیں جن کے اسماء گرامی کے ساتھ القابات لکھنے کے لیے رازی و خفاجی زمان سے کم پر اکتفا نہیں ہوتا کیونکہ انہیں واقعی طور پر علوم قرآن و حدیث اور بالخصوص اسماء الرجال میں وہ دسترس حاصل ہے جو مجھ جیسے کم علم کو کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی لیکن افسوس کہ ان حضرات نے اس طرف توجہ نہ دی اور کئی ماہ کے انتظار کے بعد مجھے قلم اٹھانے پر اس لیے مجبور

ہونا پڑا کہ تینوں مصنفوں نے جہاں ایک اہم شرعی حکم کو لفظوں کے ہیر پھیر اور آمریت اور جمہوریت کی لایعنی بحث اور عورتوں کے ساتھ اظہار ہمدردی اور حقوق نسواں کے نام پہ بے پردگی مردوں کے ساتھ اختلاط، گھروں سے باہر آزادانہ گھومنے پھرنے بلکہ ٹی وی پر ہر قسم کے کرتب دکھانے ہاکی کھیلنے اس کی تشہیر اور اشاعت، دفاتر، کارخانوں، فوج اور دیگر ملازمتوں میں بغیر کسی پابندی کے شامل ہونے اسٹیجوں کی زینت بننے وغیرہ کو جائز قرار دینے اور ایسے قبیح وشنیع غیر شرعی اور غیر اخلاقی افعال کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان قبائح کیلئے جواز مہیا کرنے علماء امت کے متعلق توہین آمیز خیالات اور تحریروں کے ذریعہ ورثۃ الانبیاء کی عزت و عظمت عام مسلمانوں کے دلوں سے نکال کر الحاد کا راستہ صاف کرنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تابعین تبع تابعین آئمہ تفسیر و حدیث اور علماء امت کی شان میں گستاخیاں اور غیر معیاری دیانت و شرافت سے عاری خیالات پڑھ کر خاموش رہنا اور خاموش رہ کر یہ ثابت کر دینا کہ واقعی ان کذابوں کے بقول علماء میں ایسے مسائل سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں بہت بڑا المیہ تھا۔

خاموشی کا منطقی نتیجہ جسے پہلے بھی شہاب اجماع سکوتی کا نام دے کر فخر سے اپنی کتاب میں ذکر کر چکا ہے اس طرح ان کو پھر خاموشی پہ اجماع سکوتی کا فتویٰ لگانے کا سنہری موقع فراہم ہوتا علماء کرام نے شاید ان کا رد لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ عورت کی سربراہی کے مسئلہ پر کئی علماء مناظرہ کا چیلنج بھی دے چکے ہیں لیکن اس وقت ایسے موش دشتی کبھی سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتے، لیکن گھروں کے تاریک کونوں میں بیٹھ کر کور باطنی اور مداہنت کا مظاہرہ کر کے ابن الوقتی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے بلکہ حکومت کو ایک دوسرے کی سفارشیں بھی کرتے ہیں بمصداق "من ترا ملا بگویم تو مرا حاجی بگو" یہ بات ہر قسم کے شبہ سے بالاتر ہے کہ اس دور میں نہ صرف ایسے

علماء موجود ہیں جو ان کتابوں اور مسائل کو سمجھ سکیں بلکہ ایسے جلیل القدر علماء کی بھی کمی نہیں
جنہوں نے تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور اسماء الرجال پر قابل قدر کتابیں لکھی ہیں
اس حقیقت کا انکار کوئی فاتر العقل ہی کر سکتا ہے، بایں ہمہ ان حضرات کا ان کتابوں
پر توجہ نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے ان واہی تحریروں کو
کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔

جس طرح پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مجھے قلم اٹھانے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ
دونوں مصنفین کے بلند بانگ دعووں سے عوام غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ واقعی
ان کی تحقیقات اتنی معیاری اور صحیح ہیں کہ کسی کو جواب لکھنے کی جرأت بھی نہ ہوئی
ورنہ میری کوئی سیاسی وابستگی ہے اور نہ ہی کسی کے سیاسی مفادات کا تحفظ مجھے
مطلوب ہے، بلکہ میں جس طرح عورت کی سربراہی کو ناجائز اور خلاف شرع سمجھتا
ہوں اسی طرح فساق کی سربراہی کو بھی صحیح اور شرعی نہیں سمجھتا بلکہ میں تو صرف اور صرف
ایسے اسلامی فرماں روا کا حامی ہوں جو خود صالح، عالم، عادل ہو اور ملک میں
قرآن و سنت کے احکام کو ہی نافذ کرے، جس سے ملک عدل و انصاف اور شرافت و
دیانت کا گہوارہ بن جائے فحاشی اور عریانی بے غیرتی اور بے حیائی کا خاتمہ ہو امت
مسلمہ میں دینی و مذہبی قدریں پھر سے بیدار ہوں بے پردگی اور اختلاط مرد و زن کی
کا فرانہ روش پامال ہو۔ ماؤں کے دودھ میں غیرت و حیا کے اثرات ہویدا ہوں، ماں
بہن کی عزت کے تحفظ کے لیے پھر سر زمین عرب سے محمد بن قاسم جیسے غیور نوجوان
اٹھیں اور بے غیرتی کے علمبرداروں مبلغوں، مصنفوں اور مویدوں کو سندھ
کی موجوں میں یوں بہا دیں کہ پھر قوم مسلم میں بے حیائی کے نقیب کبھی سر نہ اٹھا
سکیں،

اسلام میں عورت کی آزادی کا کوئی تصور آج تک جنم نہیں لے سکا جس کی بنیاد

پر کبڈی کھیلتی ہوئی مسلم خواتین کی تشہیر ٹی وی اور اخبارات میں کی جا سکے، عورت کی عظمت کا راز اس کے پردہ وحیا میں پوشیدہ ہے، ایسے دیوث لوگ صرف اس کوشش میں مصروف ہیں کہ عورت کو ڈھال بنا کر وہ اسلامی حدود وقیود کو پامال کر دیں مرد کو جابر و قاہر کہہ کر وہ عورت کو مرد کے کاموں میں اس کے شانہ بشانہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، کس قدر علمی بددیانتی ہے کہ پروفیسر لکھتا ہے کہ پھر مردوں کو بھی پردہ کرنا چاہیے مرد کا پردہ اس کی نگاہ تک محدود رکھا گیا ہے اس کی نگاہیں غیر محرم کے چہرہ یا ممنوعات شرعیہ پر قصداً نہیں پڑنی چاہیئں، جبکہ عورت کو اپنا جسم مستور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان دونوں احکام میں کس قدر فرق ہے، لیکن اسلام دشمنی میں جو کردار اسلام کے لباس میں ملبوس لوگوں نے انجام دیا ہے دنیا کی ترقی یافتہ قومیں بھی وہ کام نہیں کر سکیں۔ ایسے ہی لوگوں کی صف میں ایک مشہور نام اندلس کے امیر عبدالرحمٰن ثانی کے موسیقار زریاب کا ہے جس نے ایک مشہور دشمن اسلام ایلوگیس عیسائی اور ایلیا سے رشوتیں لیکر قوم مسلم میں بے حیائی اور فیشن کا بیج بویا اس طرح مذہب سے قوم مسلم کو بیگانہ کر کے اس نے سقوطِ اندلس کی بنیادیں مستحکم کیں، کیا ایسے مصنفین خدانخواستہ کوئی ایسا ہی پروگرام رکھتے ہیں، کیا وہ کسی ایسے ہی طوفان کی علامات ہیں، انہوں نے فلسطین اور افغانستان کی تباہی سے کوئی سبق نہیں سیکھا الفاظ کے انتخاب میں جہالت کے مدعی سب کچھ سمجھتے ہیں اور " وادی مہران کی حشر بداماں شخصیت " تک تو انہیں سب کچھ سمجھ آتا ہے، لیکن اس کی یہ جہالت صرف ذات باری تعالیٰ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ائمہ اور علماء کے متعلق ہے کہ اپنی تمام تر درندگی کا مظاہرہ وہ اکابرین اسلام کے حق میں ضروری سمجھتا ہے اور معظمین اسلام کے اسماء گرامی یوں لکھتا ہے جیسے کسی عام آدمی کا نام بھی نہ لکھا جاتا ہو اور نہ پکارا جاتا ہے، وہاں اسے تمام القابات اور احترام کے الفاظ بھول

جاتے ہیں ۔ میں پہلے دعویٰ کر چکا ہوں کہ رحمت اللہ طارق اور پروفیسر شہاب بدترین ملحد اور منکرِ حدیث ہیں اور دین کے دشمن ہیں ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں، علامہ عبید اللہ سندھی کا نام بھی طارق نے محض دھوکہ دہی کے لیے استعمال کیا ہے ورنہ علامہ سندھی سے اسے کیا نسبت وہ خالص اسلامی انقلاب کے حامی تھے جبکہ طارق الحاد و بے دینی بے حیائی و بے غیرتی، مادر و پدر آزادی اور بے پردگی کا انقلاب چاہتا ہے رحمت اللہ طارق کس فکر سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا علمی شجرہ نسب کیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی عبارت سے ہوتا ہے، رحمت اللہ اپنے ایک مقالہ کے بارے میں لکھتا ہے۔

یہ تفصیلی مقالہ حضرت علامہ نیاز فتح پوری نے بے حد پسند فرما کر اپریل ۱۹۶۵ء کے "نگار" پاکستان کے ایک ہی شمارے میں شائع فرما دیا ہے،

نیاز فتح پوری، اسلم جیراج پوری اور غلام احمد پرویز ان سب کی فکر لادینی تھی، نیاز فتح پوری کے بارے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں نیاز صاحب مذہب کی ہر بات کو معیارِ عقل پہ پرکھتے تھے اور جو بات (مثلاً معجزات وغیرہ) عقل کی گرفت سے باہر ہوتی تھی اس کی الٹی پلٹی تاویل کر دیتے تھے یا انکار، وہ قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے تھے، وحی کے منکر تھے اور قرآن کی تاریخی حکایات کو فرضی قرار دیتے ہیں، نیز ڈاکٹر برق لکھتے ہیں۔

جناب نیاز صاحب کی تحریرات کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میرے عقائد کی عمارت جو ایک، آریہ مبلغ کی ایک کتاب "اسلامی انڈیپ" کی وجہ سے سخت متزلزل ہو رہی تھی دھڑام سے زمین پر آ رہی اور میرے الحاد کی تکمیل ہو گئی، اب میرا کام آیات و احادیث کا مذاق اڑانا اور انبیاء کی تضحیک تھا۔ مجھے میرے احباب اس شیطنت سے روکتے لیکن مجھ پر کوئی

اشتہ نہیں ہوتا۔

نیاز فتح پوری کے الحاد کا حال تو ڈاکٹر برق نے بیان کر دیا اور نیاز فتح پوری سے رحمت اللہ کی عقیدت اور فکری ہم آہنگی ان کے مذکورہ اقتباسات سے عیاں ہوتی ہے۔ اب پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا رحمت اللہ طارق سے تعلق بھی ملاحظہ ہو، اپنی کتاب "منصب حکومت اور مسلمان عورت" کے صفحہ ۸۳ پر مستقل باب قائم کیا ہے، "اسلام میں عورت کی سربراہی کے بارے میں ایک انقلاب آفرین کتاب"، چار صفحات پر مشتمل قصیدہ خوانی کرتے کے بعد آخری سطور یوں تحریر کرتا ہے۔

علامہ رحمت اللہ طارق بڑے روشن خیال عالم دین دکھائی دیتے ہیں، حکومت کو ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

یہ تھا ملحدین کا وہ رشتہ اور تعلق جس کا ثبوت انہی کی عبارات سے واضح ہو گیا ہے، رحمت اللہ اور پروفیسر شہاب کی کتابوں کے جواب دینے سے پہلے ہم نے ان کا مختصر فکری تعارف اس لیے پیش کیا تاکہ قارئین کو زیر نظر کتاب کی ابحاث پڑھتے وقت معلوم ہو کہ ہمیں ان اشخاص سے واسطہ ہے جن کے نزدیک دین اور شریعت کی کوئی حرمت نہیں ہے اور ان کا مشن ہی لادینی افکار کو پھیلانا، کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مضحکہ اڑانا ہے۔

مصنفین کی علمی وبانت عبارتوں کی قطع وبرید کی بھی جابجا نشاندہی کر دی گئی ہے۔ کتب کی کمی کے باوجود ہم نے کوشش کی ہے کہ امت مسلمہ کے عظیم آئمہ و علمار کرام کی آرار اور تحقیق زیادہ سے زیادہ پیش کی جائے تاکہ مسئلہ کی پوری طرح وضاحت ہو جائے اور قارئین کو معلوم ہو سکے کہ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر امت مسلمہ کا کس طرح اجماع رہا ہے قرآن پاک کی اس بارہ میں آیات کا مطلب علمار مفسرین نے کیا سمجھا، مختلف ادوار کے عظیم علمار، فقہا، ومحدثین کی تحقیق کا لب لباب کیا تھا، عورت کی سربراہی کے جواز

کے قائلین کے دلائل اور انکا تجزیہ شامل کیا گیا ہے۔

میری تمام سعی صرف حصول رضا الٰہی کی خاطر ہے، سیاسی حالات بھی میرے پیش نظر تھے لیکن ایسے دشمنان دین کو کھلی چھٹی دے دینا بھی تو صحیح نہیں، جن کے ہاتھوں کچھ بھی محفوظ نہ ہو اور وہ انسانوں کی خوشنودی کے لیے اللہ تعالی کے احکامات کو بدلنے غلط تاویلیں اور تفسیر بالرائے کرنے سے بھی گریز نہ کریں جن کے قلم سے صحابہ کرام کی عزت محفوظ نہ ہو احادیث مبارکہ محفوظ نہ ہوں عظمت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام محفوظ نہ ہو۔

زیر نظر کتاب انتہائی محنت سے ترتیب دی گئی ہے اور ہر لحاظ سے خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی غلط حوالہ یا غلط مفہوم درج نہ ہو جائے، لیکن بشری کوتاہیاں میرے پیش نظر ہیں۔ بالخصوص بندہ تو اس قابل بھی نہ تھا۔

قارئین سے درخواست ہے کہ کسی قسم کی غلطی سامنے آنے پر وسعت قلبی کا مظاہرہ بھی فرمائیں اور بندہ کو اطلاع بھی دیں تاکہ تصحیح کی جاسکے۔

نصِ قطعی کا اِنکار

رحمت اللہ طارق نے یوں تو بدزبانی اور دریدہ دھنی کی انتہا کر دی ہے لیکن اپنی کتاب "عورت اور مسئلہ امارت"، کے صفحہ آٹھ پر علماء کی طرف منسوب کرکے اس نے پانچ ایسی خرابیوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے خیال میں اسلام کے لیے انتہائی باعث ننگ و عار ہیں لیکن درحقیقت یہ نص قرآنی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف کھلا انکار ہی نہیں بلکہ شان الوہیت کے خلاف ایسی بدزبانی ہے جسے کوئی مسلمان سننا، پڑھنا بھی گوارہ نہیں کرسکتا، نقل کفر کفر نہ باشد کے تحت وہ عبارت نقل کی جارہی ہے۔

شوہر بیوی کو اگر ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو واقع ہو جائیں گی اور بیوی حرام ہو جائے گی تاہم وہ کسی طور پر اگر رجوع کرنا چاہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اس بے قصور عورت کا "حلالہ" کے عنوان سے منہ کالا کیا جائے (تمام کتب فقہ)

یہاں اگر عورت کا سماجی رتبہ گھٹانا مقصود نہ ہوتا تو اس طرح کی انار کی، ظلم، بد اخلاقی، بے غیرتی اور آخر میں دیوثی کو رواج دینے کے لیے شرعی سہارا فراہم نہ کیا جاتا (عورت اور مسئلہ امارت ص۸)

حلالہ کے متعلق نص قرآنی

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (پارہ ۲ رکوع ۱۳)

ترجمہ۔ پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نبھائیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانشمندوں کے لیے۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا "حلالہ" کے متعلق ارشاد گرامی

حدثنا سعید ابن عفیر قال حدثنی عُقیل عن ابن شہاب قال اخبرنی عروہ بن الزبیر عن عائشۃ اخبرتہ ان امراۃ رفاعتہ القرظی جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انّ رفاعۃ طلّقنی فبتّ

طلاقی وانی نکحت بعدہ عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی وانما معہ مثل الھدبۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلک تریدین ان ترجعی الی رفاعۃ لا حتی یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلتہ (بخاری ص ۷۹۱ جلد ثانی۔ مسلم شریف جلد اول ص ۴۶۳۔ نسائی شریف جلد ۲ ص ۱۰۱۔ ترمذی شریف ص ۳۴۴۔ ابو داؤد جلد دوم ص ۲۹۹۔ اعلاء السنن جزء ۱۱ ص ۲۱۴۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴ سنن ابن ماجہ ص ۱۴۰۔ شرح السنۃ جلد ۹ ص ۲۳۲۔ موطا امام مالک ص ۵۰۱۔ دارقطنی جلد ۴ ص ۳۲)

ترجمہ۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی کہ رفاعہ قرظی کی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفاعہ نے مجھے طلاق دے دی ہے بتہ طلاق دی ہے (ایک بار تین طلاقیں دی ہیں) میں نے اس کے بعد عبد الرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کیا اس کے پاس کپڑے کے پھندنے کی مثل ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تو چاہتی ہے کہ رفاعہ کی طرف واپس چلی جائے تو اس کی طرف رجوع نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ تجھ سے لطف اندوز ہو اور تو اس کا مزہ چکھے۔

حلالہ کے متعلق قرآن کا حکم اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آپ ملاحظہ فرما چکے۔ "حلالہ" علماء یا فقہا کا وضع کردہ مسئلہ نہیں ہے کہ طارق علماء کو ہدف تنقید بنانے کے لیے حلالہ کا انکار کر رہا ہے قرآن پاک اور حدیث پاک سے حلالہ کی مشروعیت اور جواز ثابت کیا جا چکا ہے۔ حلالہ ظاہراً قبیح فعل نظر آتا ہے لیکن فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ بات بات پر طلاقیں دے کر حدود اللہ کو پامال کرنے والے لوگ جو عورت کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مختلف مسائل یا خواہشات پر عورتوں کو مجبور کرتے ہیں اور فرمائشیں پوری

نہ کر سکنے پر عورت کو طلاق دے دیتے ہیں ان کا ظاہری خود ساختہ معیار عزت اور جھوٹی انانیت کو پامال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سزا دی ہے کہ حدود اللہ کو پامال کرنے کے بعد اگر ان کو پھر سے بلا کسی سزا دوبارہ نکاح کی اجازت دے دی جاتی تو طلاق کا کھیل بالکل عام ہو جاتا اور بات بات پر طلاقیں چلنے لگتیں لیکن حلالہ کا ایسا خوف طلاق دینے والے پر اللہ تعالیٰ نے طاری کیا ہے کہ کوئی بھی عقل مند آدمی طلاق دینے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس طرح عورت کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا دروازہ بند کیا گیا ہے، اب یہ کہ یہ سزا عورت کو بھی ملتی ہے یہاں سے یہ کیسے معلوم ہو گیا اور یہ نتیجہ کونسے حکم سے نکالا جا رہا ہے جب جس خاوند نے عورت کو تین طلاقیں دیکر دھتکار دیا ہے اور طلاق کی شدید شرعی مذمت کے باوجود اس شخص نے اس کا ارتکاب کر لیا ہے تو اب طلاق کے بعد ان کو مل جل کر رہنے کی خواہش کیوں پیدا ہو گئی اس خواہش کو طلاق سے پہلے بیدار کرنے کے لیے یہ سزا مقرر کی گئی ہے یہ سزا عورت کو یوں تو ملتی ہے کہ وہ دوسرے خاوند کے عقد میں جائے لیکن ایسا تو بہت کم ہوتا ہے کہ دوسرا خاوند بھی اسے طلاق دیدے اب اگر دوسرا خاوند اسے طلاق دے دیتا ہے تو پہلے خاوند کے لیے اس سے نکاح جائز ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص مطلقہ ثلاثہ سے بشرط تحلیل نکاح کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص پر لعنت فرمائی گئی ہے اور ایسے شخص پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔ (مشکوٰۃ شریف صـ۲۸۴۔ نسائی شریف جلد ۲ صـ۱۰۱) اور حیلہ حلالہ کو حضور علیہ السلام نے سخت ناپسند فرمایا ہے اب وہ عورت جو پہلے خاوند سے مطلقہ ہو چکی ہے کیا اس کے لیے دوسرا خاوند کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہے؟ اور اگر نہیں اور وہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے اور ان کا ازدواجی تعلق خوشیوں سے عبارت بن جاتا ہے تو اس کو ایک بیہودہ اور ظالم خاوند سے نجات ملی اور غموں کی تاریک راتیں

مستورات کی جانفزا صحبتوں میں بدل گئیں لیکن پہلا خاوند ضرور طلاق دے کر پریشانی میں مبتلا ہوا۔ اب طلاق اور حلالہ نہ لازم و ملزوم ٹھہرے اور نہ ہی پہلے خاوند کی طرف رجوع عورت کی ضرورت یا مجبوری ٹھہرا اس طرح اسلام نے عورت کے حقوق کا تحفظ کیا اور حلالہ کو شرط رکھ کر اللہ تعالیٰ نے عورت کو ظلم و جبر سے محفوظ فرمایا اس کو دیوثی یا بے غیرتی کہنا کتنی بڑی جہالت ہے ایسے لوگ جو عورتوں کو محفلوں اور اسٹیجوں کی زیب و زینت بنانے کے علمبردار ہوں اور بے حیائی اور دیوثی میں جن کے شب و روز صرف ہو رہے ہوں ان کے منہ سے شرم و حیا غیرت و شرافت کا سبق کچھ عجیب سا لگتا ہے، اب طارق کی عبارت کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے کہ اس کے تمام بکواسات و خرافات کا ہدف کون ہے ۔

طارق کا کھلا ارتداد و زندقہ

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ زوج اول کی تحلیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے "حلالہ" کو لازم قرار دیا ہے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی توضیح فرمائی ہے اب رحمت اللہ کی وہ گستاخانہ عبارت کیا، اللہ تعالیٰ اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہو گی یا فقہا کے متعلق کوئی بھی ادنیٰ بصیرت رکھنے والا شخص بھی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ نعوذ باللہ ثم العیاذ باللہ رحمت اللہ نے انار کی، ظلم، بد اخلاقی، بے غیرتی اور دیوثی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ستودہ صفات اور سرورِ انبیا، خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے ۔

مدعیانِ اسلام، علمار کرام، مفتیانِ عظام اور اربابِ اقتدار سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ آج تک روئے زمین پر کسی بد سے بدترین کافر نے بھی کیا ایسی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے ؟ مسلمان خواتین سے میں بڑے درد سے گزارش کرتا ہوں کہ کیا یہی مرتد اور

زندیق آپ کے حقوق کا علمبردار ہے، کیا مملکت پاکستان کا کوئی قانون ایسے منافق کے خلاف حرکت میں آئے گا؟ وفاقی اور صوبائی حکومتیں کیا اسلام کے تحفظ کے لیے بھی کچھ کر سکتی ہیں یا ان کی ساری سر پھٹول اقتدار کے لیے ہے وفاقی حکومت پر خصوصاً اس مرتد کو کیفر کردار تک پہنچانے کا فریضہ عائد ہوتا ہے جس کی ہمدردی کا راگ الاپتے ہوئے اور وزیراعظم کی ہمدردی کی آڑ میں اتنی زبردست گستاخانہ عبارت اسلامیان پاکستان کے سامنے آئی ہے۔ کہاں ہیں رشدی کے خلاف تحریکیں چلانے والے ملک میں تو رشدی کے بھی باپ موجود ہیں، آپ سات سمندر پار اسلام کے تحفظ کا جو مستحسن فریضہ انجام دے رہے ہیں پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے لیجیے۔

حدیث پاک کا انکار اور غلط تشریح

ملاحظہ ہو۔ "عورت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے"۔ (یہ اشارہ ہے کہ اس کی اصلاح ناممکن ہے یا یہ کہ وہ مخلوق ہی نہیں ہے) عورت اور مسئلہ امارت ص ۸۔

حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

حدثنا عبد العزیز بن عبد اللہ قال حدثنی مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ کالضلع ان اقمتھا کسرتھا وان استمتعت بھا وفیھا عوج۔ بخاری جلد ۲ ص ۷۷۹

ترجمہ۔ عبد العزیز بن عبد اللہ مالک، ابی الزناد، اعرج، ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اگر فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو ٹیڑھے پن ہی میں فائدہ اٹھا سکتے ہو۔

حدثنا اسحٰق بن نصر قال حدثنا حسین الجعفی عن زائدۃ عن میسرۃ عن ابی حازم عن ابی ھریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلایؤذی جارہ واستوصوا بالنسآء خیراً فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شی فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنسآء خیرًا۔ بخاری جلد دوم ص۷۷۹۔

ترجمہ۔ اسحٰق بن نصر جعفی، حسین جعفی، زائدہ، میسرہ، ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا جس کا اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہے اسے اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیے اور عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی میری وصیت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہے جو سب سے بڑی پسلی ہے وہ سب سے زیادہ ٹیڑھی رہے گی میری وصیت عورتوں کے حق میں قبول کرو۔ مسلم شریف جلد ا ص۴۷۵ جامع ترمذی ص۳۶۸۔

اس سلسلہ کی وہ حدیثیں متعدد کتب احادیث سے ذکر کی جا چکی ہیں اس طرح اب اس حدیث پاک کے وجود سے انکار تو ناممکن تھا اس لیے اس کی غلط تشریح کر کے طارق نے اپنے دل کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کی ہے حالانکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ عورت پسلی کی مانند ہے اس کو اپنی حالت پر رکھتے ہوئے آپ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اگر آپ اس کو سیدھا کرنا چاہیں تو وہ ٹوٹ جائے گی جیسے کہ پسلی کی ہڈی کو سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے، اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ عورت کی طبیعت میں ضد کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ نرمی اور حسن معاشرت کا حکم دیا یہ عورتوں کی وہ کمزوری ہے جس کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما کر مردوں کو تنبیہ فرمائی اور بھلائی کا حکم دیا دوسری حدیث پاک کہ عورت

پسلی سے پیدا ہوئی ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوّا کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ عمدۃ القاری البدایہ والنہایہ جلد ۱، فتاویٰ کبیر ابن تیمیہ جلد ۱۷ ص ۲۶۶۔

اب طارق صاحب کا یہ نتیجہ نکالنا (یا یہ کہ وہ "مستقل مخلوق ہی نہیں ہے) ان احادیث مبارکہ سے تو کوئی بھی صاحب عقل وہوش یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہاں ان کے مستقل مخلوق ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ مرد عورت سے پیدا ہوتا ہے اور عورت سے عورت بھی پیدا ہوتی ہے تو کیا یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ مرد عورت سے پیدا ہوا ہے اس لیے مرد مستقل مخلوق ہی نہیں ہے۔ مخلوق کی اقسام مستقل اور غیر مستقل قرار دینا یہ بھی طارق صاحب کا علمی کرشمہ ہے۔

درحقیقت حدیث پاک پر اعتراض کرنا مقصود ہے بات بنے یا نہ بنے طارق نے باطنی غلاظت کا ہر حال میں مظاہرہ کرنا ہی ہے ورنہ مخلوق پیدا شدہ یا عدم سے وجود میں آنے والی چیز کو کہتے ہیں (المنجد) اس میں مستقل یا غیر مستقل کا مفہوم کہاں سے سمجھ آیا اس طرح تو شاید سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بھی طارق صاحب غیر مستقل مخلوق کہیں گے کیونکہ آپ بھی والد کے بغیر پیدا ہوئے۔ ع برین عقل و دانش بباید گریست۔

حدیث پاک ناقصات العقل والدین کی صحت سے انکار اور شکوک پیدا کرنے کی مذموم کوشش

ملاحظہ ہو۔

عورتوں کا دین ناقص ہے۔ لہٰذا ان کا اسلام اور ایمان ادھورا ہی تصور ہوگا۔

(عورت اور مسئلہ امارت) ص ۸۔

حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

حدثنا سعید بن ابی مریم قال حدثنا محمد بن جعفر قال اخبرنی زید هو ابن اسلم عن عیاض بن عبد اللہ عن ابی سعید الخدری قال خرج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اضحی او فطر الی المصلی فمر علی النساء فقال یا معشر النساء تصدقن فانی اریتکن اکثر اھل النار فقلن ولم یا رسول اللہ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر ما رایت من ناقصات عقل ودین اذھب للب الرجل الحازم من احداکن قلن وما نقصان دیننا وعقلنا یا رسول اللہ قال الیس شھادۃ المرأۃ مثل نصف شھادۃ الرجل قلن بلی قال فذالک من نقصان عقلھا الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلی قال فذالک من نقصان دینھا رواہ البخاری جلد ۲ ص۴۴ کتاب الحیض۔ شرح السنۃ جلد ۱ ص۳۶۔

ترجمہ۔ سعید ابن مریم۔ محمد بن جعفر، زید بن اسلم، عیاض بن عبداللہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عید الضحیٰ یا عید الفطر میں نکلے (واپسی میں) عورتوں کی جماعت پر گزرے تو آپ نے فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ دو اس لیے کہ میں نے تم کو زیادہ دوزخ میں دیکھا ہے وہ بولیں کہ یا رسول اللہ یہ کیوں آپ نے فرمایا اس لیے کہ تم زیادہ لعنت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو اور تمہارے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی پختہ عقل والے مرد کی عقل پر غالب آجائے۔ عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے دین اور ہماری عقل میں کیا نقصان ہے آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت (شرعی) مرد کی نصف شہادت کے برابر نہیں ہے انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی اس کے عقل کا نقصان ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے، انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔ مندرجہ بالا حدیث پاک کو امام مسلم نے مختلف سند سے اور مضمون حدیث میں معمولی ردوبدل سے نقل کیا ہے، اسی سند سے علامہ امام ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ اور امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا ہے سند ملاحظہ ہو۔

حدثنا محمد ابن رمح بن المهاجر المصری قال عن اللیث عن ابن الهاد عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۶۰، سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۹۸، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۶۴۳، علامہ امام حاکم نے اس حدیث پاک کو مختلف سند سے اور الفاظ کے معمولی تغیر سے المستدرک جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ پر ذکر کیا ہے اسی سند کو علامہ ذہبی نے تلخیص میں بیان کیا ہے، امام حاکم اور امام ذہبی نے اس حدیث پاک کو صحیح الاسناد اور صحیح قرار دیا ہے۔

اخبرنا احمد بن جعفر القطیعی ثنا عبداللہ بن احمد بن حنبل حدثنی ابی ثنا عبدالرزاق أنبأ سفیان عن منصور والاعمش عن ذر اخبرنا عبداللہ بن محمد بن موسٰی العدل واللفظ لہ ثنا محمد بن ایوب انبأ یحیٰی بن المغیرۃ السعدی ثنا جریر عن منصور بن ذر عن وائل بن مھانۃ السعدی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم

امام ترمذی نے بھی اسی مضمون کی حدیث پاک کو الفاظ کے معمولی تغیر اور سند کے مکمل تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے، سند ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابو عبداللہ هریم بن مسعر الازدی الترمذی فاعبد العزیز بن محمد عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی هریرۃ (جامع الترمذی صفحہ ۳۷۵)۔

مذکورہ بالا حدیث پاک تین مختلف سندوں کے ساتھ صحاح ستہ کی تمام کتب میں موجود ہے، جس کے راویوں میں حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ کرام موجود ہیں اور تین مختلف سندوں سے روایت کی وجہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس حدیث پاک کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے اس حدیث پاک کا انکار تو رحمت اللہ طارق کو

شکل نظر آیا تو شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے اتنا لکھ کر اپنے تاریک ضمیر کو تسلی دی (عورتوں کا دین ناقص ہے لہذا ان کا اسلام اور ایمان ادھورا ہی تصور ہوگا) اس سلسلہ میں طارق سے پروفیسر رفیع اللہ شہاب بہت آگے نکل گیا ہے اور اس نے اس حدیث پاک کی صحت سے ہی انکار کر دیا۔

پروفیسر شہاب کی زبردست علمی خیانت

پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے اپنی کتاب "منصب حکومت اور مسلمان عورت" کے صفحہ نمبر ۴۹ پر باب قائم کیا ہے "عورت ناقص العقل نہیں" اس طرح صاف طور پر اس نے ایک ایسی حدیث پاک کا انکار کیا ہے جس کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے اس طرح ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق ہو گئی کہ رحمت اللہ طارق اور پروفیسر شہاب منکرین حدیث ہیں اور انہیں کسی کی حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں وہ تو صرف برسر اقتدار گروہ کی آڑ میں فتنہ انکار حدیث پھیلانا چاہتے ہیں، اس حدیث پاک کے راویوں کے متعلق بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا مضمون نقل کر دیا جائے تاکہ قارئین کو پروفیسر کے مطالعہ مبلغ علم اور دیانت کا مکمل اندازہ ہو سکے۔ ملاحظہ ہو۔

عورت ناقص العقل نہیں

محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے وزیر اعظم منتخب ہو جانے کے بعد علماء حضرات نے ایک کمزور حدیث کی بنا پر ان کے خلاف تحریک چلائی کہ ایک عورت مسلمان ملک کی حکمران نہیں بن سکتی، راقم نے ائمہ حدیث کی تحقیقات کی روشنی میں اس حدیث کے چاروں کے چاروں راویوں

کو غیر ثقہ ثابت کرکے اس حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں دلائل پیش کیے اور یہ بھی ثابت کیا کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کو مطعون کرنے کے لیے وضع کی گئی تھی۔ علماء حضرات سے توقع تھی کہ اس علمی تحقیق کے بعد وہ اپنے غلط نقطہ نظر پر اصرار نہیں کریں گے لیکن اب انہوں نے اس حدیث کو ترک کرکے ایک دوسری ضعیف حدیث کا سہارا لینا شروع کر دیا ہے اس حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو ناقص العقل مخلوق قرار دیا تھا اس لیے وہ کسی اسلامی ملک کی حکمران نہیں بن سکتی، یہ حدیث بھی پہلی حدیث سے مختلف نہیں نہ صرف یہ کہ اس حدیث کے پانچ میں سے چار راوی ضعیف ہیں بلکہ یہ قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے بھی خلاف ہے، اور اس سے خود باری تعالیٰ کے بارے میں ذہنوں میں غلط تصور قائم ہوتا ہے حدیث کے مضمون اور راویوں پر مفصل بحث سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا پورا متن قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

ابن مریم نے بیان کیا ہے کہ انہیں محمد بن جعفر نے زید سے انہوں نے عیاض بن عبداللہ سے اور انہوں نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف نہیں ہے؟ تو ہم نے اثبات میں جواب دیا اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ عورت ناقص العقل ہے (صحیح بخاری کتاب الشہادۃ جلد ا ص ۹۲۱ حامد اینڈ کو ایڈیشن لاہور)

پہلے ہم اس حدیث پاک کے راویوں کو لیتے ہیں جو پانچ ہیں (۱) ابن مریم (۲) محمد بن جعفر (۳) زید بن اسلمہ (۴) عیاض بن عبداللہ (۵) حضرت ابوسعید خدری، ان پانچ راویوں میں سے ایک یعنی محمد بن جعفر کے بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ثقہ راوی تھے بقیہ چار کے بارے میں انہوں نے مختلف خیالات کا اظہار فرمایا جو ان کے غیر ثقہ ہونے کی دلالت کرتے ہیں اس حدیث کے سب سے اہم راوی حضرت ابوسعید خدری ہیں جو صحابی رسول تھے، لیکن جب وقت شہادت یعنی گواہی کے بارے میں دو ہجری میں قرآنی حکم نازل ہوا وہ اس وقت نابالغ تھے اور اتنے چھوٹے تھے کہ ۳ھ میں جنگ احد میں اپنی صغر سنی کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے تھے (تہذیب جلد سوم ص ۱۷۹ از علامہ ابن حجر عسقلانی)

یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی جیسے اہم اسلامی حکم پر ایک بچے سے گفتگو کرتے ہیں اور ہزاروں اجلّ اور عالم صحابہ سے اس بارے میں گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا وگرنہ وہ بھی ضرور اس روایت کو بیان کرتے اس کے مقابلے میں ان عالم صحابہ میں سے متعدد نے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مرتبہ ماں کے بلند مرتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جنت ماں کے دو قدموں کے نیچے ہے اس لیے ہر مسلمان کو اپنی ماں کی فرمانبرداری کرنی چاہیے، سوچنے کی بات ہے کہ اولاد کی پرورش میں باپ کا بھی بڑا ہوتا ہے لیکن اس معاملے میں آپ نے عورت کو فضیلت دی اور یہ کوئی معمولی فضیلت نہ تھی ایک

طرف ہم عورت کی یہ فضیلت بیان کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ
ثابت کرتے ہیں کہ وہ ناقص العقل ہے اس لیے اس سے نعوذ باللہ یہ
ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو ایک ناقص مخلوق کے پاؤں کے
نیچے رکھا ہے اس حدیث کے دوسرے راوی عیاض بن عبداللہ ہیں
اسماء الرجال کے ایک بہت بڑے امام ابو حاتم نے اسے ایک غیر ثقہ
راوی قرار دیا ہے (میزان الاعتدال جلد سوم صفحہ ۳۰۷) اس حدیث
کے تیسرے راوی جناب زید ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ
کا نام جان بوجھ کر نہیں دیا گیا اور عام طور پر کمزور روایات کو سہارا
دینے کے لیے راویوں کے باپوں کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا تاہم بعض ائمہ
حدیث نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے والد کا نام اسلمہ تھا جو اکثر ائمہ
کے نزدیک ایک ثقہ راوی شمار ہوتا ہے تاہم علامہ ابن عبداللہ نے
ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے ایسے ہم عصروں سے جن سے انہوں
نے کبھی ملاقات تک نہیں کی تھی احادیث روایت کی ہیں، ایسی روایتوں
کو حدیث کی اصطلاح میں "مدلس" کہا جاتا ہے اور راویوں کے غیر ثقہ
ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا تھا (تہذیب التہذیب جلد سوم صفحہ ۳۹۷) جہاں
تک چوتھے راوی ابن مریم کا تعلق ہے تو اس نام کے چار راوی تھے۔
(۱) بریدہ بن ابی مریم (۲) یزید بن ابی مریم (۳) ابو بکر بن عبداللہ بن
ابی مریم (۴) سعید بن حکم بن ابی مریم ان میں سے پہلے دو راوی تابعین
تھے اگر وہ اس حدیث کے راوی ہوتے تو حضرت سعید خدری کے بعد
ان کا دوسرا نمبر ہوتا نہ کہ پانچواں جیسا کہ اوپر دی گئی حدیث میں ہے
باقی دو میں سے ابو بکر بن عبداللہ کو سب ائمہ حدیث نے غیر ثقہ راوی

کہا ہے (تہذیب التہذیب جلد بارہ صفحہ ۲۰) چوتھے راوی سعید بن حکم المصری ہیں وہ بلاشبہ ایک ثقہ راوی تھے لیکن ان کی روایت کردہ بعض احادیث کو ائمہ حدیث نے صحیح تسلیم نہیں کیا ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ (چھپکلی) کو کھانے کی اجازت دی تھی (التمہید، تالیف علامہ عبدالبر جلد اول صفحہ ۱۵۳) خود ہمارے ملک میں علماء کی اکثریت ان کی اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتی مختصر یہ کہ اس حدیث کے چار راوی کسی نہ کسی وجہ سے غیر ثقہ قرار پاتے ہیں اس کو دوسری معتبر حدیثوں کے مقابلے میں بھی ضعیف ثابت کیا جا چکا ہے۔
تا آخر۔

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے دلائل اور خیالات آپ پڑھ چکے ہیں اس نے متعدد مرتبہ وزیر اعظم کا نام استعمال کر کے انہیں اپنے لیے ڈھال بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور انکار حدیث کی بندوق وزیر اعظم کے ناتواں کندھوں پر رکھ کر چلانے کی کوشش کی ہے حالانکہ وہ نہ تو منکر حدیث ہونگی اور نہ ہی ایسے فصلی خوشامدیوں کی مذموم کوششوں کو نظر استحسان سے دیکھتی ہوں گی۔ اس کے باوجود پروفیسر نے ان کے نام اور مرتبہ کو ناجائز طور پر استعمال کرنے کی پوری کوشش کی ہے ایسے لوگوں کو کسی سے قلبی تعلق اور عقیدۃ نہیں ہوتی بلکہ وہ تو عقیدتوں، محبتوں اور اطاعتوں کے مرکز کو مسمار کرنے کے لیے وقت سے فائدہ اٹھانے کے قائل ہوتے ہیں، اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی طرفداری اور محبت کا دم بھر کر سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا انکار کرنے کا حیلہ اور بہانہ تلاش کرتے ہیں ایسے ابن الوقتوں کو کسی کے اقتدار سے دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں کسی کے اقتدار کی مخالفت مقصود ہے، بلکہ ہمیں تو صرف اور صرف قرآن و حدیث کی تعلیمات اور احکامات کا تحفظ مطلوب ہے

اور انہی احکامات کی روشنی میں یہ سر اقتدار آنے والوں سے عقیدت اور محبت ہو گی
شہاب صاحب نے مضمون کے عنوان میں ہی اس حدیث پاک کے وجود اور
صحت کا کھلا انکار کر دیا ہے، مضمون میں انہوں نے عورت کی سربراہی والی حدیث
کے متعلق کہا ہے کہ اس کو میں نے مکمل طور پر ضعیف ثابت کر دیا ہے۔ چونکہ میں
اپنی کتاب کے ابتدائی صفحات میں رحمت اللہ اور پروفیسر کی طرف سے اسلام پر
چند مخصوص جملوں کے مختصر ذکر اور اس کے جواب کے بعد قرآن پاک، تفاسیر، حدیث پاک
اور اقوال ائمہ و شارحین حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ قوام کا معنیٰ اہل
لغت، مفسرین، ائمہ اور علماء سلف و خلف نے کیا کیا ہے، پردہ کے احکامات
عورتوں کے گھر میں رہنے امامت صغریٰ و کبریٰ اور شرائط امامت وغیرہ تحریر
کر لینے کے بعد عورت کی سربراہی والی حدیث پر تحقیق اور دونوں مصنفین کے
اعتراضات اور ان کے جوابات تحریر کرنے کا ارادہ تھا اس لیے میں حدیث پاک
کے راویوں کے متعلق سردست کچھ تحریر کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن طارق صاحب
کے پانچ نکات میں چونکہ یہ حدیث پاک شامل تھی تو مناسب سمجھا کہ یہاں اختصار
کے ساتھ پروفیسر صاحب کی تحقیق پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

انشاء اللہ اس حدیث کے متعلق تحقیق پڑھنے کے بعد پروفیسر کو یہ کہنے کی
مجال نہ ہو گی (کہ میری علمی تحقیق کے بعد خیال تھا کہ علماء غلط نظریئے پر اصرار نہیں
کریں گے) بلکہ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ غلط نظریہ کس کا تھا اور حدیث صحیح تھی
یا ضعیف؟ اب یہ کہنا کہ یہ حدیث بھی اسی طرح ضعیف ہے، قطعاً غلط اور
بے بنیاد ہے، نہ وہ حدیث پاک ضعیف ہے اور نہ ہی یہ پروفیسر نے حدیث پاک کا
پورا متن بیان کرنے کا دعویٰ کر کے کتاب الشہادات ص۳۶۳ پر موجود اس حدیث
پاک کے متن کو بیان کیا ہے، حالانکہ کتاب الفتن بخاری شریف جلد اول صفحہ ۴۴

پر بھی یہی حدیث پاک حضرت امام بخاری نے بیان کی ہے، اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ کسی بھی حدیث پاک کو جب امام بخاری پہلی مرتبہ بیان کرتے ہیں تو وہاں وہ مکمل سند اور پوری حدیث نقل کرتے ہیں اس کے بعد امام بخاری جو فقہی انداز میں باب قائم کرتے ہیں تو دوبارہ سہ بارہ یا اس سے زائد بار اس حدیث کو باب کی مناسبت سے مختصر بیان کرتے ہیں اور وہاں سند میں بھی تخفیف کر دیتے ہیں اب جب بھی کسی نے سند کے متعلق گفتگو کرنی ہوتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے جتنے مقامات پر بیان کیا ہے سب کو دیکھ لے یا کم از کم جہاں سب سے پہلے وہ حدیث پاک بیان کی گئی ہے اسے لازماً دیکھ لے تاکہ راویوں کے ناموں کے سلسلہ میں کسی غلطی کا شکار نہ ہو، پروفیسر صاحب کو لکھنے کا شوق چڑھا ہوا ہے یا مطالعہ کی کمی ورنہ کم از کم اس اہم اصول پر تو عمل کر لیتے لیکن سستی شہرت کا سودا، جب سر میں سما جاتا ہے تو پھر اصول اور ضابطے بھول جاتے ہیں یا یہ ان کی جہالت ہے کہ صفحہ ۴۴ کی بجائے ۳۹۹ پر جا پہنچے اور بڑی شد و مد سے لکھ دیا کہ (تیسرے راوی جناب زید ہیں) اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ کا نام جان بوجھ کر نہیں دیا گیا اور عام طور پر کمزور روایات کو سہارا دینے کے لیے راویوں کے باپوں کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اگر وہ صفحہ ۴۴ پر اسی حدیث پاک کی سند دیکھ لیتا تو اسے یہ شرمندگی نہ اٹھانا پڑتی اور اسے صاف نظر آجاتا کہ زید ہو ابن اسلم نہ زید اسلم کے بیٹے نہ کہ اسلمہ کے، یہ وہ مذموم کوشش تھی جس کے ذریعہ عوام الناس کو شکوک میں مبتلا کرنا مقصود تھا اور یہ بد ترین علمی خیانت ہے۔

اب اس حدیث پاک کے راویوں کے متعلق تفصیلی بحث پیش کی جاتی ہے پہلے راوی سیدنا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا گیا ہے کہ غزوہ احد کے وقت آپ کم سن بچے تھے اور ایسی علمی گفتگو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک کمسن بچے سے کیوں کی بڑے بڑے عالم صحابہ نے اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔ پروفیسر صاحب نے اگر صحاح ستہ کا ہی مطالعہ کر لیا ہوتا تو آج ان کو اس خجالت کا سامنا نہ کرنا پڑتا وہ اپنے علم کو ملک کے تمام علماء کے علم سے زیادہ قرار دیتے ہیں لیکن انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اسی حدیث پاک کو حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ جیسے عالم صحابہ بھی روایت کر چکے ہیں اور حضرت ابوسعید خدری جو غزوہ اُحد کے وقت ۱۳ سال کی عمر رکھتے تھے اس حدیث کی روایت میں منفرد نہیں ہیں اور بخاری شریف میں جو سند بیان کی گئی ہے، دیگر دو سندوں کے راوی بالکل اس سند کے راویوں سے مختلف ہیں ایک راوی بھی مشترک نہیں ہے لیکن تیرہ سال کی عمر میں کیا کوئی شخص علمی گفتگو سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی کونسا خفیہ راز تھا جسے سمجھنے کے لیے معمر ہونے کی ضرورت تھی تیرہ سال تو بہت زیادہ عمر ہے، ہم پروفیسر صاحب کو نو سال کے بچے حافظ قرآن ایک نہیں کئی دکھانے کے لیے تیار ہیں دینی مدارس میں سینکڑوں بارہ تیرہ سال کے بچے صرف و نحو کے پیچیدہ اور مشکل ترین قواعد و مسائل کی تعلیم مکمل کر چکے ہوتے ہیں تو کیا اتنے عظیم انسان کے لیے اتنا کچھ سمجھنا بھی بہت مشکل تھا، پروفیسر صاحب خود ہی ایک حدیث غلبۃ الرجال والی کی ایک بچے سے روایت کو قبول کر چکے ہیں، وہ بچے حضرت انس بن مالک تھے جو عمر میں حضرت ابوسعید خدری سے تقریباً ایک سال چھوٹے تھے اور گیارہ سال کی عمر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت شروع کی تھی ان کی روایت کو پروفیسر نے صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اپنی کتاب کی ابتداء میں اسی حدیث پاک کو لکھ کر ہی احادیث کی قطع و برید شروع کی ہے۔

چونکہ غلبۃ الرجال والی حدیث پروفیسر نے اپنی تائید میں لکھی ہے اس لیے اس کے راوی حضرت انس بن مالک کی عمر جو دس اور گیارہ سال کے درمیان تھی اسے کم نظر نہ آئی

اور نہ ہی حضرت انس نابالغ بچے ٹھہرے لیکن حضرت ابو سعید خدری کی روایت کو چونکہ پروفیسر نے رد کرنا اپنے اوپر فرض کیا ہوا تھا اس لیے حضرت ابو سعید خدری کی تیرہ سال کی عمر اس کو کم نظر آئی اور وہ نابالغ بچے قرار پا گئے، حضرت ابو سعید خدری کے لیے یہ قول کہ آپ نے یہ حدیث پاک بارہ سال کی عمر میں ہی سنی ہے، دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ یہ حدیث پاک اگر ۲ھ میں حضور کریم نے ارشاد فرمائی ہے تو دوسری روایت کے مطابق آپ نے یہ حدیث پاک ۱۰ھ میں بھی ارشاد فرمائی ہے اور وہ عید کے مجمع میں خواتین سے خطاب تھا جس کے بعد سال آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ حضرت ابو سعید نے یہ حدیث متعدد بار سنی ہو اگر حضرت انسؓ کے متعلق کوئی قائل یہ قول کرتا ہے کہ آپ بیس سال کی عمر تک حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور انہوں نے یہ حدیث پاک گیارہ سال کی عمر میں نہیں بلکہ اٹھارہ سال کی عمر میں سنی ہے تو یہی قیاس حضرت ابو سعید کے متعلق بھی تو کیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے آخر پر یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ پروفیسر صاحب ام المومنین حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما سے روایات کے متعلق کیا کہیں گے کیوں کہ آپ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں چھ سال کی عمر میں آئیں آپ شادی سے پہلے اور متصل بعد کی جو حدیثیں روایت فرمائی ہیں ان کے متعلق پروفیسر صاحب کا کیا خیال ہے ام المومنین زیادہ سے زیادہ نو سال کی عمر میں سنی ہوئی احادیث کی بھی روایت فرماتی ہیں تو کیا وہ نو سال حضرت ابو سعید خدری کے تیرہ سال سے زیادہ ہیں، ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد اوّل ص۵۵۱ باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وقدومہ المدینۃ وبناؤہ بہا۔

حدثنی عبید بن اسماعیل قال حدثنا ابو اسامۃ عن ہشام عن ابیہ قال توفیت خدیجۃ قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ بثلٰث

سنین ثلث سنتین او قریبًا من ذالک ونکح عائشۃ وھی بنت ست سنین ثم بنٰی بہا وھی بنت تسع سنین۔

حضرت ہشام نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ کا انتقال حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف کو ہجرت کرنے سے تین سال قبل ہو گیا تھا تو آپ نے تقریبًا دو سال توقف فرمایا پھر حضرت عائشہ سے جبکہ ان کی عمر چھ سال تھی نکاح فرما لیا پھر ان کی نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

آپ فرماتی ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمایا تو اس وقت میری عمر چھ سال تھی اس کے بعد ہم مدینہ منورہ آئے اور جب میری رخصتی ہوئی اس وقت میری عمر نو سال تھی (بخاری شریف جلد اوّل ص ۵۵۱)

آپ کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی اور وہ سن ہجری کا دوسرا سال تھا۔ وکان بناؤہ بہا علیہ السلام فی السنۃ الثانیۃ من الھجرۃ الی المدینہ (البدایہ والنہایہ جلد ثالث ص ۱۳۱) (السیرۃ النبویہ جلد دوم ص ۱۴۰، لامام ابی الفداء اسماعیل بن کثیر المستدرک جلد دوم ص ۱۶۷، المنتقٰی ابن تیمیہ ص ۵۰۶) الوفا باحوال المصطفیٰ ج ۲ ص ۶۴۶)

ان احادیث اور تاریخی حوالوں سے واضح ہو رہا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ام المومنین کی عمر سات اور آٹھ سال کے درمیان تھی اگر آٹھ سال بھی تسلیم کر لی جائے تو آٹھ سال کی عمر میں آپ نے ہجرت کے متعلق طویل ترین حدیث روایت کی ہے جس حدیث پاک کی طوالت نے بخاری شریف کے صفحات ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴ اور ۵۵۵ کو اپنی وسعت میں سمیٹ رکھا ہے اور یہ سب احادیث سے طویل حدیث ہے، جو ان واقعات، حالات اور اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے، جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی عمر شریف کے چھ سال سے نو سال کی عمر کے درمیان پیش آئے۔

اب پروفیسر صاحب ہی بتائیں کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایتوں کے

متعلق کیا موقف اختیار کریں گے، کیونکہ آپ کی روایت کردہ احادیث میں کئی حدیثیں ایسی ہیں جس طرح مثال کے طور پر ہم ذکر کر چکے ہیں جو آپ کی عمر کے چھ سال سے نو سال تک کے عرصے سے تعلق رکھتی ہیں کیا اب بھی حضرت ابو سعید خدری کی عمر ۱۳ سال انہیں روایت کے لیے ناکافی معلوم ہوتی ہے، دراصل غزوہ احد میں حضور کریم کا حضرت ابو سعید کو شرکت کی دعوت نہ دینا آپ کی فہم و فراست پر کوئی اعتراض نہیں بن سکتا کیونکہ جنگ کا تعلق جسمانی قوت اور صلاحیت کے ساتھ ہے اور روایت کا تعلق عقل و دانش کے ساتھ ہے غزوہ اُحد میں آپ کے والد حضرت مالک کو شہادت نصیب ہوئی چونکہ آپ نادار تھے فاقوں پر نوبت آگئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی مالی حالت کا تذکرہ کر کے کچھ عطا لے آئیں تاکہ فاقوں سے نجات مل جائے آپ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے "جو شخص تنگدستی کی حالت میں صبر کرے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے گا" حضرت ابو سعید نے حضور کریم کا یہ ارشاد گرامی سنکر سوچا کہ میرے پاس ایک اونٹنی موجود ہے، لہذا میں سوال نہیں کروں گا، واپس گھر آئے اور محنت و مشقت شروع کر دی حضور کریم کا فرمان پورا ہوا اور آپ تھوڑے ہی عرصہ میں غنی ہو گئے۔

کیا! ابو سعید کا سوال نہ کرنا ان کی اولعزمی پر دلالت نہیں کرتا اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سمجھ لینا آنکہ بلوغتِ عقل و فہم کی دلیل نہیں اور ان کا اونٹنی سے کام لینا اور محنت و مشقت کی راہ اختیار کرنا ان کی جسمانی قوت کا ثبوت نہیں، لیکن جنگ کے لیے جس جسمانی قوت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے تیرہ سال کی عمر ناکافی ہے، جنگ اور روایت کا کوئی تعلق نہیں کہ جو جنگ کے قابل نہ ہو تو اس کی روایت یا خبر بھی قابل اعتبار نہیں یہ پروفیسر صاحب کا خود ساختہ ایسا قاعدہ ہے جس کو کوئی

باشعور آدمی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوگا، حضرت ابو سعید خدری کو غیر ثقہ ثابت کرنے کے لیے پروفیسر صاحب کی دلیل انتہائی مضحکہ خیز اور بے معنیٰ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں ہے اس طرح محل نظر حدیث پاک کے پانچوں راوی ثقہ ہیں۔

اب ہم ائمۂ اسماء الرجال کی تحقیق اس حدیث کے پانچوں راویوں کے متعلق تحریر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو معلوم ہوسکے کہ منکرین حدیث فن اسماء الرجال کی آڑ میں ہر اس حدیث پاک کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کی مرضی و منشاء مقصد و مدعا کے خلاف ہو درحقیقت یہ انکار حدیث کا ایک شاطرانہ طریقہ ہے جو حقیقی معنوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور آپ کے احکام سے بغاوت ہے۔ لیکن منکرین حدیث انکار حدیث کے الزام سے بچنے کے لیے اور عوام کو دھوکہ دینے کے لیے اس مکاری سے کام لیتے ہیں، اور بلا جواز حدیث پاک کے راویوں کو اپنی معاندانہ سرگرمیوں کا نشانہ بناکر انکار حدیث کا جواز پیدا کرتے ہیں۔

انشاء اللہ ہم اس سلسلہ میں کئی مثالیں آئندہ صفحات میں پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کریں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس حدیث پاک کے پہلے راوی ہیں آپکو ضعیف ثابت کرنے کے لیے آپ کی کمسنی کا حوالہ دیکر پروفیسر نے فائدہ اٹھانا چاہا تھا لیکن اس کا تفصیلی جواب ہم عرض کر چکے ہیں کہ ائمہ نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ غزوہ احد میں اپنی کم سنی کے باعث شریک نہ ہو سکے تھے آپ کے جنگ میں شریک نہ ہو سکنے کو ضعف روایت کا کسی طرح بھی بہانہ نہیں بنایا جا سکتا۔

حضرت ابوسعید خدری سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی تھے اور آپ کے والد گرامی حضرت مالک بھی صحابی تھے اور غزوہ احد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، حضرت ابوسعید خدری بے شمار خصوصیات کے مالک تھے، ائمہ اسماء الرجال اور محدثین نے آپ کی تعریف و توصیف میں بہت کچھ لکھا ہے، آپ کے تمام مناقب تو ہم اس مختصر کتاب میں درج نہیں کر سکتے البتہ اتنی کاوش ضرور کی جا رہی ہے کہ متعدد کتب جن میں آپ کی خصوصیات اور مناقب موجود ہیں ان میں سے کچھ کے حوالے درج کر دیئے جائیں اور ایک کتاب سے آپ کے متعلق مختصر بیان درج کر دیا جائے تاکہ باقی تمام کتب کی ترجمانی سمجھی جا سکے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۴ امام ابو عبداللہ شمس الدین محمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ

۲۔ خلاصہ تذہیب الکمال ص ۱۱۵ امام علامہ صفی الدین احمد بن عبداللہ

۳۔ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۹۳ امام الحافظ شیخ الاسلام رازی المتوفی ۳۲۷ھ

۴۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۷۹ امام شیخ الاسلام شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ

۵۔ تقریب التہذیب ص۲۳۲

۶۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص۳۵

۷۔ تاریخ بغداد ج ۱ ص۱۸۰ الحافظ ابی بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ

۸۔ تاریخ کبیر ج ۴ ص۴۴ الحافظ شیخ الاسلام ابی عبداللہ اسمٰعیل بن ابراہیم البخاری المتوفی ۲۵۶ھ

۹۔ تاریخ طبری ج ۴ ص۳۷۶ امام علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

۱۰۔ سیر الصحابہ ج ۳ جزو ۴ ص۱۸۵ مولانا سعید انصاری

۱۱۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲ ص۲۸۹ امام علامہ عزالدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد شیبانی المعروف بابن اثیر

۱۲۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامشۃ الاصابہ ج ۲ ص۴۷ علامہ ابن عبدالبر النمیر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ

۱۳۔ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص۱۶۸ امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ

الامام المجاہد مفتی مدینہ سعد بن مالک بن عبید بن ثعلبہ بن ابجر و ہو عذرۃ بن عوف بن الحارث بن الخزرج الانصاری الخزرجی ابوسعید الخدری مشہور بکنیتہ حضرت ابوسعید خدری کا اسم گرامی سعد بن مالک تھا اور ابوسعید آپکی کنیت تھی اور وہی مشہور ہوئی، حنظلہ بن ابوسفیان اپنے مشائخ سے بیان کرتے ہیں کہ نوجوان صحابہ میں سے آپ سب سے زیادہ فقیہہ تھے، اور خطیب نے کہا ہے کہ آپ فاضل صحابہ میں سے تھے، اور آپ نے بہت سی حدیثیں یاد کیں حضرت ابوسعید خدری سے ۱۱۷۰ حدیثیں مروی ہیں اور اس طرح آپ کثیر الحدیث ہیں۔ آپ کی مروی ۴۳ ۱ احادیث متفق علیہ ہیں ۱۶ میں امام بخاری

منفرد جبکہ ۵ میں امام مسلم منفرد ہیں، آپ انصار کے علماء، فضلاء، اور شرفاء میں سے تھے۔ آپ غزوہ احد میں کم سنی کے باعث شریک نہ ہو سکے، اس کے بعد وقوع پذیر ہونیوالا غزوہ "غزوہ خندق" تھا، آپ بشمول غزوہ خندق کل بارہ غزوات میں شریک ہوئے، آپ کے والد حضرت مالک نے غزوہ احد میں شجاعانہ جام شہادت نوش فرمایا، آپ اور آپ کے والد دونوں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ غزوہ احد کے وقت آپ کی عمر ۱۳ سال تھی، آپ سے جن حضرات نے احادیث روایت کی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس انس بن مالک، ابن عمر، ابن زبیر، جابر، ابو قتادہ، محمود بن لبید، ابو طفیل، ابو عمامہ بن سہل، سعید بن المسیب، طارق بن شہاب، عطاء، مجاہد، ابو عثمان عبید بن عمیر، عیاض بن عبداللہ بن ابی سرح، بشر بن سعید، ابو نضرہ، سعید بن سیرین، عبداللہ بن محریز، ابو المتوکل ناجی وغیرہم۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پر اسماء الرجال کی کسی بھی کتاب میں کوئی جرح موجود نہیں ہے، علامہ ابن حجر کا یہ قول کہ غزوہ احد میں آپ کم سنی کے باعث شریک نہ ہو سکے تھے آپ کی عمر بیان کرنے کے مقصد کے تحت لکھا گیا ہے اس سے آپ کی ثقاہت یا عظمت پر اعتراض کرنا مقصود نہیں تھا کیوں کہ غزوہ احد میں کئی نامور صحابہ کم سنی کے باعث شریک نہ ہو سکے تھے، علامہ ابن حجر کے اس قول سے آپ کی روایت میں ضعف ثابت کرنا جہالت وسفاہت ہو گی۔

حضرت عیاض بن عبداللہ

اسی حدیث پاک کے دوسرے راوی حضرت عیاض بن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں جن کو ابن معین اور نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے، علامہ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، لیکن پروفیسر کی بدنیتی کا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اصل راوی کے بجائے دوسرے ان کے ہم نام کمزور راوی پر ائمہ اسماء الرجال کا تبصرہ بیان کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت عیاض بن عبداللہ مدنی ہیں یہ خیانت محض اس لیے کی گئی ہے کہ اصل راوی ثقہ تھے اور ان پر کسی قسم کی جرح موجود نہیں تھی جب کہ پروفیسر کا کام ہی یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح حدیث پاک کو ضعیف ثابت کرے اصل صورت حال علامہ ابن حجر کی شہرہ آفاق اسماء الرجال کی کتاب تہذیب التہذیب جلد آٹھ صفحہ ۲۰۱-۲۰۲ سے ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں علامہ ابن حجر نے عیاض بن عبداللہ نام کے تین راویوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ عیاض بن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن الحارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی القرشی العامری المکی۔

۲۔ عیاض بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معمر الفہری المدنی۔

۳۔ عیاض بن عبداللہ الکوفی۔

۱۔ حضرت عیاض بن عبداللہ مکی اور (۳) حضرت عیاض بن عبداللہ کوفی دونوں ثقہ ہیں ان پر کسی قسم کا کیچڑ اچھالنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے (۲) عیاض بن عبداللہ مدنی کو اس حدیث کا راوی ٹھہرایا حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، کیونکہ علامہ ابن حجر حضرت عیاض

بن عبداللہ مکی کے متعلق رقمطراز ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر سے روایتیں کی ہیں جبکہ ان سے زید بن اسلم محمد بن عجلان، سعید المقبری، بکیر بن الاشج، داؤد بن قیس، الفراء، حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب اسماعیل بن امیہ، سعید بن ابی ہلال، عبداللہ بن عبداللہ بن عثمان بن حکیم وغیرہم نے روائتیں کی ہیں، ابن معین اور نسائی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور علامہ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے ابن یونس نے کہا ہے کہ وہ مکہ میں پیدا ہوئے پھر اپنے والد کے ساتھ مصر چلے گئے پھر مکہ میں ہی مقیم رہے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا۔

دوسرے عیاض بن عبداللہ الفہری المدنی کے متعلق علامہ ابن حجر تحریر کرتے ہیں کہ بعد میں انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی انہوں نے ابراہیم بن عبید بن رفاعہ، زہری، ابی الزبیر، مخرمہ بن سلیمان سعد بن ابراہیم سے روائتیں کی ہیں جبکہ ان سے صدقۃ السمین، ابن لہیعہ، لیث اور ابن وہب نے روائتیں کی ہیں، ابن حاتم فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں تھے جبکہ ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، ابن یونس نے کہا ہے کہ ان سے ان کے بیٹے معمر بھی روایت کرتے تھے اور ساجی فرماتے ہیں کہ ان سے ابن وہب نے بھی روائتیں کی ہیں جن میں ضُعف ہے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ آپ ضعیف حدیثیں روایت کرتے تھے جبکہ ابن شاہین نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے ابو صالح فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں آپ بڑی شان رکھتے تھے لیکن آپ کی حدیثوں میں ضُعف ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ آپ غیر معروف حدیثیں روایت فرمایا کرتے تھے، تیسرے عیاض بن عبداللہ کوفی ہیں جو صرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے صرف سلمہ بن کہیل نے روایت کی ہے، ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے

اب آپ کو پروفیسر کی بد دیانتی کا اندازہ ہو گیا ہو گا مزید وضاحت پیش کی جاتی ہے، حضرت عیاض بن عبداللہ کوفی صرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے صرف مسلمہ بن کہیل نے روایت کی ہے اور چونکہ وہ ثقہ بھی ہیں لہٰذا یہاں تو پروفیسر کا داؤ نہ چل سکا ان کے بعد دو عیاض بن عبداللہ نام کے راوی باقی رہ جاتے تھے اب ان کی پوزیشن میں بھی فرق تھا حضرت عیاض بن عبداللہ المدنی پر جرح ہو چکی ہے اس لیے پروفیسر کا مطلب ان کو ہی اس حدیث کا دوسرا راوی ظاہر کرنے سے حاصل ہوتا تھا کیونکہ حضرت عیاض بن عبداللہ مکی کی ثقاہت پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق تھا، حالانکہ ہم اوپر علامہ ابن حجر عسقلانی کا جو تبصرہ ذکر کر چکے ہیں اس کے مطابق حضرت عیاض بن عبداللہ مکی ہی اس نام کے واحد راوی ہیں جو حضرت ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زید بن اسلم ہیں یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت عیاض بن عبداللہ المکی ہیں کیونکہ حضرت عیاض بن عبداللہ مدنی نے نہ تو حضرت ابوسعید خدری سے کوئی روایت کی ہے اور نہ ہی ان سے زید بن اسلم نے کوئی روایت کی ہے اس واضح فرق کے باوجود حضرت عیاض مکی کے بجائے مدنی کو اس حدیث کا راوی قرار دینا بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے، اس تحقیق سے یہ حقیقت روز روشن سے زیادہ عیاں ہو چکی ہے کہ حضرت عیاض بن عبداللہ مدنی کو پروفیسر نے محض اس لیے اس حدیث کا راوی قرار دیا ہے تاکہ ان کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر حدیث پاک کو ضعیف اور مشکوک بنا کر انکار کا راستہ صاف کیا جا سکے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی سیر الاعلام النبلاء جزو ۴ صفحہ ۵۱۵ پر مندرجہ ذیل الفاظ میں علامہ ابن حجر کی تصدیق کرتے ہیں،

عیاض بن عبداللہ، ابن سعد بن ابی سرح القرشی، العامری المصری، ابن امیر مصر حدّث عن ابی ہریرہ وابی سعید وابن عمر وعنہ بکیر بن الاشج وزید بن اسلم وسعید المقبری وداؤد بن قیس وعبید اللہ بن عمر ومحمد بن عجلان وحدیثہ فی دواوین الاسلام۔ حضرت سعد بن ابی سرح قرشی عامری ابن امیر مصر نے حضرت ابوہریرہ حضرت ابی سعید حضرت ابن عمر سے روائتیں کی ہیں اور ان سے بکیر بن الاشج زید بن اسلم، سعید المقبری، داؤد بن قیس، عبید اللہ بن عمر اور محمد بن عجلان نے روائتیں کی ہیں ان کی حدیثیں قوانین اسلام کے متعلق ہیں، امام علامہ الحافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی الانصاری خلاصۃ تہذیب الکمال ص۲۵۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ عیاض بن عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح بمہلات القرشی العامری عن ابی ہریرۃ وابی سعید وعنہ زید بن اسلم وبکیر بن الاشج وثقہ ابن معین، حضرت عیاض بن عبداللہ حضرت ابی ہریرہ اور ابی سعید سے روائتیں کرتے ہیں اور ان سے زید بن اسلم وبکیر بن الاشج روائتیں کرتے ہیں، ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

امام شیخ الاسلام ابی محمد عبد الرحمٰن بن امام کبیر ابی حاتم محمد بن ادریس رازی کتاب الجرح والتعدیل جز وسادس ص۴۰۸ پر رقم طراز ہیں، عیاض بن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح روی عن ابی ہریرۃ وابی سعید الخدری روی عنہ المقبری وکعب بن علقمہ زید بن اسلم والحارث بن ابی ذباب ومحمد بن عجلان وعبید اللہ بن عمر وداؤد بن قیس وسمعت ابی یقول ذالک، نا عبد الرحمٰن قال ذکرہ ابی عن اسحاق بن منصور عن یحییٰ بن معین انہ قال عیاض بن عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ثقۃ۔

حضرت عیاض بن عبد اللہ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری سے روائتیں کی ہیں اور ان سے المقبری کعب بن علقمہ، زید بن اسلم، حارث

بن ابی ذباب، محمد بن عجلان، عبید اللہ بن عمر اور داؤد بن قیس روایتیں کرتے ہیں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ بتایا ہے انہوں نے اسحاق بن منصورؒ انہوں نے یحیٰی بن معین سے انہوں نے کہا کہ عیاض بن عبداللہ ثقہ تھے۔ امام الحافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی نے اپنی کتاب تقریب التہذیب صفحہ ۴۳ پر حضرت عیاض بن عبداللہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ ثقہ راوی تھے۔

حضرت امام بخاریؒ تاریخ کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۱ پر حضرت عیاض بن عبداللہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوسعید خدری سے حدیثیں سنی ہیں اور آپ سے زید بن اسلم، داؤد بن قیس محمد بن عجلان نے روایت کی ہے، آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا تھا۔ حضرت امام الحافظ محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ کتاب الثقات جزء خامس صفحہ ۲۶۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عیاض بن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں اہل مدینہ میں ان کا شمار ہوتا ہے ان سے زید بن اسلم اور کئی دوسرے حضرات روایت کرتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم

اس حدیث پاک کے تیسرے راوی حضرت زید بن اسلم ہیں جن کے متعلق پروفیسر صاحب نے یہ کہہ کر شک ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ (ان کے باپ کا نام جان بوجھ کر نہیں دیا گیا اور عام طور پر کمزور روایات کو سہارا دینے کے لیے راویوں کے باپوں کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا) تاکہ مختلف راویوں میں سے کمزور اور ثقہ کے اختلاط کے باعث قاری پر ضعیف حدیث کا راز فاش نہ ہو سکے (تاہم بعض ائمہ

حدیث نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے والد کا نام اسلمہ تھا جو اکثر ائمہ کے نزدیک ایک ثقہ راوی شمار ہوتا ہے) پروفیسر نے بعض ائمہ حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت زید کے والد کا نام اسلمہ لکھا ہے حالانکہ ہم اس سے پہلے یہ واضح کر چکے ہیں کہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحیض صـ۴۴ بخاری شریف میں یہی حدیث پاک مکمل سند کے ساتھ بیان کی ہے اس میں حضرت زید کے والد گرامی کا نام اسلم ذکر کیا گیا ہے پروفیسر نے اسلم کو اسلمہ بنا کر پھر شک ڈالنے کی کوشش کی ہے ؛ آگے لکھتے ہیں (تاہم ابن عبداللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے ایسے ہمعصروں سے جن سے انہوں نے کبھی ملاقات تک نہیں کی تھی احادیث روایت کی ہیں ایسی روایتوں کو حدیث کی اصطلاح میں "مدلس" کہا جاتا ہے اور جو راویوں کے غیر ثقہ ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا تھا) تہذیب جلد سوم صـ۳۹۷)

حضرت زید کے والد کے نام میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا کیونکہ اسے تو امام بخاری نے خود ہی ذکر کر دیا ہے، پروفیسر کی کوتاہ بینی کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے خواہ مخواہ ضعف پیدا کرنے کا بہانہ تلاش کر لیا، دوسرے مرحلہ پر اسلم کی بجائے اسلمہ کہا حالانکہ اسماء الرجال کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں جس میں حضرت زید کے والد کا نام اسلمہ ہو اب تہذیب کے حوالہ سے انہوں نے امام ابن عبداللہ کا قول آپ کے مدلس ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے ائمہ اسماء الرجال بھی اور لوگوں کی طرح معصوم نہیں ہیں اور ان کی معلومات یا ان تک پہنچنے والی ہر بات صحیح نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی تحقیق کو قطعیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ ایک راوی کو دس امام ثقہ کہتے ہیں لیکن ایک امام ان کی کسی کمزوری کا ذکر کر دیتا ہے اب کیا ان دس ائمہ کی بات تسلیم کی جائے گی یا اس ایک امام کی تو یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا

کہ ائمہ اسماء الرجال کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں ائمہ کی عددی کثرت اور اہم شخصیتوں کی آراء کو اہمیت حاصل ہوگی، اور اگر اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر علم اسماء الرجال بھی تقریباً سارے کا سارا اختلاف آراء کے باعث ناقص اور ناقابل عمل ہو جائے گا اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم حضرت زید بن اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ائمہ اسماء الرجال کی آراء نقل کرتے ہیں۔

تہذیب التہذیب جلد سوم صفحہ ۳۹۵ پر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام احمد، امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم، امام محمد بن سعد اور امام نسائی اور علامہ ابن خراش فرماتے ہیں کہ حضرت زید ثقہ راوی تھے، حضرت یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ راوی تھے اہل فقہ و اہل علم تھے اور تفسیر قرآن کے عالم تھے۔ تقریب التہذیب صفحہ ۲۲۲ پر علامہ امام ابن حجر رقمطراز ہیں، زید بن اسلم العدوی، مولیٰ عمر، ابو عبداللہ و ابو اسامۃ المدنی ثقۃ عالم و کان یرسل من الثالثۃ۔ حضرت زید بن اسلم عدوی۔ مولیٰ عمر جن کی کنیت ابو عبداللہ ابو اسامہ تھی آپ مدنی تھے اور ثقہ اور عالم تھے، طبقہ ثالثہ سے ارسال کیا کرتے تھے، میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۹۸ علامہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ تھے حجت تھے، تاریخ کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۸۷ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت زید بن اسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور قوم کی مجالس میں سے گزر کر ان کی مجلس میں پہنچتے تھے آپ کو حضرت نافع بن جبیر بن مطعم نے کہا کہ آپ اپنی قوم کی مجالس چھوڑ کر عمر بن خطاب کے غلام کی مجلس میں جاتے ہیں تو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا انسان وہیں بیٹھتا ہے جہاں اسے دینی فائدہ حاصل ہو، سیر اعلام النبلاء جلد ۵ صفحہ ۳۱۶ میں علامہ امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت زید کا مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں ایک علمی حلقہ تھا ابو حازم اعرج فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت زید کے خوشہ چینوں میں چالیس فقہا کو دیکھا ہماری کم سے کم خصوصیت یہ تھی کہ ہر ایک کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا وہ اللہ کے نام پر دے دیتا میں نے آپ کی مجلس میں کسی ایسی بات پر جھگڑنے اور شک کرنے والے نہیں دیکھے جس میں فائدہ نہ ہو۔ اسی مضمون کو علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ ۱۳۲ پر نقل کیا ہے کتاب الجرح والتعدیل جلد ۳ صـ ۵۵۵ امام عبدالرحمٰن رازی فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن اسلم کو میرے والد (امام ابی حاتم) نے بھی ثقہ کہا اور امام ابو زرعہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے ، کتاب الثقات جلد ۴ صـ ۲۴۶ پر امام الحافظ محمد بن حبان نے حضرت زید بن اسلم کا تذکرہ فرما کر انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں حضرت زید بن اسلم پر ضعف کا اطلاق کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے حضرت عبداللہ بن عمر سے آپ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اس کے کہ آپ تفسیر بالرائے کرتے ہیں ، بہر حال آپ کے ثقہ راوی ہونے پر ائمہ اسماء الرجال کی اکثریت نے اتفاق کیا ہے ، ایک امام نے تدلیس کا قول کیا ہے اور ایک قول تفسیر بالرائے کا ہے تو اتنے ائمہ کے سامنے حضرت ابن عبداللہ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے آپ کی ثقاہت پر کوئی اثر پڑتا ہے آپ بلاشبہ ایک ثقہ راوی تھے۔

حضرت محمد بن جعفر

اس حدیث پاک کے چوتھے راوی حضرت محمد بن جعفر کے متعلق خود پروفیسر نے بایں الفاظ اعتراف کیا ہے (ان پانچ راویوں میں سے ایک محمد بن جعفر

کے بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ثقہ راوی تھے بقیہ چار کے بارے میں انہوں نے مختلف خیالات کا اظہار فرمایا جو ان کے غیر ثقہ ہونے کی دلالت کرتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کسی راوی کو تو پروفیسر نے بھی ثقہ تسلیم کر لیا ہے اس طرح ہمیں ضرورت نہیں رہی کہ آپ کی ثقاہت پر دلائل پیش کریں لیکن پہلے اور تیسرے راوی کے تعین میں آپ کے متعلق ہم اختصار سے اس لیے بیان کرنا چاہتے ہیں کہ پہلے راوی حضرت سعید بن الحکم بن ابی مریم جن کے متعلق شک پیدا کرنے کے لیے پروفیسر صاحب نے کہا ہے کہ ابن مریم نام کے چار راوی ہیں اور یہاں نام ذکر نہ ہونے کے باعث معلوم نہیں ہو سکتا کہ کونسے ابن مریم اس حدیث کے راوی ہیں حالانکہ بخاری شریف صـ۴۲ کی یہی حدیث پاک جس کو پروفیسر نے کتاب الشہادات سے لیا ہے اس میں صاف طور پر لکھا ہے "حدثنا سعید ابن ابی مریم" لیکن پروفیسر کی سفاہت کا ہمارے پاس کیا علاج ہے کہ اتنی لاف وگزاف سے پہلے انہوں نے اگر کچھ محنت کر لی ہوتی تو نوبت یہاں تک کیوں پہنچتی اور اس طرح ان کی تحقیق کے بخیے کیوں ادھڑتے پورے ملک کے علماء کو کم علمی اور مطالعہ نہ کرنے کے طعنے دینے والے خود اسی دام میں اس بری طرح سے کیوں لے الجھتے، ملاحظہ ہو کتاب الجرح والتعدیل ج ۷ صـ۲۲۰ محمد بن جعفر بن ابی کثیر۔ زید بن اسلم، حمید الطویل، ابی حازم المدینی، سہیل بن ابی صالح، علاء بن عبد الرحمن اور موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے اور ان سے معتمر بن سلیمان، سعید بن الحکم بن ابی مریم۔ عبد العزیز ادیسی وغیرہ روایت کرتے ہیں، علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ محمد بن جعفر بن ابی کثیر "معروف" تھے یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے ۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ صـ۹۴ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ محمد بن جعفر

زید بن اسلم، حمید الطویل۔ ابراہیم، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ وغیرہم سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان سے عبداللہ بن نافع الصائغ، زیاد بن یونس، سعید بن ابی مریم، عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی وغیرہم روایت کرتے ہیں، ابن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے، ابن مدینی نے انہیں معروف کہا ہے، نسائی نے انہیں صالح کہا ہے، ابن حبان نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے، نسائی نے انہیں مستقیم الحدیث بھی کہا ہے اور عجلی نے انہیں مدنی اور ثقہ قرار دیا ہے خلاصۃ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال ص ۲۸۱ پر امام علامہ صفی الدین احمد بن عبداللہ فرماتے ہیں محمد بن جعفر بن ابی کثیر الزرقی مولاھم المدنی زید بن اسلم ابی طوالۃ علاء بن عبدالرحمٰن، ابی حازم اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے خالد بن مخلد، سعید بن ابی مریم وغیرہم روایت کرتے ہیں ان کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔

یہ چند حوالے اس لیے دیے گئے ہیں کہ حضرت محمد بن جعفر کے متعلق آئمہ کی رائے بھی معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ اس حدیث پاک میں جو راوی ذکر کیے گئے ہیں یعنی جن سے حضرت محمد بن جعفر کو روایت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے اور وہ راوی جو محمد بن جعفر سے روایت کر رہے ہیں کیا آئمہ کے نزدیک انکی اپنے سے اوپر والے راوی سے سماعت کی توثیق بھی کی گئی ہے یا نہیں اور ان سے نیچے کے راوی جو ان سے راویت کرتے ہیں ان کی ان سے سماعت بھی مسلّم ہے یا نہیں، جن تین کتابوں کے حوالے ہم درج کر چکے ہیں ان میں تینوں اماموں نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ محمد بن جعفر کی زید بن اسلم سے سماعت ثابت ہے اور سعید بن ابی مریم کی محمد بن جعفر سے سماعت ثابت ہے، تو اب اس تسلسل سے واضح ہو گیا ابن مریم وہی اس حدیث کے راوی ہیں، جن کی محمد بن جعفر سے سماعت

ثابت ہے۔ اور زید وہی اس حدیث میں راوی ہیں جن سے محمد بن جعفر روایت کیا کرتے تھے۔

محمد بن جعفر کے تعین کے بعد ان سے اوپر اور نیچے کے راوی کا تعین کوئی لاینحل یا مشتبہ مسئلہ نہیں رہ جاتا اور بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون سے زید سے محمد بن جعفر روایت کرتے ہیں اور ان کے والد کا نام کیا تھا اور کون سے ابن مریم محمد بن جعفر سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام کیا تھا یہ قاعدہ خواہ اکثریہ ہے لیکن اس سے بہت مدد لی جا سکتی ہے اس قاعدہ کے استعمال کے بعد پھر پروفیسر کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ باپوں کا نام کمزور احادیث کو سہارا دینے کے لیے ذکر نہیں کیا جاتا اس طرح اب سعید بن الحکم بن ابی مریم کا اس حدیث کے راوی کی حیثیت سے تعین ہو گیا اور حضرت زید بھی تشکیک کی ناکام کوششوں سے بالاتر ہو گئے، حضرت محمد بن جعفر کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔

حضرت سعید بن الحکم بن ابی مریم

حضرت سعید اس حدیث پاک کے پانچویں راوی ہیں ان کے سلسلہ میں پروفیسر نے بالکل بلا وجہ شک ڈالنے کی کوشش کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ حدیث پاک کو ضعیف ثابت کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں علمی دھاک بٹھلانے اور عام قاری کو متاثر کرنے کے لیے انہوں نے بلا وجہ ابی مریم نام کے تمام راویوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ بخاری شریف ص۴۴ پر اس حدیث پاک کی سند میں بالکل واضح طور پر سعید بن ابی مریم موجود ہے لیکن پروفیسر صاحب نے بخاری شریف پڑھنے سمجھنے کے قواعد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چونکہ یہ ساری قلمکاری کی ہے اس لیے ان کی نظر سے وہ مقام اوجھل رہا جہاں یہ حدیث پاک پوری سند اور عبارت کے

ساتھ علامہ بخاری نے ذکر کی ہے کاش پروفیسر شہاب نے کسی محدث سے یہ کتاب پڑھی ہوتی تو اس طرح حدیث پاک کو مشکوک بنانے کے لیے کاغذی گھوڑے نہ دوڑاتے اور ہمیشہ کے لیے منکرِ حدیث ہونے کی کالک اپنی جبیں پر نہ سجاتے اور اس طرح کے علمی کارناموں سے اسکالر اور محقق ہونے کے مدعی نہ بنتے پروفیسر صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

جہاں تک چوتھے راوی یعنی ابن ابی مریم کا تعلق ہے تو اس نام کے چار راوی تھے (۱) یزید بن ابی مریم (۲) یزید بن ابی مریم (۳) ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم (۴) سعید بن الحکم بن ابی مریم، ان میں سے دو راوی تابعین تھے اگر وہ اس حدیث کے راوی ہوتے تو صحابی حضرت سعید خدری کے بعد ان کا دوسرا نمبر ہوتا نہ کہ پانچواں جیسا کہ اوپر دی گئی حدیث میں ہے باقی دو میں سے ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم کو سب ائمہ حدیث نے غیر ثقہ راوی کہا ہے، تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۲۹، چوتھے راوی سعید بن حکم المصری ہیں وہ بلا شبہ ایک ثقہ راوی تھے لیکن ان کی روایت کردہ بعض احادیث کو ائمہ حدیث نے صحیح تسلیم نہیں کیا ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ (چھپکلی) کو کھانے کی اجازت دی تھی (التمہید۔ تالیف علامہ ابن عبد البر جلد اوّل صفحہ ۱۵۳)

اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ابن ابی مریم سے مراد سعید بن الحکم بن ابی مریم المصری ہیں اس کے لیے علامہ بخاری سے بڑھ کر کس کی وضاحت قابل اعتبار ہو سکتی ہے انہوں نے خود تصریح فرما دی ہے، اس طرح پروفیسر صاحب کی پوری تحقیق نقش بر آب ثابت ہو چکی ہے اور اگر وہ روایت کے سیاق و سباق کو دیکھ لیتے تو بھی ان کو اس گل افشانی کی ضرورت پیش نہ آتی آخر میں انہوں نے حضرت سعید بن ابی مریم کو ثقہ راوی تسلیم کرتے ہوئے علامہ عبد البر کے ایک

قول سے ان کی ثقاہت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن افسوس کہ پروفیسر صاحب کو گوہ کا معنیٰ ہی معلوم نہیں وہ گوہ کا معنیٰ چھپکلی لکھتے ہیں حالانکہ گوہ زمین پر چلنے والی چیز ہے جو زمین کے اندر بلوں میں رہتی ہے، اس کی لمبائی عام طور پر چار اور پانچ فٹ کے درمیان اور وزن چار سے پانچ کلو کے درمیان ہوتا ہے اس طرح گوہ جسے عربی میں ضب اور فارسی میں سوسمار کہا جاتا ہے، دیواروں پر پھرنے والی چھپکلی نہیں ہوتی، علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب التمہید جلد اول ص۱۵۳ پر ایک حدیث پاک جو گوہ کے متعلق ہے اس میں راوی حضرت سعید بن ابی مریم تو ہیں لیکن علامہ ابن عبدالبر نے وہاں یہ بالکل نہیں کہا جو کچھ کہ پروفیسر نے علامہ کی طرف منسوب کر کے کہا یہ صرف الزام ہی ہے، اس حدیث پاک میں نہ تو کسی کو کلام ہے اور نہ ہی ہمارے ملک کے علماء اس حدیث کے منکر ہیں بلکہ گوہ کو ہمارے علماء مکروہ کہتے ہیں جبکہ شوافع اسے حلال کہتے ہیں، یہ پروفیسر کی ایک اور علمی خیانت ہے حالانکہ جامع الترمذی ص۲۷ ابواب الاطعمہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روایت موجود ہے فرماتے ہیں کہ حضور کریم سے گوہ کے کھانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نہ تو میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ ہی حرام قرار دیتا ہوں، اس باب میں روایت ہے حضرت عمر، حضرت ابی سعد، حضرت ابن عباس، حضرت ثابت بن ودیعہ، حضرت جابر اور حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم نے گوہ کے کھانے میں اختلاف کیا ہے بعض اہل علم نے صحابہ وغیرہ سے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے اس کو مکروہ جانا ہے، اور مروی ہے ابن عباس سے انہوں نے فرمایا گوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر کھائی گئی ہے اور حضور کریم نے اسے برا جان کر

ترک کیا ہے اس حدیث پاک کے وجود سے انکار تو بجائے خود، اس کی صحت میں بھی کسی نے کلام نہیں کیا۔

گوہ کے کھانے یا نہ کھانے کی بھی وضاحت ہو گئی ہے۔ حضرت سلیمان بن یسار، حضرت خالد بن الولید بن المغیرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی ایسی تین روایات موجود ہیں (شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۳۴۶ موطا امام مالک ص ۳۸۱/۸۲)

اس طرح بلا وجہ اور بغیر کسی دلیل کے پروفیسر نے حضرت سعید بن ابی مریم پر کیچڑ اچھال کر اپنی جہالت، بدنیتی اور قساوت قلبی کا ثبوت دیا ہے یہ سب الحاد اور بے دینی کے کرشمے ہیں، اہل اقتدار کی خوشنودی کے لیے اتنے عظیم محدثین اور ائمہ پر سراسر جھوٹے الزام لگا کر انہیں غیر ثقہ ثابت کرنے کی کوشش محض اس لیے کی گئی تاکہ کسی نہ کسی طرح حدیث کو ضعیف ثابت کیا جا سکے یہ وہ لوگ ہیں جو زبان و قلم سے ظاہراً امت مسلمہ کے ہمدرد بنتے ہیں لیکن دوسری طرف قرآن و حدیث کے انکار اور الحاد کے فروغ کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے حضرت سعید بن ابی مریم کے متعلق ائمہ محدثین کی آراء ملاحظہ ہوں۔

تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۷-۱۸ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اظہار خیال فرماتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے فرمایا کہ ابن ابی مریم میرے نزدیک حجت ہیں حسین بن حسن رازی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ میں مصر میں کس سے حدیث لکھوں تو انہوں نے فرمایا ابن ابی مریم سے امام عجلی فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بہت عقل مند تھے میں نے ان سے زیادہ عقلمند مصر میں نہیں دیکھا امام عبداللہ بن عبدالحکم نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا، امام ابو حاتم نے آپ کو ثقہ قرار دیا، امام ابو یونس فرماتے ہیں کہ آپ فقیہہ تھے، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حبان نے آپ کو ثقات میں شمار کیا ہے علامہ ابن معین نے آپ کو ثقہ

من الثقات (انتہائی ثقہ) کہا ہے۔

تقریب التہذیب صـ۲۳۴ پر ابن حجر ہی فرماتے ہیں کہ ابو محمد مصری نے آپ کو ثقہ، ثبت، فقیہہ اور من کبار العاشرہ (دسویں طبقہ کے بہت بڑے محدث) کہا ہے۔ تہذیب الکمال صـ۱۱۶ پر امام علامہ صفی الدین احمد بن عبداللہ۔ حضرت سعید کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں حافظ حدیث اور فقیہہ تھے، آپ حضرت مالک، لیث اور یحییٰ بن ایوب اور کئی اور حضرات سے بھی روایت فرماتے ہیں اور آپ سے ابن معین، محمد بن یحییٰ، محمد بن اسحٰق صاغانی وغیرہم روایت کرتے ہیں کہ امام عجلی اور امام ابو حاتم نے آپ کو ثقہ کہا ہے امام ابوداؤد نے آپ کو حجت کہا ہے، ابن یونس نے فرمایا ہے کہ آپ اسی سال کی عمر میں ۲۲۴ھ کو واصل بحق ہوئے کتاب الثقات ابن حبان جلد ۸ صـ۲۶۶ پر علامہ ابن حبان نے حضرت سعید کا تفصیلی ذکر کر کے آپ کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

کتاب الجرح والتعدیل جلد ۴ صـ۱۳ پر علامہ امام شیخ الاسلام رازی، سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صـ۳۲۷ اور تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل صـ۳۹۳ پر امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی ایک جیسے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ کثیر الحدیث تھے ثقہ تھے، ائمہ حدیث سے تھے، ان دلائل سے آپ کی حیثیت واضح ہو گئی ہے، آپ کے ثقہ ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے اور کسی امام نے بھی آپ پر جرح نہیں کی ہے، اس طرح اس حدیث پاک کے پانچوں راوی ثقہ ثابت ہو چکے ہیں اور پروفیسر کا یہ قول کہ چار راوی کسی نہ کسی طرح ضعیف قرار پاتے ہیں قطعاً باطل ناقابل التفات ہے اور اس کے انکار حدیث کے مردود عزائم کا عکاس ہے۔

حدیثِ پاک کی خود ساختہ تشریح

رحمت اللہ طارق نے حدیث پاک کے انکار اور احکام میں شبہات پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا لیکن مندرجہ ذیل حدیث پاک کے سلسلہ میں جبکہ اس کے شارحین حدیث پوری وضاحت کر چکے ہیں اس وضاحت کے باوجود علامہ احوذی پر بہتان تراشی کر کے عامۃ المسلمین کے اذہان میں شک پیدا کرنے کی پوری کوشش کی ہے، مزید وضاحت ہم حدیث پاک نقل کرنے کے بعد کریں گے، رحمت اللہ طارق کی عبارت ملاحظہ ہو۔

نماز پڑھنے والے کے سامنے سے اگر کالا کتا اور عورت گزر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے (ترمذی بمع تحفۃ الاحوذی طبع مصر جلد دوم ص ۳۰۷ تا ۳۱۰)

علامہ احوذی شرح میں واضح کرتے ہیں کہ کتا اگر سیاہ رنگ کا نہیں تو نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن عورت بچی ہو یا بڑی ظاہریوں کے نزدیک کتے سے زیادہ پلید ہے، نمازی کے سامنے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (غور فرمائیے کہ عورت اور کتا ایک ہی اسٹیج کی مخلوق ہیں) "عورت اور مسئلہ امارت ص۸"

اس حدیث پاک کے علاوہ کئی حدیثیں عدم قطع کی بھی موجود ہیں سب سے پہلی اور بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ قطع صلوٰۃ کا حکم خواہ مخصوص ہے، لیکن وہ بھی اسی صورت میں ہوگا جبکہ کوئی چیز نمازی کے اور سترہ کے درمیان سے گزرے اور ایسی تمام چیزوں کو ایک اور حدیث پاک میں شیطان فرمایا گیا ہے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص بھی نمازی کے سامنے سے گزرے تو نمازی کو چاہیے کہ وہ اسے روکے اور اگر وہ نہیں رکتا تو اس کے ساتھ لڑ جائے

کیونکہ وہ شیطان ہے اور اسی وجہ سے سترہ بالکل قریب نصب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، زیادہ سے زیادہ چار فٹ مقامِ قیام سے دُور ہونا چاہیے اس کا اندازہ یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور کریم کے مقام سجدہ اور دیوار مسجد کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہ جاتا تھا کہ بکری وہاں سے بمشکل گزر سکتی، سترہ کے باہر یہ تمام چیزیں قاطع صلوٰۃ نہیں ہوں گی۔

اب قطع صلوٰۃ میں بھی اختلاف ہے کہ بطلانِ صلوٰۃ ہوگا یا قطع خشوع و خضوع تو جواز اور منع کی احادیث میں تطبیق کے لیے اکثر ائمہ و شارحین حدیث نے قطع سے مراد قطع خشوع خضوع لیا ہے اور اتنے قریب سے گزرنے والی ان اشیاء یا ان کے علاوہ دیگر اشیاء کے قاطع خشوع وخضوع ہونے میں کیا شک ہے عورت سیاہ کتے اور گدھے کے علاوہ متعدد احادیث میں دیگر اشیاء بھی موجود ہیں، جیسے کافر، یہودی، کسی اور رنگ کا کتّا وغیرہ، بعض نے عورت کے ساتھ حائضہ ہونے کی بھی قید لگائی ہے، اکثر ائمہ نے قطع صلوٰۃ کی علت اشتغالِ قلب بیان کی واضح بات ہے کہ نمازی کے بالکل قریب سامنے سے یہ چیزیں اگر گزرتی ہیں یا دیگر اشیاء تو اس کی توجہ کیسے تبدیل نہ ہوگی۔

اب علامہ احوذی کی عبارت کا یہ مطلب طارق کو کہاں سے سمجھ آیا کہ کتّا گدھا اور عورت ایک ہی اسٹیج کی مخلوق ہے کالے کتے کو حدیث پاک میں شیطان فرمایا گیا ہے گدھا اپنی شرارتوں اور نحوست کے باعث، لیکن عورت محل شہوت ہونے کے باعث، جہاں گدھے کی شرارت اور ایذاء رسانی کی وجہ سے نمازی کا خشوع و خضوع قطع ہو جائے گا ایسے ہی کالے کتے کے شیطان ہونے کے باعث، کیونکہ کالے کتے کے متعلق یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ وہ شیطانی ہوتا ہے یا جن کالے کتے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اب اس کی نجاست اور مضرت

بھی قاطع خشوع وخضوع ہو جاتی ہے لیکن عورت اگر حائضہ ہے تو ویسے ہی مصلیٰ میں اس کا داخل ہونا منع ہے لہٰذا وہ حیض کی نجاست کے باعث قاطع صلوٰۃ ہو سکتی ہے اور اگر عام عورت اور چھوٹی بڑی عورت کے متعلق جیسا کہ علامہ اُحُوَزِی نے ظاہریوں کا قول نقل کیا ہے۔ قطع صلوٰۃ کا حکم جن لوگوں نے دیا ہے وہ بھی علت، رغبتِ نفس اور قطع خشوع وخضوع کو بنیاد ٹھہراتے ہیں جیسے کہ علامہ اُحُوَزی ہی نقل فرما رہے ہیں کہ حضرت امام مالک، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہم اور جمہور سلف وخلف نے فرمایا ہے کہ ان تین چیزوں یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کے گزرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی انہوں نے اس حدیث پاک کی یہ تاویل کی ہے کہ قطع سے مراد نقص صلوٰۃ ہے دل کا ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کے باعث، یہاں مراد ابطال صلوٰۃ نہیں ان میں سے بعض حضرات نے دوسری حدیث پاک سے اسے منسوخ بھی قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاُحُوَذی جلد۲ ص۳۰۹-۳۱۰، عارضۃ الاحوذی جزء ثانی ص۱۳۵، فیض الباری جزء ثانی ص۸۶، عمدۃ القاری جزء رابع ص۲۷۹، کرمانی جزء رابع ص۱۶۷، عون الباری جلد اوّل ص۵۹۹، فتح الباری جزء ا ص۵۸۹، تفہیم البخاری حصہ اوّل ص۸۴۳)

رحمت اللہ نے حدیث پاک کے حکم کو متنازع بنانے اور علامہ اُحُوَذی پر الزام تھوپنے کی لاحاصل کوشش کر کے خبثِ باطن کا اظہار کیا ہے اور یہ نتیجہ اس کا خود ساختہ ہے کہ اس طرح گدھا، کُتّا اور عورت ایک ہی اسٹیج کی مخلوق ہے بعض احکام متحد اور ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ان کی علّت اور وجہ میں بہت فرق ہوتا ہے، جیسا کہ، لحم الخنزیر والآدمی حرام، آدمی اور خنزیر کا گوشت حرام ہے، تمام فقہا یک زبان ہو کر ان کی علّت یوں بیان کرتے ہیں کہ خنزیر نجس العین ہے وہ کسی طرح پاک ہوتے کے قابل نہیں جبکہ آدمی کا گوشت اس کی شرافت اور اسکے وجود کے تحفظ کیلئے حرام قرار

دیا گیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بھوک سے تنگ آ کر یا اُمرائے تکبّر کے باعث انسانوں کا گوشت کھانا شروع کر دیں، ان خرابیوں سے انسان کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

اب رحمت اللہ کا قیاس تو چونکہ اُلٹا چلتا ہے لہٰذا اس کے لیے یہ نتیجہ نکالنا کوئی مشکل کام نہیں کہ یوں تو خنزیر اور انسان ایک ہی اسٹیج کی مخلوق ہیں۔ بے حیائی عریانی فحاشی، بے غیرتی اور دیوثی کو رواج دینے کے لیے طارق کو کتنی آیات قرآنی احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال سلف و خلف کا انکار کرنا پڑا لیکن اتنی بڑی قیمت پر بھی وہ دیوثی کو رواج دینے کا ٹھیکہ اٹھائے ہوئے ہے۔

حدیثِ پاک غلبۃ الرّجال کی خود ساختہ تشریح

آپ رفیع اللہ شہاب اور رحمت اللہ طارق کے متعلق اب تک بہت کچھ پڑھ چکے ہوں گے۔ اور آپ نے بھی اندازہ کر لیا ہو گا کہ یہ دونوں اشخاص کس طرح قرآن عظیم کی آیات اور احادیث نبوی کو اپنے مدعا کے لیے استعمال کرنے اور ان کے معانی و مطالب میں ردوبدل کرنے اور ان کے مفہوم کو بدل لیتے ہیں کتنے جری ہیں زیر بحث حدیث پاک بھی ایسی ہی من مانی تشریحات کا منہ بولتا ثبوت ہے حدیث غلبۃ الرّجال کے متعلق پروفیسر لکھتے ہیں۔

امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الدّعوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کو جمع کیا ہے جس میں آپ نے مسلمانوں کو مختلف برائیوں سے بچنے کے لیے دعائیں سکھائی ہیں ان میں ایک دعا، مردوں کے غلبہ سے بچنے کے لیے ہے اس دعا، کا عنوان "التعوذ من غلبۃ الرّجال" یعنی مردوں کے غلبہ

سے پناہ مانگتا ہے اس دعا کا ترجمہ یہ ہے۔" عمرو بن ابو عمرو مولیٰ مطلب بن عبد اللہ
بن حنطب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور کریم نے
ابو طلحہ سے ان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا اپنی خدمت کے لیے مانگا چنانچہ ابو طلحہ
مجھے سواری پر اپنے پیچھے بیٹھا کر نکلے، پس میں حضور کریم کی خدمت کیا کرتا تھا
جب آپ اترتے تو میں اکثر آپ کو کہتے ہوئے سنتا۔ اے اللہ! میں رنج و غم سے
عاجزی اور سستی سے۔ بخل اور نامردی سے کمر شکن، قرض اور مردوں کے
غلبہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں (کتاب الدعوات باب التعوذ من غلبۃ الرجال)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرد حضرات کی فطرت کا بخوبی علم تھا کہ وہ
عورتوں پر ہمیشہ ناجائز غلبہ حاصل کرتے رہے ہیں چنانچہ آپ وقتاً فوقتاً انہیں تاکید
کرتے رہے کہ عورتوں کے بھی ان پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے ان پر اس
لیے ان سے اچھا سلوک کرنا، لیکن اس کے باوجود جیسا کہ بعد کے حالات سے ظاہر
ہوتا ہے مرد حضرات نے عورتوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی واضح
تعلیمات کی تاویلات سے گریز نہیں کیا)

مندرجہ بالا عبارت میں جس حدیث پاک سے استدلال کیا گیا ہے اُسے
حضرت انس رضؓ نے روایت کیا ہے اور اسے امام بخاری نے بخاری شریف کی
کتاب الجہاد میں جلد ا ص۴۰۵ پر اور کتاب الدعوات میں جلد ۲ ص۹۴۱ پر نقل
فرمایا ہے جبکہ اسی حدیث پاک کو امام ابوداؤد، سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ
باب الاستعاذہ ص۲۱۵ پر امام نسائی نے سنن نسائی جلد ۲ ص۳۱۳ باب
الاستعاذہ من الھم میں اور امام ابو محمد الحسین ابن المسعود الفراء البغوی نے
مشکوٰۃ المصابیح کے ص۲۱۶ باب الاستعاذہ میں اور امام ترمذی نے جامع
الترمذی کتاب الدعوات ص۵۰۲ پر نقل فرمایا ہے مشکوٰۃ شریف باب الدعوات

فی الاوقات ص ۲۱۵ پر حضرت ابوسعید خدری سے بھی ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں غلبۃ الرجال کی بجائے قہر الرجال کا لفظ استعمال ہوا ہے اس حدیث پاک کو جس طرح پروفیسر شہاب نے مردوں سے پناہ مانگنے کو عورتوں کے ساتھ مخصوص کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ مردوں کے غلبہ سے پناہ مانگا کریں کیونکہ حضور کریم کو مردوں کی عادت کا علم تھا کہ وہ عورتوں پر غلبہ کی کوشش کرتے ہیں اس طرح تمام مرد ظالم اور عورتیں مظلوم ہیں پروفیسر صاحب کی تمام کوشش اس حدیث پاک کے مفہوم کو بدلنے کے لیے ہے تاکہ وہ اس سے اپنے مدعا پر استدلال کر سکے کتنے۔

افسوس کا مقام ہے کہ حدیث پاک کو اپنے غلط نظریہ اور رائے کے تابع کرنے سے بھی پروفیسر نے گریز نہیں کیا اور اس مذموم کاروائی میں اسے حدیث پاک کے مفہوم کو بدلنے کی وعیدیں بھی یاد نہیں آئیں اور حضور کریم کے ارشاد کو غلط طور پر استعمال کرنے اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے میں اسے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم محسوس ہوئی اور نہ ہی خوف الہٰی آڑے آیا، ایسے جری اور سیاہ باطن نام نہاد محققین اسلام کے لیے مار آستین ہیں جنہوں نے ہمیشہ ذاتی مفادات کے لیے اسلام میں تاویلوں اور حیلوں بہانوں سے اسلامی تعلیمات کے رخ زیبا کو داغدار کیا اور اس طرح برائی کی ایسی بنیاد فراہم کی جس پر ان کی ذریت نے بے دینی کے محلات تعمیر کیے اور مذاہب باطلہ کے لیے اسلام کی مضبوط دیواریں دراڑیں ڈال کر بالواسطہ یا بلا واسطہ ضلالت و گمراہی کے نقیب و معاون بن گئے۔ حالانکہ اس حدیث پاک سے کسی طرح بھی یہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اختلاف الفاظ سے یہی حدیث پاک کئی صحابہ کرام نے بیان کی ہے جن میں غلبۃ الرجال، قہر الرجال، ضلع الدین غلبۃ الدین، غلبۃ العدو، شماتۃ الاعداء، بغی الرجال، غلبۃ العباد کے الفاظ استعمال

ہوئے ہیں۔

جس سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں غلبۃ الرجال سے مراد ظالم و فاسق مردوں کا غلبہ ہے۔ قرض کی سختی، دشمنوں کا غلبہ، قرض خواہوں کا غلبہ اور ان کا مقروض پر ظلم و قہر مراد ہے یا دشمنوں کا غلبہ جو بالخصوص جنگ کی حالت میں ہوتا ہے۔ بہر حال آپ ان الفاظ کے جو بھی معنیٰ لیں کسی طرح بھی اس حدیث پاک کا عورتوں کے ساتھ اختصاص ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ دعا حضور علیہ السلام نے کسی عورت کو سکھائی تھی بلکہ یہ دعا حضرت ابو امامہ انصاری کو آپ نے سکھائی تھی کیونکہ وہ قرض کی عدم ادائیگی کے باعث غلبہ رجال سے سخت پریشان ہو چکے تھے (آئندہ صفحات میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے) اس واضح حدیث پاک کے باوجود کہ یہ دعا حضرت ابو امامہ کو تعلیم دی گئی اور حضور علیہ السلام اکثر اوقات خود بھی یہ دعا مانگا کرتے تھے اور بخاری شریف میں حضرت انس کی روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ دعا حضور علیہ السلام نے غزوہ خیبر کے سفر کے دوران مانگی، تو فرمائیے کیا غزوۂ خیبر عورتوں اور مردوں کے درمیان عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے عنوان پر وقوع پذیر ہوا تھا کہ وہاں حضور علیہ السلام عورتوں کو مردوں کے غلبہ سے بچنے کے لیے یہ دعا سکھا رہے تھے؟

ایسی روشن خیالی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، کیا پروفیسر صاحب نے کبھی مردوں پر مردوں کا ظلم نہیں دیکھا، کیا انہیں تاریخ میں چنگیز خان، ہلاکو خان تیمور، فرعون، ہامان، اور ان جیسے ہزاروں ظالموں کے واقعات نظر نہیں آئے جنہوں نے اپنی انانیت کی تسکین، ملکی حدود کے اضافے اور مال و زر جمع کرنے کے لیے لاکھوں بے گناہ انسانوں کا رشتہ حیات منقطع کر دیا اور انسانوں کی کھوپڑیوں سے محلات اور سڑکیں تعمیر کرائیں۔ زندہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے ان سے

نیچے نکال کر تہہ تیغ کر دیئے کیا عورتوں اور مردوں کو ایسے ظالموں سے پناہ مانگنا ضروری ہے یا ہر عورت کو ہر مرد سے پناہ مانگنا ضروری ہے،

شہاب صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں اس سے زیادہ مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں، مردوں میں والد بھی ہوتا ہے بیٹا بھی ہوتا ہے، خاوند بھی ہوتا ہے اور بھائی بھی ہوتا ہے استاد اور پیر بھی ہوتا ہے انہی مردوں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ انبیاء کرام علیہم السلام بھی گزرے ہیں، کروڑوں ولی اللہ، کروڑوں شہید، اور صدیق کروڑوں علماء وائمہ، کیا عورتوں کو ان تمام کے غلبے سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی جا رہی ہے العیاذ باللہ کیا حضور علیہ السلام عورت تھے کہ آپ اکثر اس دعا کو پڑھا کرتے تھے؟ اگر یہ عورتوں کے لیے مخصوص ہوتی تو حضور علیہ السلام صرف عورتوں کو سکھاتے نہ کہ خود اکثر اس کا ورد فرماتے۔

کاش پروفیسر صاحب احادیث مبارکہ کے مفاہیم کو اپنی افتاد طبع کے تابع کرنے کی یہ ناپاک جسارت نہ کرتے یہ وہ دھوکہ ہے جو انہوں نے پوری ملت اسلامیہ سے کیا سواد ارض پر بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی گئی اگر وہ دھوکہ بازی کی سزا پڑھ لیتے تو وہ جھنڈا شاید اپنے لیے پسند نہ کرتے جو قیامت کے روز ایسے لوگوں کے مقام مخصوص میں نصب ہوگا۔

آج تک حدیث پاک کے ائمہ شارحین میں سے کسی نے بھی اس حدیث پاک کا وہ مفہوم نہیں لیا جو پروفیسر صاحب نے لیا ہے ذیل میں متعدد احادیث جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے کہ ان روایات میں مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اس بات کا قرینہ ہیں کہ رجال سے مراد قرض خواہ، ظالم اور فاسق ہیں کتب احادیث کی چند شروح کے حوالے بھی نقل کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ امت مسلمہ کے عظیم

محدثین نے اس حدیث پاک کا مفہوم کیا سمجھا ہے۔

امام ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ العبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۵ھ مصنف ابن شیبہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۵ پر یہی حدیث پاک تین مختلف سندوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

(۱) حدثنا جریر عن منصور عن مجاھد قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوا اللھم انی اعوذ بک من غلبۃ الدین و غلبۃ العدو بوار الایم۔

(۲) حدثنا ابوالاحوص عن ابی اسحٰق عن الحکم قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ من اربع: اللھم انی اعوذ بک من غلبۃ العدوّ و من غلبۃ الدّین وفتنۃ الدّجال وعذاب القبر۔

(۳) حدثنا غندر عن شعبۃ عن الحکم عن ابن ابی لیلی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو بھذ الدعاء۔ اللھم انی اعوذ بک من غلبۃ الدّین و غلبۃ العدّو

علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۳۲۶ پر نقل فرماتے ہیں۔ اللھم انی اعوذ بک من غلبۃ الدّین وغلبۃ العدّو وشماتۃ الاعداء من حدیث عبداللہ بن عمرو وقال صحیح علی شرط مسلم۔

امام حاکم نے مستدرک جلد ۱ صفحہ ۵۳۱ امام نسائی نے سنن نسائی صفحہ ۳۱۶ کتاب الدعاء میں اسی مضمون کی حدیث پاک نقل کی ہے۔

حدثنا محمد بن صالح بن ھانی ثنا الحسین بن الحسن و محمد بن اسمٰعیل (قالا) ثنا ھارون بن سعید الایلی ثنا عبداللہ بن وھب حدثنی حیی بن عبداللہ عن ابی عبدالرحمٰن الجبلی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کان یدعو بھٰؤلاء الکلمات، اللھم انی اعوذ بک من غلبۃ الدین وغلبۃ العدو وشماتۃ الاعداء ھذا حدیث

صحیح علی شرط مسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے دعا مانگتے تھے، یا اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبے سے اور دشمن کے غلبے سے اور دشمن کی اس خوشی سے جو میری مصیبت کے نتیجہ میں اسے حاصل ہو۔

صحیح ابن حبان جلد ۲ ص ۱۷۷

اخبرنا ابو عروبة بحران قال حدثنا محمد بن وهب بن ابی کریمة قال حدثنا محمد بن سلمة عن ابی عبد الرحیم عن زید بن ابی انیسة عن عبد الملك ابن عمیر عن مصعب بن سعد عن ابیه عن نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه کان یدعو بهؤلاء الکلمات: اعوذ بالله ان ارد الی ارذل العمر واعوذ بالله من البخل والجبن واعوذ بالله من فتنة الصدر وبغی الرجال۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ان کلمات سے دعا مانگا کرتے تھے میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں لوٹایا جاؤں ارذل العمر کی طرف اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں بخل اور جبن سے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں سینے کے فتنے اور مردوں کی سرکشی سے، صحیح ابن حبان جلد ۲ ص ۱۸۲ پر حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت اور مستدرک میں مذکور سند کے ساتھ حدیث پاک کے الفاظ میں غلبة العدو کی بجائے غلبة العباد کا لفظ استعمال ہوا ہے ملاحظہ ہو۔

عن عبد الله بن عمرو عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه کان یدعو: اللهم اغفر لنا ذنوبنا وظلمنا وهزلنا وجدنا وعمدنا وکل ذلك عندنا اللهم انی اعوذ بك من غلبة الدین وغلبة العباد وشماتة الاعداء۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے۔ یا اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں غلبہ قرض سے اور بندوں کے غلبے سے

اور دشمنوں کے خوش ہونے سے، امام نور الدین ہیثمی مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۳ طبرانی صغیر اوسط کبیر کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی روایت نقل کرتے ہیں جس میں غلبۃ الدین کے ساتھ غلبۃ العدو کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذ بك من غلبۃ الدین وغلبۃ العدو ومن بوار الایم ومن فتنۃ الدجال (رواہ الطبرانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام یہ دعا مانگتے تھے، یا اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں قرض اور دشمن کے غلبہ سے اور تباہ کن جنگ سے اور فتنہ دجال سے۔

امام بغوی نے شرح السنۃ جلد ۵ صفحہ ۱۵۵-۱۵۶ پر حضرت انس کی روایت کو ذکر کیا ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا تھا اس روایت میں ضلع الدین وغلبۃ الرجال ہے، امام بغوی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت ابو داؤد کے حوالہ سے ذکر کی ہے اسی روایت کو علامہ علاء الدین علی المتقی نے کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۹ پر نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ روایت کی گئی ہے حضرت ابو سعید سے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مقروض شخص کو فرمایا کہ صبح وشام یہ دعا پڑھا کرو، اللھم انی اعوذ بك من الھم والحزن، فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ قھر الرجال استعمال ہوا ہے، حضرت انس کی روایت سے اس میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں "غلبۃ الرجال" استعمال ہوا ہے اور حضرت ابو سعید کی روایت میں "قھر الرجال" استعمال ہوا ہے، فرماتے ہیں کہ اس شخص نے کہا کہ اس دعا کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے میرے غم ختم کر دیئے اور میرا قرض ادا ہو گیا، علامہ محمد بن عجلان نے الفتوحات الربانیہ جلد ۷ صفحہ ۲۰۱ پر غلبۃ الرجال والی روایت ذکر کی ہے۔ امام ابن اثیر جزری نے جامع الاصول

جلد ۵ ص۱۲۱ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں ضلع الدین اور غلبۃ الرجال کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

علامہ ابن اثیر جامع الاصول جلد ۵ ص۹۲ پر حضرت ابوسعید الخدری کی روایت بیان فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت ابوامامہ انصاری کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا اے ابوامامہ کیا بات ہے تو نماز کے وقت کے علاوہ کیسے مسجد میں بیٹھا ہوا ہے، عرض کی یارسول اللہ مجھ پر پریشانیوں اور قرضوں کا بوجھ آپڑا ہے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تجھے ایسا کلام نہ بتاؤں جسے تو پڑھے تو اللہ تعالیٰ تیرا غم دور کر دے اور تیرا قرض ادا فرما دے۔ حضرت ابوامامہ نے عرض کی ہاں یارسول، آپ نے فرمایا صبح وشام پڑھا کر۔ اللھم انی اعوذبك من الھم والحزن واعوذبك من العجز والکسل واعوذبك من البخل والجبن واعوذبك من غلبۃ الدین وقھر الرجال۔ تو میں نے یہ پڑھنا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے میرے غم ختم کر دیے اور میرا قرض اتار دیا۔

علامہ امام محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد۹ ص۴۵۶ پر حضرت انس بن مالک کی وہ روایت جسے امام ترمذی نے جامع ترمذی میں ذکر کیا ہے جس میں "ضلع الدین وقھر الرجال" استعمال ہوا ہے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ (وقھر الرجال) وفی بعض النسخ غلبۃ الرجال۔ ای شدۃ تسلطھم کاستیلاء الرعاع ھرجاً ومرجاً۔ اور بعض نسخوں میں ہے۔ مردوں کا غلبہ۔ یعنی ان کا سخت تسلط جیسے کہ ظالموں کا غلبہ کشت وخون کے ساتھ۔

علامہ عبدالرؤف المناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد۲ ص۱۵۱ پر اسی

حدیث پاک کی یوں تشریح کرتے ہیں۔ وضلع الدین وقہر الرجال۔ قرینتان فان استعلا الغیر علیہ ان کان بحق فضلع الدین او بباطل فقہر الرجال، ضلع دین اور قہر رجال ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، پس دوسرے کا غلبہ اس پر حق کے ساتھ ہے تو یہ ضلع الدین ہے اور اگر بلا حق ہے تو یہ قہر الرجال ہے۔

امام علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی قاری) مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص۲۲۳ میں حضرت انس کی روایت کردہ حدیث پاک کی تشریح یوں بیان فرماتے ہیں (وضلع الدین) بفتحتین وتسکن اللام ای ثقلہ وشدتہ وذلک حین لا یجد من علیہ الدین وفاءہ لا سیما مع المطالبۃ وقال بعض السلف ما دخل ھم الدین قلباً الا اذھب من العقل مالا یعود الیہ ولذا ورد الدین شین الدین (وغلبۃ الرجال) ای قہرھم وشدۃ تسلطھم علیہ والمراد بالرجال الظلمۃ او الدائنون واستعاذ علیہ الصلوٰۃ والسلام من ان یغلبہ الرجال لما فی ذلک من الوھن فی النفس۔ (وضلع الدین) سے مراد قرض کا ثقل (بوجھ) اور شدت (سختی) ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب مقروض قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو خصوصاً جب قرض خواہ مطالبہ بھی کر رہا ہو بعض اسلاف نے کہا ہے کہ جب قرض کا غم دل میں سما جائے تو وہ عقل کا ایک حصہ لے جاتا ہے جو پھر واپس نہیں آتا اسی لیے وارد ہوا ہے کہ قرض دین کا نقصان ہے اور غلبہ رجال سے مراد مردوں کا قہر اور مقروض پر مسلط ہونے کی شدت ہے اور رجال سے مراد "ظالم مرد" یا "قرضخواہ" ہیں، حضور علیہ السلام نے مردوں کے غلبے سے اسی لیے پناہ مانگی ہے، کیونکہ یہ انسان کی کمزوری اور ذلت کا سبب ہوتا ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری مرقات جلد ۵ ص۲۱۶ پر حضرت ابو سعید سے روایت کردہ حدیث پاک کی تشریح یوں فرماتے ہیں (وقہر الرجال) ای غلبتھم

كانه يريد به هيجان النفس من شدة الشبق واضافته الى المفعول اى من غلبة النفس ويمكن ان يحمل على اضافته الى الفاعل والمراد بالقهر الغلبة كما فى رواية وقيل قهر الرجال هو جور السلطان ويحتمل ان يراد بالرجال الدائنون استعاذ من الدين وغلبة الدائنين مع العجز عن الاداء قال الطيبى من مشتمل الدعاء الى قوله والجبن يتعلق بازالة الهم والآخر بقضاء الدين فعلى هذا قوله غلبة الرجال اما ان يكون اضافته الى الفاعل اى قهر الدين اياه وغلبتهم عليه بالتقاضى وليس له ما يقضى دينه او الى المفعول بان لا يكون احد يعاونه على قضاء ديونه من رجاله واصحابه ومن المسلمين من يزكى عليه

یعنی ان کا غلبہ لوگوں پر گویا کہ اس سے نفس کا ابھار سخت شہوت کی وجہ سے مراد لیا جاتا ہے اور اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے، یعنی نفس کے غلبہ سے لوگوں پر۔ فاعل کی طرف اضافت بھی ممکن ہے اس صورت میں قہر الرجال سے "بادشاہ کا ظلم" مراد ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ رجال سے مراد قرضخواہ ہے حضور علیہ السلام نے قرض اور قرضخواہوں سے پناہ مانگی ہے جبکہ مقروض قرض ادا کرنے سے عاجز ہو۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ یہ دعا، شروع سے لیکر لفظ جبن تک غم سے نجات پانے کے متعلق ہے اور اس کا آخر حصہ قرض ادا کرنے سے متعلق ہے اس قول کی بنا پر لفظ غلبۃ الرجال میں اضافت فاعل کی طرف ہے۔ یعنی قرض کے طلب کے باعث قرضخواہ اس پر غلبہ کریں اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کا ذریعہ نہ ہو، یا یہ معنی ہوگا کہ اس کے لیے قرض ادا کرنے پر کوئی معاون نہ ہو اس کے ساتھیوں سے اور عام مسلمانوں میں سے بھی کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو اس کی صفائی بیان کرے۔

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد ۲
صـ۲۸۲ پر غلبۃ الدین وقہر الرجال کی تشریح یوں بیان فرماتے ہیں۔
واعوذبک من غلبۃ الدین وقھر الرجال۔ وپناہ می جویم بتو از چیرہ
شدن مردان بہ سبب دین وجز آں۔ پناہ مانگتا ہوں تجھ سے قرض کے غلبہ
سے اور مردوں کے غلبے سے جو قرض کے باعث ہو یا اس کے علاوہ کسی اور
وجہ سے ہو۔ علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی اتحاف السادۃ المتقین جلد ۵
صـ۸۸ پر رقمطراز ہیں۔
(اللھم انی اعوذبک من غلبۃ الدین) ثقلہ وشدتہ وذالک حیث
لا وفاء سیما مع الطلب وفی بعض الآثار ما دخل ھم الدین قلبا الا
اذھب من العقل مالا یعود (غلبۃ العدو) ای تسلطہ والعدو
من یفرح بمصیبتہ ویحزن بمسرتہ وقد یکون من الجانبین
او احدھما (وشماتۃ الاعداء) ای فرحھم بمصیبتہ۔
امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۱۱ صـ۱۷۳ پر رقمطراز ہیں۔
(وغلبۃ الرجال) ای شدۃ تسلطھم کاستیلاء الرعاع ھرجا ومرجا
غلبہ رجال یعنی ان کا سخت تسلط جیسے فتنہ وفساد میں رذیل لوگوں کا غلبہ۔
علامہ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ تیسیر القاری جلد ۳ صـ۷ پر تحریر فرماتے ہیں
غلبہ ظالماں در ہرج ومرج قتل وغارت میں ظالموں کا غلبہ۔
علامہ قسطلانی ارشاد الساری جلد ۹ صـ۲۰۸ پر اور امام بدر الدین عینی
عمدۃ القاری جلد ۲۳ صـ۲ باب التعوذ من غلبۃ الرجال میں اور امام کرمانی
رحمۃ اللہ علیہ نے کرمانی شرح بخاری جلد ۲۲ صـ۱۵۹ پر متفقہ رائے کا اظہار
ان الفاظ میں فرمایا ہے (غلبۃ الرجال) تسلطھم واستیلاء ھم

هرجا و مرجا و ذهاب الامانة لذهاب الاموال ۔

غلبۃ الرجال ۔ ان کا قتل اور فتنہ و فساد میں غلبہ اور یہ غلبہ عوام کے باعث ہو گا۔

مندرجہ بالا احادیث و اقوال آئمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حدیث پاک کا مطلب و مفہوم ہرگز وہ نہیں تھا جو یہ وقیہ لے لیا ہے اور نہ ہی عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ مردوں کے غلبہ سے پناہ مانگیں اور اس حدیث پاک کو عورتوں کے ساتھ اختصاص حاصل نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے ہر شخص کو تعلیم دی گئی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ظالم اور فاسق مردوں کے غلبہ سے پناہ مانگیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اس حدیث پاک کا خصوصی تعلق فتنہ و فساد اور قتل و غارت سے ہے ۔

ایسے مرد جن سے ایسے شنیع افعال کی توقع ہو ان ہی سے پناہ مانگنے کا حکم ہے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دعا رحضور علیہ السلام نے مردوں کو سکھائی یعنی اسکی بلا واسطہ تعلیم میں کسی خاتون کا نام نہیں آتا بلکہ مقروض و مہموم صحابی کا اسم گرامی آتا ہے، اس دعا کی تعلیم میں ایک خصوصیت غم اور قرض سے نجات حاصل کرنا ہے ۔

احکامِ قرآنی کا بدترین مذاق

رحمت اللہ طارق کی کتاب کے متعدد اقتباسات جو ان اوراق میں ہم قارئین کی معلومات میں اضافے اور حقیقت کی وضاحت کے لیے اور طارق کے خیالات من وعن پیش کرنے کے لیے درج کر چکے ہیں ان کو پڑھنے سے رحمت اللہ طارق کی اسلام سے کھلی عداوت اور احکام قرآنی کا تمسخر اسلامی تعلیمات کو غلط رنگ

دے کر اسلام کے خلاف نفرتیں پیدا کرنے کی کوشش قرآن پاک کی من مانی اور قطعاً منشاء ایزدی کے خلاف تفسیر و تعبیر انکار حدیث اور حدیث پاک کے غلط معانی و مطالب بیان کر کے الحاد و زندقہ کو فروغ دینے کی مجنونانہ کوششیں آپ پر واضح ہو چکی ہوں گی یہاں ہم جو اقتباس رحمت اللہ کی کتاب سے درج کرنا چاہتے ہیں وہ بھی احکام الٰہی کا بدترین مذاق ہے کوئی نام کا مسلمان بھی شریعت مطہرہ کی ایسی توہین کا ارتکاب نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کوئی عالم دین ایسی جہالت سیاہ باطنی اور کور مغزی کا ثبوت فراہم کرے، العیاذ باللہ۔ ملاحظہ ہو۔

مصر کے بادشاہ نجم الدین کی ایک لونڈی (شرعی داشتہ) سے لڑکی تولد ہوئی تاریخ نے اسے شجرۃ الدر کے نام سے دوام بخشا ہے۔

لونڈی جس کو مالک کے لیے بغیر نکاح کے جماع کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اس کے متعلق داشتہ جیسا کہ قبیح اور غلیظ کا استعمال اور پھر شریعت مطہرہ کو بدنام کرنے کے لیے شرعی کتنے مردار اور سیاہ بخت ذہن کی پیداوار ہے ایسی شرمناک اصطلاحیں استعمال کر کے طارق نے شریعت کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنے الحاد کا کھلم کھلا مظاہرہ کر کے اپنی اصلیت کو واضح کر دیا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ پر مسلمانوں پر احسان ہے کہ ایسے منافق کا پول کھول دیا ہے ورنہ کئی سادہ لوح مسلمانوں کا اس کے جال میں پھنسنے کا اندیشہ تھا۔ اس طرح طارق نے ہمارا کام اور بھی آسان بنا دیا ہے اس کی حقیقت کو شاید ہم اتنا واضح نہ کر پاتے جس طرح اس نے خود اپنی حقیقت کو واضح کر دیا ہے اب ہم قرآن پاک کی وہ آیات ذیل میں لکھ رہے ہیں جن میں لونڈی کا جماع مالک کے لیے اللہ تعالیٰ نے جائز فرمایا ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ (پ ۴ ع ۱۲ آیت ۳ سورۃ النساء)

ترجمہ۔ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو اپنی پسند کے موافق (ان کی بجائے ایک وقت میں) دو، دو، تین، تین، چار، چار عورتوں سے نکاح کر لو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ (ان میں) عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو (نکاح کرو) ایک سے یا (اکتفا کر لو ان پر) جو تمہاری مملوکہ کنیزیں ہیں یہ (اس سے) زیادہ قریب ہے کہ تم (ایک ہی کی طرف) نہ جھک پڑو۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ع ۱ آیت ۲۴ سورۃ النساء پ ۵

ترجمہ۔ اور تم پر حرام کی گئیں وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جن کے تم مالک ہو جاؤ یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْکِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

(پ ۵ ع ۱ سورۃ النساء آیت ۲۵)

ترجمہ۔ اور جو شخص تم میں سے مالی طاقت نہ رکھے نکاح کرنے کی آزاد (کنواری) مسلمان عورتوں سے تو (وہ) مسلمانوں کی مملوکہ باندیوں سے (نکاح کرے) جو ایمان والیاں ہیں اور اللہ تمہارے ایمان (کی حقیقت) کو خوب جانتا ہے تم آپس میں (ایک دوسرے سے ہو کر) ایک ہی ہو تو نکاح کر لو ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کے مہر انہیں ادا کرو دستور کے مطابق۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْکَ۔

ترجمہ: اے نبی ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال فرما دیں جنہیں آپ

ان کا مہر دے چکے ہیں اور (کنیزیں) جن کے آپ مالک ہیں جو اللہ نے غنیمت میں آپ کو عطا فرمائی ہیں۔

احکامِ قرآنی ملاحظہ کرنے کے بعد ارشادِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملاحظہ ہو۔

حدثنا عمرو الناقد حدثنا ابو احمد الزبیری حدثنا سفیان عن عثمان البتی عن ابی خلیل عن ابی سعید الخدری قال اصبنا سبایا یوم اوطاس لهن ازواج فکرهنا عن نقع علیهن فسئلنا النبی صلی الله علیه وسلم فنزلت " والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم" (النساء آیت ۲۴)

فاستحللنا هن (مسند ابی یعلی الموصلی جلد ۲ ص۳۸۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ اوطاس کے دن ہمیں ایسی قیدی عورتیں ملیں جن کے شوہر بھی تھے تو ہم نے ان سے ہمبستری کو نامناسب سمجھا اس کے متعلق ہم نے حضور علیہ السلام سے معلوم کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی " والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم" پھر ہم نے حلال سمجھا ان کو حدثنا عبید الله بن عمر بن میسره نا یزید ابن زریع نا سعید عن قتاده عن صالح ابی الخلیل عن ابی علقمة الهاشمی عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم بعث یوم حنین بعثا الی اوطاس فلقوا عدوهم فقاتلوهم فظهروا علیهم واحبالوا لهم سبایا فکان اناسًا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم تحرجوا من غشیانهن من اجل ازواجهن من المشرکین فانزل الله فی ذالك " والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم ای فهن لهم حلال اذا انقضت عدتهن (سنن ابی داؤد ص۲۹۳) (جامع ترمذی ص۱۸۲) (سنن نسائی ج۲ ص۸۴)

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ حنین کے دن حضور علیہ السلام نے ایک

لشکر او طاس کی طرف بھیجا تو انہوں نے دشمن کو پا لیا اور ان کے ساتھ لڑائی ہوئی تو وہ دشمن پر غالب آ گئے اس طرح بنی ہوازن کی عورتیں ان کی قید میں آئیں اس صورت میں صحابہ کرام میں سے کچھ نے ان کے مشرک شوہروں کے ہوتے ہوئے ان سے جماع کرنا جائز سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی " والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم " کہ یہ قیدی عورتیں عدت گزر جانے کے بعد صحابہ کے لیے حلال ہیں ۔

لونڈی کے متعلق ارشادات ربانی اور ارشادات نبوی آپ پڑھ چکے ہیں یہی وہ قرآنی احکامات ہیں جن کا انکار اور مذاق لونڈی کو شرعی داشتہ کہہ کر کیا گیا ہے داشتہ اس عورت کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص بغیر نکاح کے اپنے استعمال میں رکھے وہ کسی غیر کی منکوحہ بھی ہو سکتی ہے اور غیر منکوحہ بھی ۔ اب ایسا فعل کرنے والا شخص زانی ہے عورت زانیہ اور ان کی اولاد حرام ہوگی جسے ولدالزنا کہا جاتا ہے (یہ زنا کی وہ بدترین قسم ہے جسے زنا بالجبر کہا جاتا ہے) جبکہ لونڈی کو بغیر نکاح کے اللہ تعالیٰ نے ان کے مالکوں کے لیے حلال قرار دیا ہے مالک کا لونڈی کے ساتھ جماع جائز ان کی اولاد جائز اور اولاد کے بعد وہ لونڈی ام ولد کہلاتی ہے اور بچہ اس مالک کی حقیقی اولاد ہوتا ہے، اس عظیم فرق کے باوجود لونڈی کو شرعی داشتہ کہنا احکام الٰہی کی بدترین توہین و انکار نہیں تو اور کیا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی لونڈیوں کے ساتھ ہم بستری کی اجازت عطا فرمائی ہے ۔

انسانیت سے ہمدردی کے نام پر خالق الناس کے احکام کا انکار اور توہین کونسا اسلام اور کونسی انسانی ہمدردی ہے اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے کیا جمہوریت پسند ممالک کی جیلوں کا سا حال بیان کرنا پسند کریں گے کیا بیت المقدس اور کرک

وغیرہ کے قیدی کیمپوں میں یا مفتوحہ مسلم ممالک میں جمہوریت کے پرستاروں نے
جو انسانیت کی خدمت کی ہے اس کا ذکر بھی ایک غیور مسلمان کے لیے روح فرسا
ہے ایسے جمہوریت کے عاشق اور انسانیت کے بہی خواہ اسلام کے خلاف زبان
طعن کھولتے وقت ان تاریخی حقائق کو کیوں بھول جاتے ہیں جو ان کے آقاؤں نے
مسلمان اسیروں کے ساتھ روا رکھے، کیا لونڈی اور غلام کا تصور اسلام کا ایک
ناقابل تردید کارنامہ نہیں اس طرح جنگی قیدی کو لونڈی اور غلام کی حیثیت میں
کسی نہ کسی گھر میں رکھنے اور ضروریات زندگی مہیا ہونے کا اہتمام نہیں کیا گیا لیکن
اس کے برعکس طارق کے آقاؤں کی قید جس میں مردوں کو قتل اور عورتوں کو زنا
بالجبر کا نشانہ بنایا جاتا تھا یا کارآمد لوگوں کو دن رات کی مشقتوں میں یوں لگا دینا
کہ نہ ان کو کھانا ملے نہ پانی اور روٹی یا پانی کے مطالبہ پہ انہیں موت کا جام پلا
دیا جائے حالانکہ اسلام نے جنگی قیدیوں کو فدیہ لیکر آزاد کرنے قیدیوں کو قیدیوں
کے بدلے میں دینے کسی کو باعزت کام پر لگا دینے اور اسلام قبول کر لینے کی صورت
میں انہیں عام مسلمان شہری کی حیثیت دینے یا لونڈی غلام کی حیثیت میں رکھنے اور
ان کے ساتھ بہتر سلوک کو شرعی حکم قرار دینے ان کی عزتوں کا تحفظ کرنے اور لونڈیوں
کو مالکوں کے علاوہ کسی کے ساتھ نکاح کے بغیر ہم بستری کی اجازت نہ دینا یہ اسلام کا
کم کارنامہ ہے کہ آج ایک حواس باختہ ہزیانی معاصرین کی تمام سفاکیوں کو بھول کر
اسلام پہ انگشت نمائی کرے اور مخالفین کے تمام سیاہ کارنامے اسے آب زر
سے لکھے ہوئے صحیفے نظر آئیں کیونکہ وہ اس کے آقا تھے اور اس کی لیے دین کے رہبر
اور کفر کی سیاہی کی مہیب تصویریں۔

اسلام پر اعتراض کرنے سے پہلے طارق صاحب کو کلیسا کے قانون کو دیکھ
لینا چاہیے تھا ان راہبات اور ننوں کی زندگی کے احوال کو پڑھ لینا چاہیئے تھا

جو اس کے آقاؤں کے دینی راہنما عیسائیت کے نام پر کنواری اور پاکیزہ راہبات کے ساتھ روا رکھتے ہیں، اسلام نے اسی تاریکی اور بدمعاشی کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

عورت کے مقام کا کون منکر ہے عورت ماں بھی ہوتی ہے اور بہن بیٹی بھی ہوتی ہے اسی کی گود شفقت میں نبی بھی پلتے ہیں اور اسی کے بطن سے ولی بھی جنم لیتے ہیں۔ اسی کے دودھ سے خالد بن ولید، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور یوسف بن تاشفین جیسے مجاہدوں کی نشو نما ہوتی ہے اسی کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ جبکہ وہ ماں کی حیثیت میں اپنا وقار بحال رکھے ہوئے ہو، اسلام کی عطا کردہ یہ عزت اور مقام عورت کے لیے تب ہی تسلیم کیا جائے گا جب اسلامی تعلیمات واحکامات کی روشنی میں ماں بنی ہو لیکن کلبوں میں ڈانس کے جواز کے لیے کاغذ سیاہ کرنے والے، ہاکی کے جواز میں زور استدلال صرف کر کے عورتوں کو ننگا کر کے ان کی عصمت و حیا کا جنازہ نکالنے والے کس منہ سے ان پاکیزہ ماؤں کے متعلق وارد احادیث کو ان عورتوں پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو ان کی کوششوں کے نتائج میں یہ تعین نہیں کر پاتیں کہ ان کا بچہ ان کے کس شوہر کی اولاد ہے کیا یہ مطالبہ ایسے روشن خیالوں کی ماؤں کی طرف سے اخبارات کے صفحات پر نہیں آچکا کہ مردوں کو چار شادیاں کرنے کی اگر اجازت ہے تو عورتوں کو بھی چار مرد کرنے کی اجازت دی جائے اگر یہی روشن خیالی ہے تو فرمائیے وہ تاریک خیالی کیا ہوگی واہی تباہی بکنے والے اور مادر و پدر آزاد قسم کے لوگ ہی اگر اسلام کے نقیب بن جائیں تو اسلام کے لیے اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوگی۔

عورت کے لفظ سے واضح ہو رہا ہے کہ اس کا سراپا پردے کا محتاج ہے اور مقتضی ہے، لیکن پردے کی حدود و قیود اٹھا کر پھر اسے اس کے نام عورت سے پکارنا ذہنی دیوالیہ پن نہیں تو کیا ہے عورت کو عورت کہہ کر پردہ کے خلاف

دلائل دینا ہی تو حماقت ہے آپ عورت کی بجائے پہلے اپنے جسم کے ان حصوں کا پردہ
تو اتار دیں جن کو آپ کے جسم میں عورت کا نام حاصل ہے پھر آپ کو عورت کی بے
پردگی کی وکالت زیادہ زیب دے گی۔

اسلام نے عورت کو وہ مقام دیا ہے کہ مرد دن بھر کی خون پسینے کی کمائی لاکر اسکے
ہاتھ پر رکھ دیتا ہے اور پھر وہ اپنی مرضی کے مطابق گھر کا نظام چلاتی ہے، والمراۃ
راعیۃ فی بیت زوجھا، اس طرح وہ گھر کی سردار ہوتی ہے لیکن اس سے مرد کے
مرتبہ و مقام میں کوئی فرق نہیں آتا اور حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ اگر انسان
کے لیے سجدہ روا ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے مردوں کو سجدہ کریں ماں
کی حیثیت میں عورت کے قدموں کے نیچے جنت ہے لیکن بیوی کی حیثیت میں اگر
سجدہ روا ہوتا تو اسے خاوند کو سجدہ کرنے کا حکم ملتا حفظ مراتب کا خیال رکھے
بغیر فتویٰ بازی اور تحقیق کے نام پر شعبدہ بازی دکھانے والوں کو سوچ سمجھ
کر اور مطالعہ کر کے قلم کاری کرنی چاہیے نہ قوم اتنی جاہل ہے اور نہ ہی اسلامی
تعلیمات سے اس قدر ناواقف کہ انگریز مورخوں اور جغرافیہ دانوں کے حوالوں کو قرآنی
احکامات سے ترجیح دینے پر تیار ہو جائے یا قرآن پاک اور حدیث پاک کی الٹی سیدھی
تشریحات کے سقم کو نہ سمجھ سکے۔

لونڈی کے ساتھ نکاح نہ ہونے کے باعث طارق نے اسے شرعی داشتہ
لکھ کر شریعت مطہرہ کی ایسی توہین کی ہے جس کی تلافی ناممکن ہے، جس طرح کہ قرآن
پاک سے اور حدیث پاک سے ثابت ہو چکا ہے کہ لونڈی اپنے مالک کے لیے
حلال ہوتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے کسی مفتی، عالم یا امام نے
اس کی حلت بیان نہیں کی کہ طارق اپنی عادت مالوفہ کے مطابق اس کو رگیدنے
کی کوشش کرے لیکن تعجب ہے کہ اتنے صاف اور واضح قرآنی حکم کا اس

سوقیانہ اور جاہلانہ انداز میں مذاق اڑانا کتنی بڑی بدبختی ہے تمام علمی دعوؤں کے باوجود طارق نے ایسی جسارت کی ہے جس کے لیے نہ کوئی تاویل کارگر ہو سکتی ہے اور نہ ہی الفاظ کے ہیر پھیر سے اسے مجوب کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ نکاح کی حقیقت کیا ہے لفظ ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور مہر معاوضہ ہے اس حق کا جو مرد کو حاصل ہوتا ہے اس عقد سے کوئی بھی غیور سے غیور آدمی بھی اپنی بیٹی، بہن دوسرے شخص کے حوالے کر دیتا ہے کیونکہ ایجاب وقبول کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے مسلم خاتون کو مسلم مرد پر حلال کر دیا ہے۔

اس حلت کا سبب صرف حکم ربی ہے ورنہ اس میں بھی کوئی ایسی چیز تو موجود نہیں ہے جس سے عام طور پر یہ سمجھا جاسکے کہ اس سے کوئی عورت کسی مرد پر حلال ہو سکے آخر نکاح میں اصل اور بنیادی چیز اللہ تعالیٰ کا حکم اور مقرر کردہ قاعدہ وقانون ہے ورنہ لفظ ایجاب وقبول اور چند روپے کیا حقیقت رکھتے ہیں جو کسی مرد اور عورت کو اتنے بڑے فعل کا جواز مہیا کر سکیں جس کی سزا رجم یا سو کوڑے ہو سکتے ہیں، جب نکاح میں بنیادی چیز اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے اور حلت اور جواز کا باعث وہی ہے تو لونڈی کے معاملہ میں اسی حکم سے کیوں انکار کیا جا رہا ہے لونڈی مکمل طور پر مملوک ہوتی ہے اور وہ مال کی حیثیت رکھتی ہے خواہ یہ مجاہدین کو غنیمت کے مال کے طور پر ہی کیوں نہ حاصل ہوتی ہوں لیکن ان کی حیثیت اس مال کی سی ہوتی ہے جو اموال مجاہدین کو غنیمت میں حاصل ہوتے ہیں نکاح میں چند روپے معاوضہ تھا یہاں کامل ملک ہے تو اس کامل ملک سے انکار کیا جا رہا ہے اور اس کے حق میں حکم الٰہی اور قاعدہ وقانون جواز وحلت تسلیم کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے جبکہ سبب ایک ہی ہے اور وہ حکم الٰہی ہے تو ایک کے سلسلہ میں حکم الٰہی قبول اور دوسری کے سلسلہ میں مسترد کر دینا کونسی دانشمندی ہے ایک جیسے احکام میں فرق پیدا کرنے کا اس قدر

غالباً یہ انداز طارق صاحب کا ہی علمی کارنامہ ہے۔

طارق کا شجرۃ الدرّ کو خراجِ عقیدت

رحمت اللہ طارق اور پروفیسر شہاب نے اپنی تصنیفات میں عورتوں کے حقوق کی بازیابی کے لیے جس سوز دروں کا مظاہرہ کیا ہے اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ حقوق نسواں کے تحفظ کو ان دونوں نے مقصد زندگی اور خلاصہ زیست بنا لیا ہے اور ان کے بربط حیات کے ہزار تار سے یہی ایک ہی دھن سنائی دیتی ہے۔

آج تک کسی خاتون کی بھی کوئی ایسی کتاب دستیاب نہیں ہے جس میں اس نے اپنے حقوق کے اتلاف پر اس قدر تاسف کیا ہوا ور خون کے آنسو بہائے ہوں صورت حال کا اقتضا تو یہی تھا کہ ایسے غم واندوہ کا مظاہرہ کسی خاتون کی طرف سے ہی ہوتا کیونکہ مظلوم سے زیادہ ظلم وزیادتی کی آنچ کو کون محسوس کر سکتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے مردوں کے مظالم سے کرب واضطراب کا اظہار بھی مردوں ہی کی طرف سے ہو رہا ہے یہ وہ منطق ہے جس کے سمجھنے سے ہمارے ذہن قاصر ہیں کہ متاثرہ گروہ خاموش اور مطمئن ہے لیکن بقول طارق و پروفیسر (مرد ظالم ہیں) مرد ظالم ہو کر بھی ظلم کے خلاف شور مچا رہے ہیں اس سے واضح ہو رہا ہے کہ تحت اللفظ میں کوئی پوشیدہ راز ہے جو قرآن وسنت، ائمہ واکابر محدثین کی آراء سے انکار پر اور ان کی تضحیک و تمسخر پر ان مصنفین کو برانگیختہ کر رہا ہے اور وہ ہے الحاد وزندقہ اور انکار حدیث کا فتنہ۔

جیسا کہ ہم پہلے دعویٰ کر چکے ہیں کہ حقوق نسواں کے نام پر یہ مگرمچھ کے آنسو اپنے لیے ایک پس منظر رکھتے ہیں، نہ ان صاحبان کو عورتوں سے کوئی عقیدت ومحبت

ہے اور نہ ہی حقوق نسواں کے لیے رو تے ہوے وہ بینائی سے محروم ہوے ہیں ان کا مقصد وقت سے فائدہ اٹھا کر فتنہ انکار حدیث کو زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم کرنا ہے یہ ان کا مشن ہے اور اسی مشن کے لیے راہ ہموار کی جا رہی ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح کو عوام میں مقبولیت حاصل ہوئی تو اس کے قصیدے لکھ کر اور اس کی آڑ لیکر ملت اسلامیہ کے اساطین کو ہدف لعنت و ملامت بناتے ہیں طارق نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور جب بینظیر کو اقتدار ملا تو اس کی آڑ میں پھر وہی کھیل شروع کر دیا گیا ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ صنف نازک سے یک جہتی اور ہم آہنگی کا اظہار محض اپنے مذموم او ملحدانہ مقاصد کی تکمیل کے لیے کر رہے ہیں ورنہ نہ ان کو خواتین کے حقوق سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ان سے کوئی عقیدت اور نہ ہی ان کے قلوب خواتین کے احترام سے معمور ہیں اسی دعویٰ کی تصدیق کے لیے یہاں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ تخلیق آدم سے لیکر آج تک جو چند خواتین بر سر اقتدار آئی ہیں ان میں ایک نام مصر کے بادشاہ نجم الدین کی بیٹی شجرۃ الدّر کا ہے جس کو دلیل کے کے طور پر رحمت اللہ طارق نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۰ پر اس عنوان سے جگہ دی ہے" ملکہ شجرۃ الدّر کی بیعت اور خطبہ"

> شجرۃ الدر بقول طارق بحوالہ ابن ایاس ایسی خاتون تھی جو زیرکی اور قوت ارادی میں اپنا مثل نہیں رکھتی تھی پڑھی لکھی اور مملکت کے حالات پر گہری نظر رکھنے والی بیدار مغز ملکہ تھی اس نے شہرت و رفعت میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ نہ تو اس سے پہلے کوئی عورت کر سکی اور نہ ہی بعد میں امکان ہے۔

جس ملکہ کو اتنی صفات کی حاملہ اور بے انتہا صلاحیتوں کی مالکہ قرار دیا گیا اور طارق صاحب نے مورّخ کے ذریعہ اس کی تعریف و توصیف کے پل باندھ دیے

وہ غریب بھی طارق کی روایتی بداخلاقی ولعن طعن سے نہ بچ سکی بلکہ اس کے تعارف میں طارق نے جس طرح اس کو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ طارق کے ظاہر و باطن کے سمجھنے کے لیے ایک بہترین آلہ کی حیثیت رکھتا ہے دوسری طرف عورتوں سے عقیدت کے دعویٰ کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔

طارق کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(مصر کے بادشاہ نجم الدین کی ایک لونڈی (شرعی داشتہ) سے لڑکی تولد ہوئی تاریخ نے اسے شجرۃ الدر کے نام سے دوام بخشا ہے۔)

یہ ہے طارق کی خواتین سے ہمدردی وعقیدت کی مکروہ تصویر شجرۃ الدر کی والدہ کو داشتہ قرار دیکر اسے کہاں پہنچا دیا۔ داشتہ کی اولاد کو عرف عام میں کیا نام دیا جاتا ہے؟ اس کی وضاحت کی ہمیں ضرورت نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ داشتہ کیا ہوتی ہے اور داشتہ کی اولاد کو کیا کہا جاتا ہے کیونکہ شریعت میں نہ کوئی داشتہ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی ایسی اصطلاح شریعت میں مروج ہے شرعی داشتہ طارق کے ناپاک ذہن کی اختراع ہے اسی سے اس کی بے دینی کو بھی سمجھا جاسکتا ہے آج کی خواتین طارق کی تحریروں سے خوش نہ ہوں کیونکہ کسی وقت یہ لوگ ان کو بھی ایسا خراج عقیدت پیش کر سکتے ہیں جیسا کہ شجرۃ الدر کو پیش کیا گیا۔

فاعتبروا یا اولی الالباب۔

علّامہ ماوردیؒ اور شرائط امامتِ کبریٰ

پروفیسر رفیع اللہ شہاب اور رحمت اللہ طارق نے اپنے مدّعا کو ثابت کرنے کے لیئے تمام اخلاقی حُدود وقیود اور امانت و دیانت کو جس طرح بالائے طاق رکھ کر عبارات اور حوالوں میں قطع و برید کی ہے اُسے دیکھ کر شرم وحیا کی جبیں بھی عرق ریز ہوجاتی ہے۔ اور خیال آتا ہے کہ ایسے لوگ کس بنیاد پر قوم کی رہنمائی کے دعویدار بنتے ہیں؟

ع گر ہمیں است مکتب و مُلّاں
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

خصوصاً اُس وقت تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب بایں افعال و کردار اُن کے وہ دعوے نظر نواز ہوتے ہیں۔ جس میں وہ پورے ملک نہیں بلکہ پُوری دنیا کے علماء کو کور مغز، کور چشم، نقیبانِ جہالت، کوتاہ اندیش وغیرہ جیسے القابات سے نوازتے ہیں۔ پھر اسی پہ اکتفا نہیں ہوتا بلکہ آئمہ اسلاف، صحابۂ کرام، ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ذاتِ الٰہ العالمین بھی ان کے زبان وقلم سے محفوظ نہیں رہتے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ کیا ایسے ہی بازاری لوگ اب دینِ متین کی افہام وتفہیم اور متنازعہ مسائل کو حل کرنے کے لیئے باقی رہ گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس طرح بے دینی اور شریعتِ مطہرہ کو زیر وزبر کرنے کا یارا کیسے حاصل ہوا؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر میں یہ کہوں کہ اس میں علماء امّت کی سہل پسندی اور مال وزر سے محبّت کا بھی بڑا عمل دخل ہے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ جب علماء آپس میں دست وگریباں ہیں تو صیانتِ دین کا فریضہ کون انجام دے گا؟

اس صورت میں تو ایسے ہی قزاقوں کے لئے میدان صاف کر دیا گیا ہے کہ وہ جیسے چاہیں اسلام کی عظمت کو پامال کریں ۔ ذیل میں رفیع اللہ شہاب کی کتاب سے ایک طویل اقتباس ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے جس کی بنیاد پر موصوف نے علماء امت کو سخت و سست کہا ہے ۔ اور مطالعاتی کمی کے طعنے دیئے ہیں ۔ شہاب کی عبارت درج کر دینے کے بعد ہم اس کی تحقیق اور بلند بانگ دعؤوں کی حقیقت قارئین کے سامنے پیش کریں گے ۔

" اسلامی حکومت میں دو مناصب کو سب سے اعلیٰ و برتر سمجھا جاتا ہے ۔ ایک حکومت کی سربراہی اور دوسرا قاضی القضاۃ کا عہدہ ۔ بلکہ علماء کی ایک بہت بڑی جماعت کے نزدیک قاضی القضاۃ کا عہدہ اسلامی حکمران سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ کیونکہ اس عہدے پر فائز ہونے والی شخصیّت اسلامی حکمران سے باز پرس کر سکتی ہے ۔ اسلیئے انہوں نے اس عہدے کے لیئے اسلامی حکمران کی شرعی شرائط سے بھی زیادہ کڑی شرائط مقرر کی ہیں ۔ اس موضوع پہ اسلامی لٹریچر میں خصوصی کتابیں تصنیف کی گیئں ۔ ان میں سب سے مستند علاّمہ الماوردیؒ کی کتاب " الاحکام السُلطانیہ " کو سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے علماء نے اس اہم کتاب کا مطالعہ کرنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی ۔ وگرنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ اسلامی حکومت کے بارے میں جو کچھ کہتے اور لکھتے رہے ہیں وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ۔ مثلاً اسلامی حکومت کے سلسلے میں سب سے بنیادی بات یہ کی جاتی ہے کہ " انسان اس دُنیا میں خدا کا نائب ہے ۔ اس طرح وہ اسلامی حکومت کو نیابتِ الٰہی کا نام دیتے ہیں ۔ چنانچہ ان علماء میں سے اکثر نے قرآنِ مجید کی تفاسیر لکھی ہیں ۔ اور وہ خلیفہ کا ترجمہ

اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کر کے اس سے نیابتِ الٰہی کا اصول ثابت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس الماوردیؒ فرماتے ہیں کہ نیابتِ الٰہی کا تصوّر سراسر غیر اسلامی ہے۔ وہ علماء اسلام کا اس امر پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو اس شخص کے فاسق و فاجر ہونے پر اجماعِ امت ہے (الاحکام السلطانیہ صہ ۱۵)

امام ابنِ تیمیہؒ نے تو اس بارے میں سخت فتویٰ جاری کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ جو کوئی انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ قرار دے گا وہ کافر و مشرک ہے۔" (فتاویٰ الکبریٰ جلد سوم صہ ۵۵۳) لیکن آپ موجودہ دور کے علماء کی تفاسیر اور تحریریں دیکھیں۔ ان سب میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ قرار دے کر نیابتِ الٰہی کا اصول وضع کیا گیا ہے۔ یہ بحث تو اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں تھی۔ اب دیکھئے علامہ ماوردیؒ کے بقول علمائے اسلام نے اسلامی حکمران کے لیئے کیا شرائط عائد کی ہیں؟ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس مقصد کے لیئے مندرجہ ذیل سات شرائط پر اتفاق کیا ہے:

۱۔ **عدالت**: یعنی اسلامی حکمران کا عادل ہونا ضروری ہے۔ تاکہ رعیّت کے درمیان انصاف کر سکے۔

۲۔ **عالمِ دین**: اس کا دین کی تعلیمات سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ نئے پیش آمدہ معاملات کے بارے میں وہ اجتہاد سے کام لے سکے۔

۳۔ **ہوش و حواس**: اس کے ہوش و حواس قائم ہوں۔ وہ اندھا اور بہرہ نہ ہو۔ تاکہ رعیت کے احوال کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

۴۔ **لُولا یا لنگڑا**: لُولا یا لنگڑا نہ ہو۔ تاکہ اسے حرکت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

۵۔ ملکی سیاست اور مصالح امت پر اس کی گہری نظر ہو۔

۶۔ بہادر اور شجاع ہو۔ تاکہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کر سکے۔

۷۔ اس کے حسب ونسب پر انگلی نہ اٹھائی جا سکے۔ (الاحکام السلطانیہ صہ)

دیکھئے اسلامی حکمران کے لیئے جو یہ سات شرطیں مقرر کی گئی ہیں اس میں مرد یا عورت ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ یعنی اگر مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی ان شرائط کو پورا کر سکتی ہوں تو وہ اسلامی حکمران بن سکتی ہیں۔ (منصب حکومت اور مسلمان عورت صہ ۲۷۔۲۸)"

آپ نے پروفیسر صاحب کی کتاب کا ایک طویل اقتباس ملاحظہ فرمایا۔ انہوں نے اپنی عادتِ مالوفہ کے مطابق علماء امت کو ہدفِ تنقید بنا کر اپنا نشہ پورا کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور تراشنا ہوتا ہے۔ اس لیئے انہوں نے یہاں خلیفہ پر بحث شروع کر کے اپنے دل کا غبار نکالا۔ اور اس کے بعد خود ہی کہہ دیا (یہ بحث تو اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں تھی) یعنی یہ اس کا محل وموقعہ نہ تھا۔

یہاں انہوں نے علامہ ماوردی کی کتاب کو اس موضوع کی سب سے اہم اور مستند کتاب قرار دیا ہے۔ اور علماء پر اس اہم کتاب کا مطالعہ نہ کرنے کا الزام بھی عائد کیا ہے۔ یہ تو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ علماء نے اس کتاب اور ایسی کئی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ پروفیسر نے اس خوش فہمی میں کہ علماء اس کتاب سے نابلد ہیں، اس کتاب سے کیا انصاف روا رکھا ہے اور کس طرح اس سے استنباط کیا ہے۔ پروفیسر اور طارق نے قاضی القضاۃ اور سربراہِ حکومت کے عہدوں میں مماثلت پیدا کرنے کی بے حد کوشش کی ہے اور وہ محض اس لیئے کہ قاضی القضاۃ کے سلسلہ کے دو تین کتب کے حوالے قطع وبرید کے بعد ان کے کام آسکتے تھے۔ اس لیئے یہ سر توڑ کوشش کی گئی۔ ورنہ سربراہِ حکومت اور قاضی القضاۃ کے فرائض میں بعد المشرقین ہے۔ اور ادنیٰ توجہ سے بھی ان کی شرائطِ اہلیت جن کو علامہ ماوردیؒ نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں ذکر کیا ہے اُن سے اس فرق کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً امامت کی شرائطِ اہلیت میں "صحت حواس ونطق" اور "صحت اعضاء" امام کے حواس اور قوتِ گویائی کا صحیح ہونا اور اعضاء کا صحیح ہونا شرط ہے۔ یعنی گونگا، بہرہ اندھا، لنگڑا لولا امام نہیں بن سکتا جبکہ قاضی القضاۃ کے لیئے صرف قوتِ سامعہ اور باصرہ یعنی یہ کہ قاضی القضاۃ بہرہ اور اندھا نہیں بن سکتا۔ لنگڑا لولا قاضی بن سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی القضاۃ نے کمرۂ عدالت میں بیٹھ کر فیصلے کرنے ہیں اور حکم جاری کرنے ہیں خواہ اسے خادم اٹھا کر کیوں نہ لے آئیں۔ اور وہ اپنی جگہ سے اپنج بھر بھی کھسکنے کے قابل نہ ہو۔ وہ بھی قاضی القضاۃ بننے کا اہل ہے۔ جبکہ امام کے لیئے ضروری ہے کہ اس کے تمام اعضاء صحیح ہوں۔ وہ نقل وحرکت میں کوئی دشواری محسوس نہ کرتا ہو۔ تاکہ ملکی ضروریات کے وقت وہ چاک وچوبند ہو۔ اسی طرح امام کے لیئے علامہ ماوردیؒ نے شجاعت اور دلیری کی شرط بھی عائد کی ہے۔ شجاعت اور دلیری کا تعلق عام طور پر حرب وضرب کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی امام کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ سپاہِ اسلام کی کمان کرنے کے قابل ہو تاکہ وہ اسلام کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے وہ اپنی شجاعت کو کام میں لاتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں کی بہتر نگہداشت کر سکے۔ لیکن قاضی القضاۃ کے لیئے شجاعت اور دلیری کی شرط بھی عائد نہیں کی گئی۔ کیونکہ قاضی القضاۃ کے فرائضِ منصبی کا تعلق حرب وضرب سے نہیں ہے۔ اندرونی اور بیرونی ملکی سیاسی مسائل، اختلاف وانتشار، اس کا سدِباب وغیرہ ایسے فرائض ہیں جن کا صرف امام سے تعلق ہے۔ قاضی القضاۃ کا عہدہ بہت اہم ہونے کے باوجود بھی اس کو ایسے مسائل سے واسطہ نہیں ہوتا۔ قاضی القضاۃ قزاقوں، ڈاکوؤں، چوروں، قاتلوں کو پکڑنے کے لیئے کبھی ان کے پیچھے نہیں جاتا۔ بلکہ یہ سب کچھ امام کے فرائض میں داخل ہے۔ پکڑے ہوئے ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے مجرم قاضی القضاۃ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ ان کے جرم کے مطابق ان کو سزا سنا دیتے ہیں۔

اتنے واضح فرق کے باوجود دونوں مصنفین صرف مقصد برآری کے لیئے دونوں عہدوں کو گڈمڈ کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں، اور وہ صرف یہ ہے کہ قاضی القضاۃ کے لیئے مرد ہونے کی شرط عائد کی گئی ہے لیکن امارت کے لیئے یہ شرط عائد نہ کر کے علامہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت میں بقایا تمام شرطیں موجود ہوں تو وہ بھی امارت کی اہل ہے۔ جس طرح پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ علامہ ماوردی اس سلسلے میں منفرد نہیں ہیں کہ ان کی بات ہی حرفِ آخر ہو۔ اس سلسلہ میں متعدد آئمہ کی کتابوں کے حوالے ہم ذکر کریں گے۔ جس سے قارئین کو اندازہ ہو سکے گا کہ پروفیسر کے علماء پر اعتراضات قطعاً لغو ہیں اور شرائطِ امامت صرف علامہ ماوردیؒ نے "احکام سلطانیہ" ہی میں نہیں لکھیں بلکہ اس موضوع پر لکھنے والے دیگر آئمہ وعلماء کو عظیم علمی مقام حاصل تھا۔ اور بعض کی کتابیں تو نصابِ تعلیم میں شامل ہیں۔ بہر دست ہم علامہ ماوردی کی کتاب کے مندرجات سے بحث کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلی گذارش تو یہی ہے کہ علامہ ماوردیؒ نے امام کی شرائطِ اہلیت بیان کرتے ہوئے تمام "مذکر" کے صیغے استعمال کیئے ہیں جس سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ امامت کا اہل مرد کو ہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر پروفیسر اس حقیقت سے انکار کرے تو ہم علامہ ماوردیؒ کا ایک قول اس سلسلہ میں بطورِ دلیل پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"

یعنی فی العقل والرای فلم یجزان یقمن علی الرجال (الاحکام السلطانیہ ص ۶۵)

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ یعنی عقل ودانائی میں۔ لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ عورتیں مردوں کی حاکم بنیں"۔

مذکورہ عبارت میں علامہ ماوردیؒ نے اپنی تحقیق کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ اور وہ علی الاطلاق عورتوں کی حکومت کو ناجائز اور منشاء ایزدی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اب تعہ

علامہ ماوردیؒ نے ہی مردوں پر عورتوں کی حکومت کو ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اُمید ہے پروفیسر صاحب نے جس طرح علامہ ماوردیؒ کا عقیدت سے تعارف کرایا تھا اور اُن کی کتاب کو اس سلسلہ کی سب سے مستند کتاب قرار دیا تھا۔ انہی علامہ نے اسی کتاب میں بالکل فیصلہ کن انداز میں عورت کی حکومت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ کیا ہم اب توقع رکھ سکتے ہیں کہ پروفیسر شہاب علامہ ماوردی کی تحقیق پر اعتبار کرتے ہوئے اپنے غلط اور باطل نظریات پر اصرار نہیں کریں گے۔ اور ایک سلیم الطبع اور صحیح العقل انسان کی طرح اپنی غلطی کو واضح طور پر تسلیم کرتے ہوئے آئندہ اس کا ارتکاب نہیں کریں گے "دیدہ باید"

دیگر کتب سے شرائطِ امامت کبریٰ بیان کرنے سے پہلے ہم حرفِ آخر کے طور پر پروفیسر شہاب کی دیانت کا حال بھی قارئین کے سامنے رکھنے پر مجبور ہیں۔ تاکہ پروفیسر اور اس کے قبیل کے لوگوں کے کردار کی سادہ سی جھلک آپ ملاحظہ کرنے کے بعد ان کے معیارِ صداقت کو سمجھ سکیں۔ کیونکہ یہ خیانت ان کی اس شخصیت کے ساتھ ہے جن کو اس نے اپنی مشکلات کا سہارا اور بھنور میں پھنسی ہوئی ناؤ کے لیے مسیحا سمجھا تھا لیکن ایسے محسن کو بھی آخر کار ہاتھ کی صفائی دکھا ہی دی۔

پروفیسر کی کتاب کے مندرجہ بالا اقتباس کو ملاحظہ فرمائیں۔ شرائطِ امامت کے سلسلے میں ساتویں شرط پروفیسر صاحب یوں بیان کر رہے ہیں (۷۔ اس کے حسب و نسب پر انگلی نہ اٹھائی جا سکے "الاحکام السلطانیہ ص۶")

جبکہ یہ شرط علامہ ماوردیؒ کی نہیں ہے بلکہ یہ پروفیسر کی من گھڑت ہے جبکہ حوالہ علامہ ماوردیؒ کا ہی ہے۔ علامہ ماوردیؒ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

والسابع: النسب وھو ان یکون من قریش لورود النص فیہ وانعقاد الاجماع علیہ۔ ولا اعتبار لضرار حین شذ فجوزھا فی جمیع النّاس، لان ابابکر الصدّیق رضی اللہ عنہٗ۔ احتج یوم السّقیفۃ علی الانصار فی دفعھم

عن الخلافة لما بايعوسعد بن عبادة عليها بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

"الائمة من القريش"

فأقلعوا عن التفرد بها ورجعوا عن المشاركة فيها حين قالوا امنا امير ومنکم امير تسليماً لروايته وتصديقاً لخبره ورضوا بقوله: نحن الامراء وانتم الوزراء، وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:-

"قَدِّمُوا قُرَيْشًا وَلَا تَقَدَّمُوهَا"

وليس مع هذا النص المسلم شبهة لمنازع فيه ولا قول لمخالف له۔ (الاحکام السلطانیہ ص۶)

ترجمہ (ساتویں) نسب (یعنی امام کے لیئے ضروری ہے کہ وہ قریش سے ہو۔ کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پر اجماع امت ہو چکا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے محدود کیئے جانے سے نقصان ہے۔ اس لیئے تمام لوگوں کو اس کا حق ملنا چاہیئے۔ تو اس اعتراض کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ واقعہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر نے اپنی امامت کے بارے میں انصار کے سامنے یہی وجہ ترجیح قرار دی تھی۔ اور اگرچہ وہ سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے مگر آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پیش کیا کہ:

"اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْشِ"

"امام قریش سے ہی ہوں گے۔"

اس روایت کو انہوں نے قبول کیا اور سچ سمجھا۔ اور اب تک وہ خود تنہا جو کاروائی کر رہے تھے اس سے رک گئے۔ اور کہنے لگے "ہم میں سے ایک امیر ہو

اور تم میں سے ایک امیر ہو۔"

پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہم امیر ہیں اور تم وزیر ہو۔" تو انصار نے ان کی اس بات کو منظور کر لیا۔

اس کے علاوہ حدیثِ پاک میں آیا ہے :

" قَدِّمُوا قُرَيْشًا وَلَا تَقَدَّمُوهَا "

"قریش کو آگے کرو اور تم ان کے آگے مت ہو۔" یہ حکم مسلّم و متفق علیہ ہے۔

اب فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ پروفیسر کی ساتویں شرط (اس کے حسب ونسب پر انگلی نہ اٹھائی جا سکے) اور علامہ ماوردی کی شرط کہ امام کیلئے قریش میں سے ہونا ضروری ہے۔ غیر قریشی خواہ وہ کتنے ہی اچھے حسب و نسب کا کیوں نہ ہو، امامت کا اہل نہیں۔ یہ حکم قطعی ہے اور کسی شک کرنے والے کے اختلاف سے اس کی مسلمہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دیانتداری کا تقاضہ تو یہ ہوتا ہے کہ جس کتاب کا حوالہ دیا جا رہا ہے یا جس مصنف کا قول نقل کیا جا رہا ہے اس کو من وعن بلا کم و کاست نقل کیا جائے اور اس کے مفہوم میں بھی کسی قسم کی تبدیلی نہ لائی جائے۔ لیکن یہ جراءت و بد دیانتی کی ایک نادر مثال ہے کہ کسی مصنف کی کتاب کا حوالہ دے کر اس کے قول کو ذکر ہی نہ کیا جائے بلکہ اس کی جگہ اپنی مرضی کی ایسی عبارت لکھ دی جائے جس کا اس مصنف کی تحریر سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ یہاں پر ممکن ہے کہ پروفیسر صاحب کشت دجل و فریب کو پامال ہوتا دیکھ کر یہ توجیہہ کریں کہ میری عبارت کا مطلب یہی بنتا ہے کہ اس کے حسب ونسب پر انگلی نہ اٹھائی جا سکے۔ اس سے مراد قریش کا حسب ونسب ہی مراد ہے کہ ان کے ہی حسب ونسب پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ تو بصد ادب یہ گذارش ہے کہ

العیاذُ باللہ۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور انصار صحابہ کرام کے حسب و نسب پر انگلی اٹھائی جا سکتی تھی اسی لیے انہیں امامت کا اہل نہ سمجھا گیا۔ حسب و نسب صحیح ہونے اور قریش ہونے کو کسی طرح ایک دوسرے میں ضم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی صحتِ نسب کو قریش میں محصور کیا جا سکتا ہے۔ قریش کے علاوہ بھی لاتعداد لوگ ایسے ہیں جن کے حسب و نسب پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ پروفیسر صاحب بھی تو قریشی نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ کسی کو یہ کہنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ وہ کہہ دے کہ چونکہ آپ قریشی نہیں ہیں لہٰذا آپ کا نسب نامعلوم ہے یا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ماوردی کی عبارت میں ایسا تغیر بدترین علمی خیانت ہے جو کسی بھی مصنف یا شریف النفس انسان کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ ایسی تحریف قارئین کے اعتماد کو اور مصنفین کے وقار کو سخت نقصان پہنچا سکتی ہے۔

پروفیسر کی اس جسارت کی بنیاد پر ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما اور بے شمار صحابہ کرام کو الزام دینے اور ان کو ضعیف اور غیر ثقہ کہنے والے اور اسماء الرجال کی کتابیں کھولنے والے نام نہاد محققین کا ذاتی کردار یہی ہے کہ وہ ہر قسم کی خیانت کو جائز سمجھتے ہیں اور بالفعل کرتے ہیں۔

اسی باب میں بدائع الصنائع کے حوالہ سے جو گلفشانی رحمت اللہ طارق نے کی ہے اُسے یہاں ذکر کر کے طارق کی دیانت کا راز افشا کرنا ضروری تھا۔ لیکن اس کی طوالت اور بدائع الصنائع کے مصنف علامہ کاسانی کی بصیرت افروز تحقیق قارئین کے لیے چونکہ اہمیت کی حامل ہے اس لیے اُسے اس باب کے آخر میں کچھ تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ ذیل میں ہم شرائط امامت

کے لیئے معتمد کتب کی عبارات درج کر رہے ہیں۔

ملاحظہ ہوں:

امامِ کبیر علاّمہ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں

ویشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة بان یکون مسلماً حراً۔ ذکراً۔ عاقلا بالغاً سائسا بقوة رایه ورویته ومعونة باسه وشوکته قادراً بعلمه وعدالته وکفایته وشجاعته علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود الاسلام و انصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم (شرح ملا علی قاری علی الفقه الاکبر للامام الاعظم ابوحنیفه ص۱۴۸)

سربراہ حکومت کے لیئے ضروری ہے کہ وہ ولایت مطلقہ کاملہ کا اہل ہو ولایت مطلقہ کاملہ کی شرائطِ اہلیت علامہ ملا علی قاری بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان ہو۔ آزاد ہو۔ مرد ہو۔ عاقل بالغ ہو۔ صاحب سیاست و فراست ہو جو اپنی رائے اور رویے کی قوت اور اپنی طاقت و دبدبے کی مدد سے مسلمانوں کے امور میں تصرف کر سکتا ہو اور اپنے علم و عدل، کارگزاری اور شجاعت کی وجہ سے احکام کے نافذ کرنے، اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنے اور ظلم کے ظاہر ہونے کے وقت ظالم سے مظلوم کا حق وصول کرنے پر قادر ہو۔

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں

ويشترط ان يكون من
اهل الولاية المطلقة الكاملة
اى مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً
اذ ما جعل الله للكافرين
على المومنين سبيلا والعبد
مشغول بخدمة المولى مستحقراً
فى اعين الناس والنساء ناقصات
عقل ودين والصبى والمجنون
قاصران عن تدبير الامور و
التصرف فى مصالح الجمهور
سائساً اى مالكاً للتصرف فى
امور المسلمين بقوة رايه و
رويته ومعونة باسه وشوكته
قادراً بعلمه وعدله وكفايته
وشجاعته على تنفيذ الاحكام
وحفظ حدود دار الاسلام
وانصاف المظلوم من الظالم
اذ الاخلال بهذه الامور مخل بالغرض
من نصب الامام (شرح العقائد النسفیہ ص ۱۴۲)

شرط ہے کہ ولایت کاملہ مطلقہ کا
اہل ہو۔ یعنی مسلمان ہو، آزاد ہو، مرد ہو،
عاقل ہو، بالغ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
کافروں کو مسلمانوں پر اختیار نہیں دیا۔ اور
غلام اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوگا۔
اور لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے۔ اور
عورتیں، عقل اور دین میں ناقص ہوتی ہیں۔
بچے اور پاگل کاموں کی انجام دہی سے
قاصر ہوتے ہیں۔ اور عوام کی مصلحتوں کے
تصرف میں بھی قاصر ہوتے ہیں۔

صاحب سیاست و فراست ہو یعنی
اپنی رائے اور رویے کی قوت اور اپنی
طاقت و دبدبے کی مدد سے مسلمانوں کے
امور میں تصرف کر سکتا ہو۔ اور اپنے علم و
عدل اور کارگزاری و شجاعت کی وجہ سے
احکام نافذ کرنے، اسلامی مملکتوں کی حدود
کی حفاظت کرنے اور ظالم سے مظلوم کا حق
وصول کرنے پر قادر ہو۔ کیونکہ شرائطِ
مذکورہ کا نقصان و فقدان سربراہ مملکت

کے تقرر کی اصلی غرض کو ہی ختم کر دیتا ہے۔

حضرت علامہ ابن نجیم الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں

اعلم ان شرائط الامامۃ بعد الاسلام والتکلیف خمس الذکورۃ والورع والعلم والکتابۃ ونسب قریش لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الائمۃ من قریش " (الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۱۱۱)

مسلمان اور مکلف (عاقل و بالغ) ہونے کے علاوہ پانچ اور شرائط بھی امامت کے لئے ہیں۔ (۱) مرد ہونا۔ ۲۔ پرہیزگاری ۳۔ علم ۴۔ لکھ سکنا۔ ۵۔ نسب کے لحاظ سے قریشی ہونا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے باعث کہ "امام قریش سے ہی ہونگے"

حضرت علامہ قاضی عبدالرحمٰن بن احمد الایجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

فی شروط الامامۃ:

الجمہور علیٰ ان اھل الامامۃ مجتھد فی الاصول والفروع لیقوم بامور الدین ذو رای لیقوم بامور الملک

شرائطِ امامت

جمہور علماء نے امامت کے لئے اصول و فروع میں صاحب اجتہاد کو ہی اہل قرار دیا ہے۔ تاکہ امورِ دین کو انجام دے سکے۔ صاحب رائے ہو تاکہ مُلکی

شجاع ليقوى على الذب عن الحوزة ،
وقيل لا يشترط هذه الصفات لانها لا توجد فيكون اشتراطها عبثا او تكليفا بما لا يطاق ، ومستلزماً للمفاسد التي يمكن دفعها بنصب فاقدها نعم يجب ان يكون عدلاً لئلا يجور ،

معاملات کو چلا سکے۔
شجاع ہو تا کہ ملکی سرحدوں کی حفاظت کا بوجھ اٹھا سکے۔
بعض نے کہا یہ شرائط ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ اکثر طور پر نہیں پائی جاتیں۔ اس طرح ان کو شرط ٹھہرانا بے فائدہ۔ اور اس چیز کا پابند کرنا ہوگا۔ جس کی طاقت موجود نہیں۔ اور اس طرح یہ شرائط ایسی خرابیوں کو جنم دیں گی جن کا دور کرنا اس سے ممکن ہے جس میں شرائط نہ بھی پائی جاتی ہوں۔

علامہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے لیکن جو شرائط ضروری ہیں وہ یہ ہیں۔ عادل ہو تا کہ ظلم نہ کرے۔

عاقلا ليصلح للتصرفات بالغاً لقصور عقل الصبي ، ذكراً اذ النساء ناقصات عقل و دين ، حراً لئلا يشغله خدمة السيد و لئلا يحتقر فيعصى فهذه الصفات شروط بالاجماع
(المواقف في علم الكلام ص ۳۹۸)

عاقل ہو تا کہ معاملات میں تصرف کرنے کی صلاحیت رکھے۔ بالغ ہو کیونکہ لڑکے کا عقل معاملات فہمی سے قاصر ہوتا ہے۔ مرد ہو۔ کیونکہ عورتیں عقل و دین میں ناقص ہوتی ہیں۔ آزاد ہو۔ کیونکہ غلام تو اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور غلام کو چونکہ حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے وہ اس تحقیر کے باعث گنہگار ہوگا۔
یہ صفات امامت کے لیئے بالاجماع شرط ہیں۔

حضرت علامہ سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی المتوفی ۷۹۱ھ فرماتے ہیں:

یشترط فی الامام ان یکون مکلفا حراً ذکراً عدلاً لان غیر العاقل من الصبی والمعتوہ قاصر عن القیام بالامور علی ماینبغی، والعبد مشغول بخدمۃ السید لا یفرغ للامر مستحقر فی اعین الناس. لا یہاب ولا یتمثل امرہ. والنساء ناقصات عقل ودین ممنوعات عن الخروج الی مشاھد الحکم ومعارک الحرب والفاسق لا یصلح لامر الدین ولا یوثق باوامرہ ونواھی والظالم یختل بہ امر الدین والدنیا وکیف یصلح للولایۃ وما الوالی الا لدفع شرہ الیس بعجیب استرعاء الذئب، واما الکافر فامرہ ظاھراً وزاد الجمہور اشتراط ان یکون شجاعاً لئلا یجبن عن اقامۃ الحدود ومقاومۃ الخصوم مجتھد فی الاصول

ترجمہ: امام کے لیئے شرط ہے کہ وہ مکلف (عاقل بالغ) ہو، آزاد ہو مرد ہو، عادل ہو. کیونکہ غیر عاقل بچہ اور دیوانہ امور مملکت کے قائم کرنے سے کما حقہ قاصر ہیں. اور غلام آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے. مملکت کے کاموں کی انجام دہی کے لیئے فارغ نہیں ہوگا. لوگوں کی نظروں میں حقیر بھی ہوتا ہے. جس کے باعث اس کا رعب اور ہیبت نہیں ہوتی. اس وجہ سے خدشہ ہے کہ لوگ اس کو تسلیم نہ کریں.

اور عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں منع کی گئی ہیں نکلنے سے عدالتوں کی طرف اور محاذ جنگ سے.

اور فاسق امر دین کے لیئے صحیح نہیں اور اس کے احکام اوامر ونواہی کی تائید نہیں کی جائے گی.

اور ظالم سے دین ودنیا کے امور خراب ہوجاتے ہیں تو وہ ولایت کی کیا صلاحیت رکھے گا.

والفروع لتمكن من القيام بامور الدين ذا رای فی تدبیر الامور لئلا یخبط فی سیاسة الجمهور۔"

"شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۷۲"

جبکہ والی دفع شر کے لئے ہوتا ہے۔ کیا عجیب بات نہیں ہوگی کہ بھیڑیئے کو چرواہا بنا دیا جائے۔

کافر کا معاملہ ظاہر ہے کہ اسی کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

جمہور نے کچھ اور شرطوں کا اضافہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ امام کا شجاع ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بزدل حدیں قائم کرنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ صاحب اجتہاد ہو۔ اصول و فروع میں۔ تاکہ اس کے امام بنائے جانے سے دینی معاملات صحیح انجام پاسکیں۔ صاحب رائے ہو۔ امور کی انجام دہی میں مہارت رکھتا ہو۔ تاکہ عوامی سیاست میں ناکام نہ ہو جائے۔

امام علامہ ابی محمد عبد اللہ بن احمد ابن قدامیؒ

المتوفی ۶۲۰ھ کا خلاصۂ تحقیق ملاحظہ فرمایئے:

ولنا قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

"ما افلح قوم ولوا امرهم امرأة" ولان القاضی یحضره محافل الخصوم والرجال ویحتاج فیه الی کمال الرأی وتمام العقل والفطنة والمرأة ناقصة العقل قليلة الرأی ليست اهلا للحضور

اور ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنا حاکم عورت کو بنایا۔" کیونکہ قاضی کے پاس تنازعات اور مردوں کی محفلیں ہوتی ہیں۔ اور قاضی ان میں محتاج ہوتا ہے کمال رائے اور عقل کامل کا اور زیرکی کا۔ جبکہ عورت ناقص عقل اور تھوڑی فکر والی ہوتی ہے اور وہ مردوں

فی محافل الرجال ولا تقبل شہادتہا ولو کان معہا الف امرأۃ مثلہا مالم یکن معہن رجل وقد نبہ اللہ علیٰ ضلالہن ونسیانہن بقولہ تعالیٰ "اَن تَضِلَّ اِحدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحدٰهُمَا الاُخرٰی"۔ ولا تصلح للامامۃ العظمیٰ ولا لتولیۃ البلدان ولہذا لم یول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا احد من خلفائہ ولا من بعدہم امرأۃ قضاء ولا ولایۃ فیما بلغنا ولو جاز ذالک لم یخل منہ جمیع الزمان غالبا۔

(المغنی ص ۳۸۰ ج ۱۱)

کی محافل میں حاضری کی اہل بھی نہیں ہوتی۔ اور اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جاتی۔ خواہ اس کے ساتھ ہزار عورتیں ویسی ہی کیوں نہ ہوں۔ جب تک کہ ان کے ساتھ مرد گواہی میں شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے غلط ہو جانے اور بھول نے کو یوں بیان فرمایا ہے "اَن تَضِلَّ اِحدٰهُمَا تا آخر" اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے:

عورت نہ تو سربراہ حکومت بننے کی اہلیت رکھتی ہے اور نہ ہی گورنری کی۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کو والی نہیں بنایا۔ اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے کسی نے اور نہ ان کے بعد کسی نے عورت کو نہ تو قاضی بنایا اور نہ سربراہ مملکت بنایا جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ اور اگر یہ دونوں عہدے عورت کے لیے جائز ہوتے تو پورا زمانہ کیوں خالی ہوتا"

بعینہٖ یہی خیالات "شرح الکبیر بہامش المغنی ص ۳۸۶ ج ۱۱" علامہ شمس الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن بن ابی عمر بن محمد القدامہ المقدسی المتوفی ۶۸۲ھ نے تحریر فرما کر علامہ ابن قدامہ کی تائید کر دی۔

اور واضح کر دیا ہے کہ عورت نہ تو سربراہ مملکت ہونے کی اہل ہے اور نہ ہی قاضی

بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آئمہ و علماء نے اس تواتر سے عورت کے متعلق ناقصات العقل والدین کے الفاظ استعمال کیئے اور ناقصات العقل والدین کی حدیثِ پاک سے اتنے عظیم المرتبت اور جلیل القدر آئمہ نے استدلال کیا ہے جیسے آپ صفحہ بہ صفحہ ملاحظہ فرما رہے ہیں لیکن ایسی احادیثِ پاک کی صحت کا انکار پروفیسر کی مجرمانہ اور باغیانہ ذہنیت کا واضح ثبوت ہے۔ اور حدیثِ پاک پر کتنی جرأتِ مجرمانہ ہے کہ ایسی حدیثِ پاک کی صحت سے انکار سے بھی پروفیسر کے قلم پر نہ کوئی لرزہ طاری ہوا، نہ اس کے ایمان میں کوئی نقص آیا، نہ اس کے ضمیر میں کوئی کسک پیدا ہوئی، نہ اس کے دل میں خوفِ خدا نے انگڑائی لی اور نہ ہی اس کی شرافت و دیانت میں کوئی لہر اٹھی۔

حضرت علامہ امام ابنِ قاسم العبادی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو:

(شروط الامام کونہ مسلماً) لیراعی مصلحۃ الاسلام والمسلمین (مکلفاً) لان غیرہ فی ولایۃ غیرہ وحجرہ فکیف یلی امر الامۃ روی احمد خبر نعوذ باللہ من امارۃ الصبیان (حراً) لان من فیہ رق لا یھاب وخبر اسمعوا واطیعوا وان ولی علیکم عبد حبشی محمول علی غیر الامامۃ العظمیٰ او للمبالغۃ فقط (ذکراً) لضعف عقل الانثیٰ وعدم مخالطتھا للرجال وصح

امام کی شرط مسلمان ہونا اس لیئے ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کی رعایت کرے، مکلف ہو یعنی عاقل بالغ ہو کیونکہ غیر مکلف دوسرے آدمی کی ولایت و تصرف میں ہوتا ہے تو امت کی امامت کس طرح کر سکتا ہے۔ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے حضور نبی کریم کی حدیث بیان کی ہے کہ "ہم پناہ چاہتے ہیں بچوں کی حکومت سے۔"

تیسری شرط آزاد ہو۔ کیونکہ جو غلام ہو گا اس کی ہیبت اور خوف نہیں ہو گا۔

خبر لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأة والحق بہا الخنثیٰ احتیاطاً فلا تصح ولایتہ وان بان ذکراً کالقاضی بل اولیٰ (قرشیا) لخبر الائمة من قریش اسنادہ جید (مجتہداً) کالقاضی بل اولیٰ۔
(شجاعاً) یغزو بنفسہ ویدبر الجیوش ویفتح الحصون ویقہر الاعداء۔
(ذارأی) یسوس بہ الرعیة ویدبر مصالحہم الدینیہ والدنویہ قال الھروی وادناہ ان یعرف اقدار الناس۔
(وسمع) وان تقل
(وبصر) وان ضعف بحیث لم یمنع التمایز بین الاشخاص او کان اعور او اعشی۔
(ونطق) یفہم وان فقد الذوق والشم۔
(بحاشیہ تحفة المحتاج بشرح المنہاج ص ۷۵ ج ۹)

اور یہ حدیث پاک "کہ سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر ہو۔" اس حدیث پاک میں امارت سلطنت کے علاوہ پہ مشتمل ہے۔ یا صرف مبالغہ کے لیئے ہے۔ چوتھی شرط، مرد ہونا عورت عقل کی کمزوری اور مردوں سے غیر مخلوط ہونے کی وجہ سے امارت کی اہل نہیں۔ اور حدیث صحیح ہے کہ "ہرگز فلاح نہیں پائے گی وہ قوم جن کی سربراہ مملکت عورت ہوئی۔" اور احتیاطاً خنثیٰ بھی اس میں داخل ہیں۔ اور اس کی ولایت بھی صحیح نہیں۔ اگر اس کا مرد ہونا بھی ظاہر ہو۔ جیسے وہ قاضی نہیں ہو سکتا۔ بدرجۂ اولیٰ امام بھی نہیں ہو سکے گا۔ پانچویں شرط: قریشی ہو۔ اس لیئے کہ حدیث میں ہے کہ آئمہ قریش سے ہی ہوں گے۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ چھٹی شرط، مجتہد ہو۔ قاضی کی طرح یا اس سے زیادہ۔ ساتویں شرط: شجاع ہو۔ تاکہ خود جہاد میں شرکت کر سکے اور فوجوں کو ترتیب دے سکے۔ اور قلعوں کو فتح کر سکے اور دشمنوں پر سختی کر سکے۔ آٹھویں شرط، صاحب رائے ہو۔ تاکہ اس سے رعیت کے معاملات

کی دیکھ بھال کر سکے اور ان کے مصالح دینیہ اور دنیویہ پر غور و فکر کر سکے۔

علامہ بردی فرماتے ہیں کہ کم از کم اس قابل ہو کہ لوگوں کے مراتب کا فرق کر سکے۔

نویں شرط: قوتِ سماعت رکھتا ہو۔ اگرچہ بھاری سنتا ہو تو حرج نہیں۔ بالکل بہرہ نہ ہو۔

دسویں شرط: قوتِ بصارت رکھتا ہو۔ اگرچہ اس کی نظر کمزور ہو۔ لیکن وہ لوگوں کو پہچان سکتا ہو۔ یا کانا ہو۔ یا جیسے رات کو نظر نہ آتا ہو۔

گیارہویں شرط: قوتِ گویائی ہو۔ اسقدر بول سکتا ہو کہ لوگ اس کی بات سمجھ سکیں۔ خواہ اس کی چکھنے اور سونگھنے کی قوت نہ ہو۔

حضرت علامہ محمد علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات ويشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً قادراً قرشياً لا هاشمياً علوياً معصوماً۔

(درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۵)

ترجمہ: امام کا مقرر کرنا اہم واجبات سے ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے تقریرِ امام کو مقدم کیا گیا۔ امام کے لیئے اس کا مسلمان ہونا، آزاد ہونا، مرد ہونا، عاقل بالغ ہونا، احکام نافذ کرنے پر قادر ہونا، قریشی ہونا شرط ہیں۔ لیکن ہاشمی ہونا یا علوی ہونا یا معصوم ہونا شرط نہیں ہیں۔

حضرت علامہ محمد ابن شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(ويشترط كونه مسلماً) اى لان الكافر لا يلي على المسلم

سربراہ حکومت کے لیئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ کیونکہ کافر

ولان العبد لا ولاية له على نفسه فكيف تكون له الولاية على غيره والولاية المتعدية فرع للولاية القائمة ومثله الصبي والمجنون ولان النساء امرن بالقرار في البيوت فكان مبنى حالهن على الستر واليه اشار النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال كيف يفلح قوم تملكهم امرأة۔

(رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۴۰۲)

مسلمان پر حاکم نہیں ہو سکتا اور غلام تو اپنی ذات پر بھی اختیار نہیں رکھتا۔ دوسرے لوگوں پر اسے کیسے اختیار حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ ولایت متعدیہ فرع ہے ولایت قائمہ کی۔ یونہی صبی اور مجنون بھی اور عورت بھی اس لئے حاکم نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کو تو گھر میں جم کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے حال کی بنیاد پردہ پر ہے۔ اسی حقیقت کو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے آشکار اکرتے ہوئے فرمایا " وہ قوم کس طرح فلاح پا سکتی ہے جس نے عورت کو اپنا حاکم بنایا ؟"

فخر المتکلمین علامہ محمد عبد العزیز پرہاروی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؛

والنساء ناقصات عقل ودين اقتباس من الحديث وسئل النبي صلى الله عليه وسلم عن معناً فقال ما حاصله عن شهادتها نصف شهادة الرجل فذالك من نقصان عقلها وتمكث اياماً لا تصلي ولا تصوم فذالك من نقصان دينها وفي استدلال الشارع به خفاء لا يخفى والاوضح استدلال بالحديث عن

" اور عورتیں ناقص ہیں عقل اور دین کے لحاظ سے۔" یہ عبارت حدیث پاک کا اقتباس ہے۔ معلوم کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنی کے متعلق۔ تو آپ نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق گواہی عورت کی مرد کی گواہی کا نصف ہے اور یہ اس کے نقصان عقل کی وجہ سے

ابی بکرۃ الثقفی قال لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا علیھم امرأۃ۔ رواہ البخاری وایضاً ھی مامورۃ بالستر وترک الخروج الی مجامع الرجال وایضاً۔

قد اجمع الامۃ علی عدم نصبھا حتی فی الامامۃ الصغریٰ۔

(النبراس شرح شرح العقائد ص ۵۳۶)

ہے۔ اور چند دن رُک جاتی ہے۔ ان دنوں میں نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے۔ یہ اس کے نقصانِ دین کی وجہ سے ہے۔ اور شارح کے اس حدیث سے استدلال میں پوشیدگی ہے جو کہ مخفی نہیں ہے۔ اور زیادہ واضح استدلال اس حدیث کے ساتھ ہے جو حضرت ابی بکرۃ ثقفی سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں جب سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے اُوپر عورت کو بادشاہ بنایا۔ اس حدیث کو بخاری" نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عورت کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے اور اُسے مردوں کی مجلسوں میں جانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور امت کا اجماع ہے کہ عورت کو امام نہیں بنایا جائے گا۔ حتیٰ کہ امامتِ صغریٰ میں بھی اس کو مقرر نہیں کیا جائے گا۔"

امام المعارف الربانی سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولیشترط ان یکون الامام بالغاً۔ عاقلاً۔ مسلماً۔ عدلاً۔ حراً ذکراً۔ مجتھداً۔ شجاعاً۔ ذارائی وکفایۃ۔ قرشیاً۔ سمیعاً۔ بصیراً۔

اور سربراہِ مملکت کے لیئے یہ شرط ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہو۔ مسلمان۔ آزاد، مرد، صاحبِ اجتہاد اور بہادر ہو۔ صاحبِ رائے اور کفایت ہو۔ قریشی

ناطقاً سليم الاعضاء من نقص
يمنع استيفاء الحركة وسرعة
النهوض. فان لم يوجد قرشي
اجتمعت فيه الشروط فكناني.
فان لم يوجد فغيره والجاهل
العادل اولى من الجاهل الفاسق
كما هو مقرر في كتب الفقه
هذا ما رايته في كتب المتكلمين.
(اليواقيت والجواهر ج٢ ص ١٢٩)

ہو۔ قوتِ سامعہ، باصرہ اور ناطقہ رکھتا ہو۔
صحیح الاعضاء ہو ایسے نقص سے جو اُسے
حرکت کرنے اور جلد چلنے سے مانع ہو۔
اگر قریشی نہ مل سکے تو ایسے کنانی کو
جس میں بقایا شرط موجود ہوں، امام بنایا
جائے۔ اور اگر کنانی بھی نہ مل سکے تو پھر
کسی اور کو بنایا جائے۔ جاہل عادل، جاہل
فاسق سے بہتر ہے۔ جیسے کہ کتب فقہ
میں تصریح کی گئی ہے۔
یہ وہ شرائط ہیں جن کو میں نے کتب
متکلمین میں دیکھا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

اعلم انه يشترط في الخليفة
ان يكون عاقلاً بالغاً حراً. ذكراً
شجاعاً. ذا رأي وسمع وبصر ونطق
وممن سلم الناس شرف وشرف
قومه ولا يستنكفون عن
طاعته قد عرف منه ان
يتبع الحق في سياسة المدينة
هذا كله يدل عليه العقل

(سربراہِ مملکت کے لئے شرائطِ اہلیت
بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی فرماتے ہیں): وہ عاقل، بالغ، آزاد
مرد ہو۔ شجاع و بہادر، صاحب رائے
اور قوتِ سماعت رکھتا ہو۔ بینا و گویا ہو۔
اور ایسے لوگوں میں سے ہو جس کے خاندان
کے شرف کو لوگ تسلیم کرتے ہوں۔ اور
اس کی اطاعت میں عار محسوس نہ کرتے ہوں۔

واجتمعت امم بنی آدم علی تباعد بلدانهم واختلاف ادیانهم علی اشتراطها لما رأوا ان هذه الامور لا تتم المصلحة المقصودة من نصب الخلیفة الا بها۔ واذا وقع شیء من اعمال هذه رأوه خلاف ما ینبغی وکرهه قلوبهم وسکتوا علی غیظ وهو قوله صلی الله علیه وسلم فی فارس لما ولوا علیهم امرأة "لن یفلح قوم ولوا علیهم امرأة۔" والملة المصطفویة اعتبرت فی خلافة النبوة امورا اخری۔ منها الاسلام۔ والعلم والعدالة۔ وذالک لان المصالح الملیة لا تتم بدونها ضرورة۔ اجمع المسلمون علیه (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۹)

جس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ سیاست ملکی میں حق کی پیروی کرے گا۔ یہ تمام وہ شرائط ہیں جن کی صحت پر عقل رہنمائی کرتی ہے۔ نیز بنو آدم کے تمام گروہ مختلف مذاہب اور دور دراز شہروں سے تعلق رکھنے کے باوجود امور مذکورہ کے شرط ہونے پر متفق ہیں۔ اس لیئے کہ وہ خلیفہ مقرر کرنے کی ضرورت اور مصلحت کو سمجھتے ہیں جو ان شرائط کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ اور جب ان شرائط میں سے کوئی شرط خلیفہ میں نہ پائی جائے تو وہ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ اور ان سے ان کے قلوب متنفر ہوتے ہیں۔ اور وہ غصہ پیتے ہیں۔ اور وہ ارشاد ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبکہ اہل فارس نے اپنے اوپر عورت کو سربراہ حکومت بنایا "وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جس نے عورت کو سربراہ بنا لیا۔ اور ملت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے خلافت علی منہاج النبوۃ کے سلسلہ میں مذکورہ شرائط کے علاوہ بھی کچھ شرائط

کو ضروری قرار دیا ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں: خلیفہ کا مسلمان ہونا، صاحب علم اور عادل ہونا۔ اور یہ اس لیئے کہ ملتِ اسلامیہ کے مقاصد و مصالح اس کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔"

مذکورہ بالا حوالوں میں ذارائی و کفایۃ کا لفظ اکثر استعمال ہوا ہے۔ یعنی امام کا صاحب الرائے اور کفایت ہونا ضروری ہے۔ تو کفایت کی تشریح کے لیئے ہم علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون کی کتاب "مقدمہ ابنِ خلدون" کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ تاکہ اس شرط کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ علامہ خلدون جیسے محقق اور مدقق شخص جنہوں نے مقدمہ ابنِ خلدون جیسی نادر تحقیقی کتاب لکھ کر عمرانیات میں اپنی انفرادیت کا لوہا منوا لیا ان کی تحقیق میں شرائطِ امارت کیا ہیں؟

علامہ عبدالرحمٰن ابنِ خلدون رحمتہ اللہ علیہ المتوفی ۸۰۸ھ فرماتے ہیں

منصبِ امامت کی چار شرطیں ہیں:

۱۔ علم

۲۔ عدالت

۳۔ کفایت

۴۔ سلامتی حواس و اعضاء۔ جو رائے اور عمل میں اثر انداز ہوتے ہیں۔

پانچویں شرط (قرشی النسب) میں اختلاف ہے۔ علم کی شرط تو ظاہر ہے۔ کیونکہ امام اللہ کے احکام کو اسی صورت میں نافذ کر سکتا ہے جب ان کا عالم بھی ہو۔ اس لیئے امامت کے لیئے جاہل کو ترجیح دینا اور امام بنانا صحیح نہیں۔ پھر امام علم بھی اجتہادی درجہ کا رکھتا ہو۔ دوسروں کا مقلد نہ ہو۔ کیونکہ تقلید خامی اور عیب ہے۔ اور امامت اپنے اوصاف و احوال میں کمال کو چاہتی ہے۔

عدالت کی شرط اس لیئے ہے کہ امامت ایک دینی منصب ہے۔

اور امام ان تمام عہدوں کا نگران ہوتا ہے جن میں عدالت کی شرط ہے۔ اس لیئے امام میں بدرجۂ اولیٰ عدالت کی شرط ہونی چاہیئے۔ اس میں اختلاف نہیں کہ اگر کسی کے اعضاء میں بوجہ فسق و فجور کے اور حرام کاموں کا ارتکاب کرکے (حد جاری ہو جانے کی وجہ سے) فرق آجائے تو اس کی عدالت بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی میں اعتقادی بدعتیں پائی جائیں تو کیا اس کی عدالت بھی ساقط ہو جائے گی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

کفایت وصلاحیت کی اس لیئے شرط ہے کہ اہلیت کے بغیر امام کا بننا نہ بننا برابر ہے۔ کفایت وصلاحیت یہ ہے کہ امام حدودِ شرعیہ جاری کرنے پر جراءت والا ہو۔ لڑائیوں میں بے دھڑک اپنی بے مثال شجاعت سے گھس جانے والا ہو۔ ان کے نشیب و فراز اور جنگی چالوں کو خوب سمجھنے والا ہو۔ ذمّہ دار اور فرائض شناس ہو۔ کہ لوگوں کو لڑائیوں پر ابھار سکے اور انہیں جہاد کا شوق دلا کر لڑائیوں میں بر ضاد رغبت کھینچ لائے۔ عصبیت اور سیاسی چالوں سے خوب آگاہ ہو۔ اور سیاسی راہ میں مصائب برداشت کرنے پر قوی ہو۔ تاکہ وہ ان تمام باتوں کی وجہ سے اپنے فرائض کما حقہٗ پورے کر سکے۔ اور اپنی ذمّہ داریوں سے سبکدوش ہو سکے۔ دین کی پوری پوری حفاظت وحمایت کر سکے۔ دشمن سے جہاد کرنے میں بلند حوصلہ رہے۔ احکامِ شرعیہ قائم کر سکے۔ رفاہِ عام کے کام انجام دے سکے۔ اور سلامتیٔ حواس واعضاء کی اس لیئے شرط ہے (یعنی اعضاء میں نہ نقص ہو اور نہ یہ بات ہو کہ وہ سرے سے ہی نہ ہوں) جیسے جنون۔ نابینائی۔ بہرہ پن۔ گونگا ہونا اور ان اعضاء کا نہ ہونا جن کے نہ ہونے سے کام میں خلل آئے) جیسے دونوں ہاتھ یا دونوں پیر یا دونوں نوٹے نہ ہوں۔ غرضیکہ ان سب میں صحیح وسلامت ہونے کی شرط ہے۔ کیونکہ ان سے وہ کام اور

انتظام تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ جو امام کے فرائض میں شامل ہیں۔ اور اس کی ذمہ داریوں میں داخل ہیں۔ اگر امام کی شکل و صورت میں کوئی عیب پیدا ہو گیا ہے۔ جیسے ایک ہاتھ یا ایک پیر جاتا رہا تو مضر نہیں۔ کیونکہ سلامتی اعضائے سے کامل حاسہ و عضو مراد ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون ۔ مترجم ج ا ص ۴۵۶-۴۵۷)

مندرجہ بالا دلائل کے بعد امید ہے پروفیسر صاحب کو علماء کے مطالعہ کرنے کی شکایت نہ رہے گی۔ اور ان کا علامہ ماوردی کے قول کو غلط رنگ دے کر اپنی علمیت منوانے کا بھوت بھی تقریباً سر سے اتر چکا ہو گا۔ اور ان متعدد حوالوں کے بعد میں بجا طور پر امید کر سکتا ہوں کہ وہ ایک سلیم الطبع انسان کی طرح اپنی غلط تحقیق سے رجوع کر لیں گے۔ اور آئندہ عورتوں کی ناجائز اور خلاف شرع وکالت ترک کر کے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کا سلسلہ بند کر کے اپنے اس مجرمانہ فعل سے توبہ کر لیں گے۔ چونکہ ان کا قلم جہاں سادہ لوح زن و مرد کے لئے خرابیٔ عاقبت کا باعث ہے وہاں سر پھرے ترقی پسندوں کے حق میں اعلان بغاوت بھی۔ مناسب ہو گا کہ وہ اپنی کاوشوں کو حق و صداقت کے فروغ کے لئے وقف کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ اللہ نیک توفیق سے نوازے۔ (آمین)

موصوف کے غلط استدلال کو باطل ثابت کرنے کے بعد کئی آئمہ و علماء کی تحقیقی اور معتبر کتب سے ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ امارت کے لئے ذکوریت کی شرط لازمی ہے۔ اور امام کی گوناگوں ذمہ داریوں کا تقاضہ ہے کہ امام مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اور عورت امام نہیں بن سکتی۔ دراصل یہ بھی ایک اجمالی خاکہ تھا جس میں مختصر دلائل ذکر ہوئے ہیں۔ لیکن اس اختصار کے باوجود بھی مذکورہ بالا تمام کتب میں "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" سے آئمہ نے عورت کی امارت کے لئے عدم اہلیت و صلاحیت پر استدلال کیا ہے۔ یا کچھ حضرات نے پردہ اور عورتوں کے گھروں میں رہنے کے حکم سے

استدلال کیا ہے۔ یہاں توجّہ طلب بات یہ ہے کہ یہ تمام آئمہ اسماء الرّجال سے ناواقف تھے کہ انہوں نے ایسی حدیثِ پاک سے استدلال کیا اور احکام جاری کیئے جو بقول پروفیسر و طارق ایک ضعیف اور سیاسی حدیث ہے اور جو العیاذ باللہ ام المومنین سیّدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرنے اور آپ کی مخالفت میں وضع کی گئی ہے۔

اگر ہم اس امر کا التزام کر لیں کہ کتنے علماءِ محققین نے اس حدیثِ پاک کو دلیل بنا کر اور اپنی تحقیق کا محور و مرکز بنا کر احکامِ شرعیہ کا استنباط کیا ہے تو اس کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جائے گی۔ ایک ایسی حدیثِ پاک جس سے امتِ مسلمہ کے اتنے آئمہ و علماء نے استدلال کیا ہے اس کو محض اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیئے ضعیف قرار دینا ظلمِ عظیم نہیں تو کون سا ایمان کا روشن باب ہے۔ ہم انشاءاللہ آئندہ صفحات میں عورت کی عدم صلاحیت برائے امامت پر تفصیلی دلائل کا ذکر کریں گے اور اس حدیثِ پاک کے متعلق اسماء الرّجال کے حوالہ سے تحقیق اور رواۃ پر جرح کا جواب کتاب کے آخر میں ذکر کریں گے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ کتابوں کی کمی کے باعث میں اپنی خواہش کے مطابق شرائطِ امامت پر دلائل ذکر نہیں کر سکا لیکن پھر بھی طالبِ حق کی تشفّی کے لیئے کافی ہیں۔

طارق کی فریب کاری اور اس کا جواب

حضرت امام علاؤالدّین ابی بکر مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ کی شہرۂ آفاق کتاب "البدائع والصنائع" کی عبارات سے جس طرح رحمتُ اللہ طارق نے غلط اور بے بنیاد مطالب بیان کر کے مغالطہ آفرینی کی ہے اس کی

وضاحت سے پہلے میں رحمت اللہ کی عبارت نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ قارئین پر اس فریب کاری کے خدوخال واضح ہو سکیں۔ ملاحظہ ہو:

فقہ حنفی کے فیصلے

یہ بات کہ سٹیٹ میں اونچا منصب سربراہی کا ہے یا عدلیہ کا؟ فقہ حنفی کے عظیم شارح علامہ ابوبکر کاسانی (۱۱۹۱ھ) اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ:

"القضاءُ من باب الولایۃ بل ھو اعظم الولایات۔"

سٹیٹ کے تمام مناصب سے اعلیٰ اور سب سے اونچا منصب عدلیہ کا ہے۔

(بدائعُ الصنائع طبع مصر جلد ۷/۲)

اس وضاحت کی روشنی میں فقہ حنفی کی رُو سے رسمی سربراہی، خلافت اور امامت سے اونچا منصب صرف عہدہ قضا (عدلیہ) کا منصب ہے۔ جس پر فائز ہونے والا مملکت کا اعلیٰ عہدیدار متصوّر ہو گا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس منصب پر کون فائز ہو سکتا ہے؟ کاسانی کہتے ہیں۔ ذیل کی شرائط پر پورا اترنے والا کوئی بھی فرد عورت ہو خواہ مرد فائز ہو سکتا ہے:۔

۱۔ عقل۔

۲۔ بلوغت۔

۳۔ اسلام۔

۴۔ حرّیت۔

۵۔ قوتِ گویائی۔

۶۔ کسی عورت پر بدچلنی کی تہمت کے باعث سزا یافتہ نہ ہونا۔

کاسانی کا مفہوم یہ ہے کہ مذکورہ شرائط ہر صنف بشر کے لئے یکساں معیار کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں ،

۱۔ پاگل ۔

۲۔ بچہ ۔

۳۔ غلام ۔

۴۔ گونگا ۔

۵۔ غیر مسلم ۔

۶۔ تہمت بد چلنی میں سزا یافتہ ۔

یہ تمام سٹیٹ کے اس منصب علیا کے اہل نہیں ہو سکتے (خلاصہ از بدائع ۲/۷)

گویا کاسانی عہد اسلامی میں طاقت کا سرچشمہ عہدہ قضا کو ٹھہراتے ہیں کہ اس دور میں ہیئت حاکمہ اور ہیئت مقننہ دو الگ محکمے نہیں تھے ۔ اور امیدوار میں چھ شرائط کا پایا جانا لازمی تھا ۔ لیکن آپ نے چونکہ عورت و مرد کے امتیاز کو بالائے طاق رکھ کر بات کو عمومی لہجہ میں واضح کیا تھا لہٰذا متشککین کے دل میں خدشات ابھر رہے تھے کہ کیا اتنے اونچے منصب پر عورت بھی فائز ہو سکتی ہے ؟ تو اس کی وضاحت میں کاسانی علیہ الرحمۃ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ :

" واما الذکورۃ فلیست من شرط جواز التقلید فی الجملہ "

مملکت کے اس اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لئے " مرد " ہونا شرط نہیں ہے ۔ عورت کے نافذ کردہ احکام و فرامین کی حیثیت بھی قانونی ہوگی ۔ (بدائع ۲/۷)

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۱/۲)

آپ نے رحمت اللہ طارق کی عبارت ملاحظہ فرمائی ۔ اب ہم علامہ کاسانی کی کتاب سے اصل عبارت اور اس کا مفہوم ذکر کرنے کے بعد محاکمہ کریں گے ۔ ملاحظہ ہو :

کتاب آداب القاضی

الکلام فی ھذا الکتاب
فی مواضع فی بیان فرضیۃ
نصب القاضی وفی بیان
من یصلح للقضاء وفی بیان
من یفترض علیہ القبول
تقلید القضاء وفی بیان شرائط
جواز القضاء وفی بیان ماینفذ
من القضایا وما ینقض منہا اذا
رفع الی قاض آخر وفی بیان ما
یحلہ القاضی ومالا یحلہ و
فی بیان حکم خطاء القاضی
فی القضاء وفی بیان مایخرج
بہ القاضی عن القضاء (اما)
الاوّل فنصب القاضی فرض لانہ
ینصب لاقامۃ امر مفروض
وھو القضاء قال اللہ سبحانہ
وتعالیٰ یا داوٗد انا جعلناک
خلیفۃ فی الارض فاحکم
بین الناس بالحق وقال

قاضی اور اس کے فرائض اس
کتاب میں درج ذیل موضوعات زیر بحث
آئیں گے۔ قاضی کا تقرر فرض ہے۔ قاضی
کا معیار اہلیت قضاء کی ذمّہ داری کو قبول
کرنا کس پر واجب ہوتا ہے۔ فیصلے کے
جائز ہونے کی شرطیں۔ آداب قاضی:
نظر ثانی کی درخواست کی صورت میں
کون سے فیصلے نافذ اور کون سے
قابل تنسیخ ہوتے ہیں۔ عدالتی فیصلہ
کن امور میں مفید حلت ہوتا ہے اور
کن میں نہیں ہوتا۔ فیصلے میں قاضی سے
خطا سرزد ہونے کی صورت میں کیا حکم
ہے۔ کن اسباب کی بناء پر قاضی اپنے
منصب پر برقرار نہیں رہتا۔ قاضی کی
معزولی۔ قاضی کا تقرر فرض ہے۔ کیونکہ
اسے ایک فریضے یعنی قضا سے عہدہ
برآ ہونے کے لیئے مقرر کیا جاتا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَا دَاوٗدُ
اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ

تبارك وتعالى لنبينا المكرّم عليه افضل الصلوة والسّلام فاحكم بينهم بما انزل الله والقضاء هو الحكم بين النّاس بالحقّ والحكم بما انزل الله عزوجلّ فكان نصب القاضى لاقامة الفرض فكان فرض ضرورة ولان نصب الامام الاعظم فرض بلاخلاف بين اهل الحقّ ولاعبرة بخلاف بعض القدرية لاجماع الصحابة رضى الله عنهم على ذالك و لمساس الحاجة اليه لتقويم الاحكام وانصاف المظلوم من الظالم وقطع المنازعات التى هى مادة الفساد وغيرذالك من المصالح التى لا تقوم الا بامام لما علم فى اصول الكلام ومعلوم انّه لا يمكنه القيام بما نصب له بنفسه فيحتاج الى نائب يقوم مقامه فى ذالك وهو القاضى

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ "یعنی اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ سو تو لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کر۔

ہمارے نبی مکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والسّلام سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا، فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ" یعنی سو ان کے مابین فیصلے اللہ کی فرستادہ (ہدایت) کے مطابق فیصلے کیا کرو۔ اور قاضی کا منصب بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ اور اللہ عزوجل کی فرستادہ ہدایت کے مطابق فیصلے کرے۔ کیونکہ قاضی کے تقرر کی غرض وغایت ایک فرض کی بجا آوری ہے۔ اس لئے اس کا تقرر بھی لامحالہ ایک فرض ہے۔ اس تقرر کے فرض ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امامِ اعظم (حکمران) کے تقرر کے فرض ہونے کی بابت اہلِ حق میں سے کسی کو اختلاف نہیں۔

"اس ضمن میں قدریہ فرقے کے بعض علماء

ولهذا كان رسول الله صلى الله
عليه وسلم يبعث الى الآفاق
قضاة فبعث سيدنا معاذا رضى
الله عنه الى اليمن وبعث
عتاب بن اُسيد الى مكة فكان
نصب القاضى من ضرورات
نصب الامام فكان فرضاً وقد
سماه محمد فريضة محكمة
لانه لا يحتمل النسخ لكونه
من الاحكام التى عرف وجوبها
بالعقل والحكم العقلى لا يحتمل
الانتساخ. والله تعالى اعلم.

(فصل) واما بيان من
يصلح للقضاء فنقول الصلاحية
للقضاء لها شرائط (منها)
العقل (ومنها) البصر (ومنها)
الاسلام (ومنها) البلوغ (ومنها)
الحرية (ومنها) النطق (ومنها)
السلامة عن حد القذف
لما قلنا فى الشهادة فلا يجوز
تقليد المجنون والصبى

کا اختلاف قابلِ اعتناء نہیں ہے؛
کیونکہ ایک تو اس امر پر صحابۂ کرام رضی اللہ
عنہم کا اجماع ہے اور دوسرے یہ کہ
مذکورہ آئندہ ضروریات امام کے تقرر
کی متقاضی ہیں: (معاشرے میں) احکام
کی پابندی ہو۔ ظالم سے مظلوم کو انصاف
دلایا جائے تنازعات مٹائے جائیں۔
جو فساد (خون خرابے) کا باعث بنتے ہیں۔
نیز دیگر کئی ایسی اغراض پوری ہوں جو
امام کے تقرر کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔
جیسا کہ تقریباً علم کلام کے اصول و قواعد میں
معلوم و معروف ہے۔ ظاہر بات ہے
کہ امام اپنے ان فرائضِ منصبی سے تن تنہا
عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیئے
اسے ایک نائب کی ضرورت ہے جو کہ
(ان فرائض کی بجا آوری میں) اس کا
قائم مقام ہو۔ اور وہ نائب ہے قاضی
اسی لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اطراف و نواح میں قاضی مقرر فرما
کر بھیجا کرتے تھے
چنانچہ آپ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ

والکافر والعبد والاعمی والاخرس
والمحدود فی القذف لان القضاء
من باب الولایۃ بل ھو اعظم
الولایات وھولاء لیست لھم
اھلیۃ ادنی الولایات وھی
الشھادۃ فلان لا یکون لھم
اھلیۃ اعلاھا اولی واما الذکورۃ
فلیست من شرط جواز التقلید
فی الجملۃ لان المرأۃ من اھل
الشھادات فی الجملۃ الا انھا
لا تقضی بالحدود والقصاص
لانہ لا شھادۃ لھا فی ذالک و
اھلیۃ القضاء تدور مع اھلیۃ
الشھادۃ ۔

(بدائع الصنائع ج ۷، ص۳)

کو یمن اور حضرت عتاب بن اسید کو مکہ
مکرمہ کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تھا پس
(ثابت ہوا کہ) قاضی کا تقرر امام کے تقرر
کی منجملہ ضروریات کے ایک ضرورت ہے۔
لہٰذا قاضی کا تقرر فرض ہے۔ امام محمد نے
اسے فریضہ محکمہ (ضروری فرض) قرار دیا ہے
کیونکہ اس بناء پر اس کی منسوخی کا کوئی
احتمال نہیں کہ یہ منجملہ ان احکام کے ہے
جن کا واجب ہونا از روئے عقل ثابت
ہے۔ اور جو حکم از روئے عقل ثابت
ہو اس کا منسوخ ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

(فصل) جہاں تک اس امر کا تعلق
ہے کہ منصبِ قضا کے لیئے کون اہل ہے۔
تو ہمارا (احناف کا) مسلک یہ ہے کہ
منصبِ قضاء کی اہلیت کی کچھ شرطیں ہیں
ازاں جملہ شرائط یہ ہیں: عقل، بلوغت، اسلام، حریت، بصارت، نطق (قوتِ گویائی)
حد قذف (تہمت کی حد) کا سزا یاب نہ ہو۔ ان شرطوں کی دلیل وہی ہے جو ہم شہادت
(کی اہلیت) کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ پاگل، نابالغ، کافر، غلام، نابینا،
گونگے اور حد قذف کے سزا یاب کو منصبِ قضا سونپنا جائز نہیں۔ اس لیئے کہ قضا کا تعلق
بابِ ولایت (اختیار، تحویل، سرپرستی) سے ہے۔ بلکہ یہ تو عظیم ترین ولایت ہے۔

اور مذکورہ بالا لوگ سب سے ادنیٰ ولایت یعنی شہادت کے بھی اہل نہیں (ان کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہوتی) تو سب سے اعلیٰ ولایت کے تو وہ بدرجۂ اولیٰ نا اہل ٹھہرے۔
جہاں تک قاضی کے مرد ہونے کی شرط کا تعلق ہے تو اس شرط کی حیثیت عمومی شرط کی نہیں. کیونکہ عورت بحیثیتِ عمومی ان لوگوں میں سے ہے جن کی شہادت قابلِ قبول ہوتی ہے۔ البتہ وہ حدود و قصاص کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کی اہل نہیں. کیونکہ ان امور میں اس کی گواہی بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی اور قضاء کی اہلیت شہادت کی اہلیت سے وابستہ ہے۔

جواب

آپ نے رحمت اللہ کی فریب کاری اور امام علامہ کاسانیؒ کی اصل عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا جس سے طارق کی مغالطہ آفرینی کی حقیقت آپ پر واضح ہو چکی ہوگی۔

رحمت اللہ نے کہا کہ (یہ بات کہ سٹیٹ میں اونچا منصب سربراہی کا ہے یا کہ عدلیہ کا؟ فقہ حنفی کے عظیم شارح علامہ ابوبکر کاسانی (۱۱۹۱ء) اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ: " القضاء من باب الولایۃ بل ھو اعظم الولایات"
ترجمہ: سٹیٹ کے تمام مناصب سے اعلیٰ اور سب سے اونچا منصب عدلیہ کا ہے تا آخر)

حالانکہ امام کاسانیؒ نے سربراہِ حکومت کو "امامِ اعظم" قرار دیا ہے۔ جیسے فرماتے ہیں:

" ولان نصب الامام الاعظم فرض بلا خلاف بین اھل الحق" ترجمہ: سربراہِ حکومت کا مقرر کرنا فرض اور اہلِ حق میں سے اس کی فرضیت

میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

جبکہ قاضی کے متعلق فرماتے ہیں۔

کہ چونکہ امام کے بہت سے فرائض ہیں۔ جنہیں وہ تنِ تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ اس لیئے اُسے ایک نائب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی نائب کو قاضی کہا جاتا ہے۔

" ومعلوم ان ذٰلک لا یمکنه القیام بما نصب له بنفسه فیحتاج الی نائب یقوم مقامه فی ذالک وهو القاضی "

قاضی کے متعلق امام موصوف نے خود ہی وضاحت کر دی ہے کہ وہ سربراہ حکومت کا نائب ہوتا ہے۔ قاضی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے اور عدلیہ میں اس کو اعلیٰ منصب حاصل ہوتا ہے۔ لیکن سربراہِ حکومت سے اس کو اختیارات یا مقام کے لحاظ سے بلند کہنا عقل کی خرابی کا واضح ثبوت ہے۔

علامہ کاسانی کی عبارت کو ہی دیکھئے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرام کو قاضی بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجا۔ اُس وقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حیثیت سربراہِ حکومت کی بھی تھی۔ اور قاضی بننے والے صحابہؓ تھے تو کیا رحمت اللہ کے وضع کردہ قاعدہ کے مطابق العیاذ باللہ ان صحابہؓ کی حیثیت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہو گئی تھی؟ کیونکہ وہ منصبِ قضاء پر فائز ہو گئے تھے۔

اسی طرح قاضی شریح کیا حضرت فاروقِ اعظم، حضرت عثمانِ غنی اور حضرت علی المرتضیٰ سے منصب میں بلند ہو گئے تھے؟ کیونکہ وہ قاضی تھے اور یہ حضرات سربراہِ حکومت تھے۔

نمبر ۲: رحمت اللہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

" اس وضاحت کی روشنی میں فقہ حنفی کی رُو سے رسمی سربراہی، خلافت اور

امامت سے اونچا منصب صرف عہدۂ قضاء (عدلیہ) کا منصب ہے۔ جس پر فائز ہونے والا مملکت کا اعلیٰ عہدیدار متصور ہوگا)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بالکل واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا اشتباہ پیدا کرنے کی گنجائش بھی نہیں لیکن طارق جو تحریف کی قسم کھائے ہوئے ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی شک و شبہ پیدا کر کے باطل پرستی اور محرف ہونے کا ثبوت فراہم کرے۔ حالانکہ امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ یہاں بحث قاضی کی اہلیت سے کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"لان القضاء من باب الولایۃ بل ھو اعظم الولایات وھؤلاء لیست لھم اھلیۃ ادنی الولایات وھی الشھادۃ فلان لا یکون لھم اھلیۃ اعلاھا اولیٰ"

مجنون، بچہ، کافر، غلام، نابینا، قوت گویائی سے محروم اور محدود فی القذف ان لوگوں کی شہادت قبول نہیں۔ حالانکہ شہادت (گواہی) ادنیٰ ولایات سے ہے۔ اس کے مقابلے میں قضا اعظم ولایات سے ہے۔ جو شخص ادنیٰ ولایت (شہادت) کا اہل نہیں۔ وہ اعظم ولایت یعنی قضاء کا کیسے اہل ہو سکتا ہے۔ یہاں پر علامہ نے اعظم کو ادنیٰ کے مقابل ٹھہراتے ہوئے شہادت کے مقابلے میں قضاء کو اعلیٰ اور اعظم فرمایا ہے۔ نہ کہ تمام مناصب حکومت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور عدلیہ میں قاضی کو ہی سب سے بڑا مقام حاصل ہے۔ اور اس میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اس میں تمام مناصبِ حکومت کو شامل کر لینا طارق کا علمی کرشمہ ہے۔ یہ باب آداب القاضی ہے۔ اور یہاں قاضی کی شرائطِ اہلیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ سربراہِ حکومت جس کو علامہ کاسانی خود امامِ اعظم فرما چکے ہیں اور جس کے تقرر کو اختلاف سے بالاتر قرار دیتے ہوئے اس کی فرضیت کا قول کر چکے ہیں۔ یہاں اس کو قاضی سے کم کس طرح ٹھہرا

سکتے ہیں۔ عبارت کے سیاق و سباق اور مقام کے مقتضی سے یہ حقیقت روزِ روشن سے بھی عیاں ہے کہ علامہ کاسانی کا مقصد اس عبارت سے محض یہ ہے کہ شہادت جو ادنیٰ ولایت ہے اس کے مقابلے میں قضاء اعلیٰ ولایت ہے۔ اسی اعلیٰ کو انہوں نے اعظم فرما دیا ہے۔ اب اعلیٰ اور اعظم کے فرق سے طارق کا مقصد اس لیئے حاصل نہیں ہوتا کہ اسی عبارت میں علامہ موصوف نے اعظم کی تعبیر اعلیٰ سے بھی کی ہے۔ جس سے واضح ہو گیا کہ اعظم ادنیٰ کے مقابل ہے اعلیٰ کے مقابل نہیں (فلان لا یکون لہم اھلیۃ اعلاھما اولی) جب مذکورہ عیوب سے متصف شخص ولایتِ ادنیٰ جو شہادت ہے کا اہل نہیں تو ولایتِ اعظم جو قضا ہے اس کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔ اس مختصر وضاحت کے ساتھ طارق کا سارا کھیل تماشہ چوپٹ ہو گیا۔ اور علامہ کی عبارت کو جس طرح اس نے غلط رنگ دینے کی کوشش کی ادنیٰ تامل سے ہی طارق کی چال کے تار و پود ٹوٹ جاتے ہیں۔

تبصرہ

اب میں قارئین کی توجہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس میں انہوں نے تقرریِ امام کو فرض قرار دیا ہے۔ تقررِ امام بلا اختلاف فرض ہے۔ جبکہ تقررِ قاضی اقامتِ فرض کے باعث فرض ہوا ہے۔ قاضی سے جس فرض کی بجا آوری کی ضرورت پیش آتی ہے وہ ضرورت خود امامِ اعظم بھی پوری کر سکتا ہے۔ جیسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین امامت کے ساتھ ساتھ قضاء کے فرائض انجام دیتے تھے۔ لیکن قاضی کے تقرر سے امام کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ قاضی شریح کو حضرت فاروقِ اعظمؓ نے مقرر فرمایا تھا جو بدستور قاضی رہے لیکن ان کی مدت قضاء میں کئی امام بدل گئے۔ اور قاضی امام کے تمام فرائض انجام دینے کی

صلاحیت رکھتا تو قاضی شریح قاضی رہتے اور امورِ مملکت چلاتے رہتے کسی خلیفہ کو مقرر کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور نہ ہی تاریخ اسلام اتنے عظیم صدمات سے دوچار ہوتی۔

کیا طارق و پروفیسر یہ وضاحت کر سکیں گے کہ جب ام المومنین رضی اللہ عنہا قصاص سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا مطالبہ لے کر عراق تک تشریف لے آئیں۔ اس وقت قاضی شریح قاضی تھے یا نہیں؟ اور ان کے علاوہ کتنے اور قاضی مختلف شہروں میں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے یا نہیں؟ اگر قاضی یہ تمام ضرورتیں پوری کر سکتے تو ام المومنین کو اتنی تکلیف اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ اور آج اسی کو حیلہ بنا کر طارق و پروفیسر اور ان جیسے کئی باغیانِ اسلام کیوں ایمان کو خیر باد کہتے۔ اور اس متاعِ لازوال سے تہی دستی ان کا مقدر کیوں بنتی۔

یہ ثابت ہوا کہ قاضی امام کے فرائض میں سے بعض میں اس کا نائب اور معاون ہوتا ہے اور وہ عدل و انصاف ہے۔ ظالم سے مظلوم کو حق دلانا اور اس کا احکام شرع کے مطابق جبر نقصان ہوتا ہے۔ جبکہ امام کے فرائض قاضی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ اور ان کا دائرہ بہت وسیع ہے

افواج کی ترتیب، سرحدوں کی حفاظت، ظالموں اور فسادیوں کا استیصال امن و امان کی کیفیت ملک میں برقرار رکھنا، اندرونی اور بیرونی دشمنوں اور خطروں کا مقابلہ اور ایسے بے شمار دیگر فرائض ہیں جو خلیفہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اسی لیئے خلیفہ (امیر۔ امام) کا تقرر تمام معاملات سے مقدم ہوتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دفن سے بھی تقرر امام کو اہمیت دی اور آئندہ کے لیئے بھی یہی حکم ہے کہ جب مسندِ خلافت خالی ہو جائے تو سب سے پہلا کام امت کا یہی ہے کہ بلا تاخیر امام کا تقرر کریں جسطرح

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ طارق پروفیسر کی قاضی کو امام سے منصب کے لحاظ سے بلند ثابت کرنے کی ساری تگ و دو محض اس لئے ہے کہ قاضی کی شرائط اہلیت میں احناف نے نرمی سے کام لیا ہے اور عورت کو بھی قاضی کے طور پر مقرر ہونے یا فیصلہ کرنے کا مشروط حق دیا ہے کہ جن معاملات میں عورت شہادت کی اہلیت رکھتی ہے ان میں وہ قاضی بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ حدود و قصاص میں عورت کی شہادت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان میں وہ قاضی کے فرائض انجام دینے کی اہل بھی نہیں ہوگی۔ احناف کی اس قید کو طارق نے اپنی تمام مساعی کو تباہ ہونے کی وجہ سمجھتے ہوئے آگے چل کر فقہاء پر دل کا خوب غبار نکالا ہے۔ اور فرضی سوال و جواب سے اس حکم کو رد کرنے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ لیکن علاّمہ کاسانی کی دو عبارات سے طارق کو جو خوشی حاصل ہوئی تھی اور ان کو جس طرح طارق نے اپنے مذموم مقصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر وہ واقعۃً ان کو حق سمجھ کر حوالہ دے رہا ہے تو مصنف بدائع حضرت علاّمہ کاسانی کا وہ شکریہ ادا کرتا نہ کہ اپنی ناپاک زبان احناف کے متعلق دراز کرتا۔ اس مجرمانہ ذہنیت سے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان لوگوں کو طلبِ حق کی خواہش نہیں۔ بلکہ وہ تو کسی نہ کسی طرح اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں اور قاضی اور امام کے منصب و ذمہ داریوں کو گڈ مڈ کرکے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب عورت قاضی بن سکتی ہے تو امام کیوں نہیں بن سکتی۔

ہم متعدد حوالوں سے اور علمِ کلام اور فقہ کے آئمہ کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ امامت کے لیئے ذکوریت شرط ہے۔ قضاء کے متعلق بھی صرف احناف نے عورت کے قاضی بننے کی اجازت دی ہے۔ جبکہ باقی تمام آئمہ نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

احناف نے عورت کی قضا کو مشروط طور پر کیوں جائز قرار دیا

آئمہ علم کلام کے خیالات اور تحقیق آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس میں بنیادی عنصر کے طور پر عورت کی امامت کے عدم جواز کے لیئے جن احکام کو مرکزیت حاصل رہی اور سب کی تحقیق جن نکات کے گرد گھومتی رہی وہ :

۱۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ۔" اور ارشادِ ربانی : "وَقَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ"، احکام پردہ، ناقصات العقل والدین کی حدیثِ پاک وغیرہ دلائل تھے۔ احناف نے جس طرح علامہ کاسانی کی تحقیق سے بھی واضح ہو چکا ہے، عورت کی قضاء کو مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ قضاء اور امامت دو مختلف منصب ہیں اور ان کی مختلف ذمہ داریاں ہیں۔ قاضی پر حدیث لن یفلح کا اطلاق اس وجہ سے نہیں ہوتا۔ احکامِ پردہ کا خلاف بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ قاضی کے فرائض میں دوڑ دھوپ، سرحدوں پر جانا، جنگ کرنا وغیرہ شامل نہیں ہوتے۔ لہٰذا عورت قاضی بن جائے تو اس کے فرائضِ منصبی پردے کے منافی نہیں ہیں۔ لہٰذا احکامِ پردہ پر وہ آسانی سے عمل کر سکتی ہے "قَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ" میں گھر سے باپردہ ضرورت اور حاجت کے لیئے نکلنے کی اجازت ہے تو قضاء کی ذمہ داری بھی ایک حاجت اور ضرورت کی حیثیت رکھے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ منصبِ قضاء کا اہل مرد موجود نہیں ہوگا۔ اس لیئے بصورتِ مجبوری عورت کو قاضی بنایا گیا۔ کیونکہ وہ تو بے شمار احکام جو حدود و قصاص کے ضمن میں آتے ہیں ان کے فیصلے کرنے کی اہل نہیں۔ آدھے اختیارات کی مالک کو بصورت مجبوری ہی اس منصب پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ تو اسی مجبوری نے اس کو گھر سے نکل کر

قاضی کی عدالت تک آنے کی سہولت بھی بہم پہنچائی۔ لیکن ان تمام کے باوجود بھی قاضی عورت ناقصات العقل والدین کی زد میں رہے گی۔

ناقابلِ تردید حقیقت

سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے علم وفضل کے دنیائے اسلام میں ڈنکے بج رہے ہیں جلیل القدر صحابہ کرام بھی مسلمانوں کی ماں سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ اور کاشانۂ محبوب ربُّ العالمین، اُمّ المومنین کی عمرِ شریف تک علم وعرفان کا بے مثل وبے مثال مرکز بنا رہا۔ باایں علم وفضل، اور روایت ودرایت تخریج مسائل اور رہنمائی امت کے باوجود بھی منصبِ قضاء پر نہ تو فائز ہوئیں اور نہ ہی آپ کو قاضی بنایا گیا۔ اور رسمی قاضی کی حیثیت میں بھی آپ نے کوئی احکام جاری نہیں فرمائے۔ اور منصبِ امامت پر اگر عورت فائز ہو سکتی تو حضور علیہ السلام کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا یا حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے زیادہ کون مستحق تھا۔ خلفائے راشدین تمام فضائل ومناقب کے باوجود بھی حضور کریم کی شریکِ حیات یا آپ کی صاحبزادی سے زیادہ نسبی اعتبار سے آپ کے زیادہ قریب نہ تھے۔ جو قرب ان دو پاکیزہ ہستیوں کو حاصل تھا۔ بابِ میراث میں احکامِ ربانی سے واضح ہے۔ لیکن اس کے باوجود تمام امّہات المومنین میں سے کسی ایک کو یا حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو منصبِ خلافت پر کیوں فائز نہ کیا گیا۔ یا ان پاکیزہ ہستیوں نے اپنے حق کے لئے آواز کیوں بلند نہ کی۔ آج تک تمام اختلافات اور مختلف روایات اس چیز کی نشاندہی تو کرتی ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ اوّل نہ بنائے جانے کا شکوہ تھا لیکن ایک بھی معتبر روایت اس سلسلہ میں کوئی بھی شخص دکھانے

کی ہمت نہیں کہ سکتا کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا یا امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے کسی نے بھی خلافت کا دعویٰ یا خواہش ظاہر کی ہو۔ اِن نفوسِ قدسیہ سے بہتر شریعتِ مطہرہ کو کون جانتا تھا۔ وہ عورت کی امامت کو ناجائز سمجھتی تھیں۔ اس لیئے اس سلسلہ میں ان سے ایک لفظ بھی منقول نہیں۔ اور اسی طرح صحابۂ کرام جو ایک لاکھ سے زائد تعداد میں اس وقت موجود تھے کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی۔ اگر اسلام میں عورت کی سربراہی کو جائز سمجھا جاتا یا اس کے متعلق کوئی ادنیٰ جواز بھی موجود ہوتا تو کسی نہ کسی طرف سے کوئی تو آواز اٹھی ہوتی لیکن صحابہ وصحابیات کے اس عظیم اجماع نے اس مسئلہ کو اجماعی شکل دے دی۔ یہ وہ سکوتی اجماع تھا جس نے اس حقیقت کو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا اور مشککین اور منافقین کی سازشوں سے محفوظ ومامون کر دیا۔ عورت کے لیئے ایسی چیزوں جس کی وہ اپنی جسمانی کمزوریوں اور شرعی پابندیوں کے باعث اہل نہیں ثبوت اور اس کا اُسے مکلّف بنانا اُسے تکلیف ما لایطاق سے دوچار کرنا ہے۔ اور یہ عورت کے ساتھ سخت زیادتی ہے۔ اور ایسا کرنے والے صنفِ نازک کے خیر خواہ نہیں بلکہ بدخواہ ظالم اور جاہل ہیں۔ عورت اور مرد کے جُداگانہ حقوق وفرائض ہیں۔ اگر مرد کو عورت کے لیئے اللہ تعالیٰ نے حاکم کی حیثیت دی ہے اور اس کو عورت کی تادیب کا اختیار سونپا ہے تو دوسری طرف اُسے عورت کے نان ونفقہ، گھر کے تمام اخراجات مہیّا کرنے اور عورت کو تمام سہولتیں فراہم کرنے کا پابند بھی بنایا ہے۔ عورت کو ایک انتہائی ذمہ داری کا کام تفویض فرمایا ہے۔ اور وہ نسلِ انسانی کی افزائش واصلاح ہے۔ عورت کو گھر میں رہ کر بچے جنم دینے اور ان کی تربیّت کا کام سونپا گیا ہے۔ واضح ہے کہ یہ اتنی مشکل ذمہّ داری ہے کہ اس کو کماحقہٗ ادا کرنے کی صورت میں اتنے وقت کا

پر بچ جانا کہ وہ کوئی اور اہمیت کا کام بھی سرانجام دے سکے۔ فوج کی ملازمت فیکٹریوں کی ملازمت، پولیس کی ذمہ داریاں، یہ سب کچھ اس خاتون کے لئے کیسے ممکن ہیں خصوصاً جبکہ اس کی گود میں ایک یا دو ماہ کا بچہ موجود ہو۔ مدتِ حمل کی تکالیف، اس کے بعد زچگی کے ایام اور پھر ڈھائی سال تک رضاعت کا عرصہ۔ اور پھر سب سے اہم کام بچے کی تربیت، ذہنی نشوونما اور ہر قسم کے آداب سکھانے کا عرصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر بچے کی تعلیم ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے۔ اور پہلا معلم ماں ہے۔ جس ماں نے بچے کی اچھی تربیت کی اُسے ابتدائی طور پر لکھنا، پڑھنا سکھایا، اُسے حصولِ علم کی اہمیت سے روشناس کرایا، اس میں تعلیم کا شوق پیدا کیا۔ گندی محفلوں سے دور رہنے کا جذبہ بیدار کیا، ایک اچھا مسلمان مرد بننے کا شوق دلایا تو واضح ہے کہ وہ بچہ معاشرہ میں ایک قابلِ جوہر بن کر اُبھرتا ہے اور ماں کی اعلیٰ ہدایات کے مطابق اعلیٰ صلاحیتیں حاصل کر کے ملک و قوم کی بہترین خدمات انجام دیتا ہے۔ لیکن ایسی مائیں جو اپنے بچوں کو جنم دینے کے فوراً بعد یا تو کسی آیا کے سپرد کر دیتی ہیں یا پھر انہیں خواب آور گولیاں کھلا کر جھولوں میں ڈال کر خود فیکٹریوں کا رُخ کرتی ہیں۔ ان کی اولادیں ہمیشہ معاشرہ کے لیئے بار بن کر اُبھرتی ہیں۔ ایسی نسلیں جو ماں کی مامتا اور تربیت اور بہترین رہنمائی سے محروم ہو جاتی ہیں وہ پھر ایسی ہی بن سکتی ہیں۔

آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں کو اگر قومی اور اسلامی شرم و حیا دامنگیر نہیں، اگر وہ غیرت و شرافت کے احساسات سے تہی دامن ہیں، ان کی حمیت اگر ناکارہ ہو چکی ہے، نیک و بد، خیر و شر میں تمیز ان کے بس کی بات نہیں رہی تو یہ ایک علیحدہ سانحہ ہے ورنہ اگر انہیں چوپایوں اور درندوں جتنی بھی تمیز و غیرت ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ غیر ذوی العقول جو صرف شعور رکھتے ہیں وہ بھی اپنی مادہ کے خصوصی حالات اور فطری مقتضیات

کا کسقدر خیال رکھتے ہیں اور اُن پر کتنی غیرت کھاتے ہیں۔ اللہ دوزین قسم کے جانور۔ لیکن انسان ذی عقل درائے صاحب علم وفضل اور اشرف المخلوقات ہو کر ایسی عامیانہ اور جاہلانہ باتیں کرے تو اس کو کسی طرح زیب نہیں دیتیں۔

ماں بہت محترم ہے۔ بہت عزیز ہے۔ دنیا میں خون کے رشتوں میں ماں سے زیادہ عزیز کوئی ذات نہیں۔ لیکن کیا کوئی غیور بیٹا یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی ماں فیکٹریوں میں ماری ماری پھرتی رہے اور روزی کمائے اور اس کی جوان اولاد اس کی کمائی اور محنت ومشقت سے لائی ہوئی روٹیوں سے جہنم بھر کر عزت مند بیٹا کہلواتا پھرے۔ کیا "تھیا کریسی" بے غیرتی کے کالج کی فلکہ کا نام ہے۔ کیا "تھیا کریسیٹ" شرم وحیا، ادب واحترام کی تعلیم سے محروم اور احساسات سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ کیا صرف ان کے نزدیک دولت اکٹھی کرنا ہی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ وہ سونا چاندی ہی جمع کرنے اور عیش وعشرت میں ڈوبے رہنے کو زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ مغربی عورت کے لیئے مزید آزادی کے طالبوں کو پہلے مغرب میں جا کر ایک نظارہ تو کر لینا چاہیئے کہ نفوطِ آزادی نے صنفِ نازک کی کیا گت بنا رکھی ہے۔ کیا انہیں نہیں معلوم کہ وہاں حسب ونسب کی تمام قیود ختم ہو چکی ہیں۔ اور ان کی ترقی اپنی انتہا کو اگرچہ نہ پہنچی ہو مگر حالت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت بھی پناہ مانگتا نظر آتا ہے۔ وہاں کی اکثریت کو اپنے باپ کا علم نہیں۔ ام الخبائث (شراب) سے ہر وقت مدہوش رہنے والے اور سٹہ کوں، ویرانوں، کھیتوں اور عالے کہاں کہاں جانوروں کی طرح عزت نیلام کرنے والے وہ مغربی اور کئی افریقی و ایشیائی ممالک کے باشندے جو سڑکوں پہ رات بھر غیرت کا نیلام کر کے سو جاتے ہیں اور صبح اس برہنگی کی حالت میں پولیس والے آ کر انہیں اٹھاتے ہیں۔

جائزہ

کیا یہ "تھیا کریسیٹ" ملک میں ایسے ہی معاشرے کے لیئے بے چین ہیں۔ ایسی یورپی لڑکیوں کو یہ ایسے عزت مندوں نے کبھی افریقہ کے سمندروں کے ساحل پر نہیں دیکھا جو فطری اور پیدائشی ننگوں کی طرح لباس کے ایک چیتھڑے سے بھی عاری نوجوانوں کے پیچھے دوڑ رہی ہوتی ہیں۔ کیا یہ اسلام کے نام نہاد علمبردار یہاں بھی یہی چلن چاہتے ہیں۔

ان کے خیال میں یہی عورت کی آزادی ہے اور یہی روشن خیالی جس کیلئے وہ مُرغِ بسمل اور ماہئ بے آب کی طرح مضطرب ہیں۔ ان کے فکری اور اندرونی اضطراب نے ہرسُو معاشرے کی بنیادیں اکھیڑنے کی قسم کھا رکھی ہے جو معاشرہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے سوادِ ارض پر فخرِ آدم نبیٔ اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے تشکیل دیا۔ جس کی بنیادیں ہزاروں پاکیزہ خواتین کی قربانیوں سے استوار ہوئیں۔ جس کی تعمیر میں ام المومنین حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت حفصہؓ جیسی پاکیزہ خواتین کا انقلابی عمل شامل ہے۔ جس کو زیب و زینت حضرت حمزہؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے خون سے ملی۔ جس کی نگہداشت و استقامت کیلئے حضرت عمرؓ کی حیات کے بیشمار لیل و نہار صرف ہوئے اور بیشمار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خون اس کی نشوونما کے کام آیا۔ آج کے "تھیا کریسیٹ" نام نہاد بلکہ ننگِ اسلام لوگ اسی معاشرے کے حصنِ حصین کی بنیادوں میں سوراخ ڈالنے کے درپے ہیں۔ وہ اسی کے در و دیوار سے شہداء صحابہ کے خون کی رنگینی

اندر چمک دمک کو کھرچنے میں مصروف ہیں۔ وہ پھر سے دورِ جاہلیت کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ اسلام میں انہیں تنگی بھی نظر آتی ہے اور تنگ نظری بھی۔ اسلامی معاشرے کے پیروکار انہیں نقیبانِ جہالت نظر آتے ہیں۔ ایسی مادر پدر آزادی اور پدری تقلید سے چھٹکارا پانے کے متمنی تمام زورِ قلم اور تحریری انداز اس لئے استعمال کر رہے ہیں کہ انہیں بنوت کی شناخت سے قلبی اضطراب لاحق ہوتا ہے اور اس طرح اس خمیر کا امتزاج انہیں پسند نہیں جس میں تنوّع نہ ہو۔ خواتین کو اپنے ایسے عقل و دین سے تہی دست خیر خواہوں سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کی تمام مساعی عورتوں سے خیر خواہی کے نتیجہ میں نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا مشن تو صرف بے دینی کو رواج دینا ہے اور دینِ متین کی جڑیں کھوکھلی کرنا ہے۔ کیونکہ ایسی اولاد جو ماں باپ کی شفقت سے محروم رہتی ہے۔ اس کے دل میں کبھی ماں باپ کی محبت راسخ نہیں ہوتی۔ اکیلے گھر میں جبکہ ماں ملازمتوں میں مصروف ہوتی ہے روتے روتے تھک کر سو جانے والے بچے ماں باپ کے بڑھاپے کا کبھی سہارا نہیں بنتے۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ قرآنِ عظیم نے صاف طور پر بیان کیا کہ یہ انعام ماں کو اس کی اُن تکالیف کے انعام کے طور پر دیا گیا ہے جو وہ بچے کی پیدائش اور اس کی تربیت میں برداشت کرتی ہے۔

"وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۚ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ۔"

ترجمہ: اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے شکم میں اٹھائے رکھا ہے اُسے اُس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود۔ اور اس کا دُودھ چھوٹتے میں دو سال لگے۔ اس لئے ہم نے حکم دیا ہے کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

"وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ط

ترجمہ: اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اُس کے۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائیں تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اُف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو۔ اور جب اُن سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو۔ اور جھکا دو اُن کے لیئے تواضع وانکسار کے پر رحمت (ومحبت) سے اور عرض کرو "اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما۔ جس طرح انہوں نے (بڑی محبت وپیار سے) مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا۔

بڑھاپے میں بالخصوص والدین کی محبت ورحمت کا حکم اسی لیئے دیا گیا ہے کہ اُس وقت والدین کو اولاد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسی لیئے حکم فرمایا کہ ان کے لیئے بایں الفاظ دعا کرو کہ "یا اللہ! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے محبت سے پالا تھا جب میں بچہ تھا۔ میرا اُس وقت عجز اور کمزوری بچہ ہونے کے اعتبار سے تھی۔ میری کمزوری اور لاچاری کے وقت انہوں نے مجھ پر رحم کیا۔ اور اب بڑھاپے کے باعث ان کی کمزوری اور عاجزی کا وقت ہے۔ میں بقدرِ استطاعتِ انسانی ان کی خدمت میں لگا ہوا ہوں اور تو بھی میرا مددگار بن جا۔ تو بھی ان پر رحم فرما تاکہ میں اپنے اس فرض سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہو سکوں۔"

یہ ہے وہ بنیادی نکتہ جس کی مزید وضاحت کے لیئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت ماں کے قدموں تلے ہے"۔

لیکن متھیا کریسی کا علماء کو الزام دینے والے فی الواقع تھیا کریسٹ اور انسانی قدروں کو پامال کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ وہ عورت کو اس کے بنیادی فرائض سے ہٹا کر اسے دفتروں کی زیب و زینت بنانے کی فکر میں سرگرداں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو اپنا بنیادی فرض ادا کرنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مرد پر لازم کر دیا ہے کہ وہ عورت کی تمام ضروریات کو پورا کرے گا۔ تاکہ اس کی اور اس کے بچے کی صحت پر کوئی مضر اثر نہ پڑے۔ بچے کی پرورش میں اُسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تاکہ بہتر تربیت سے ماں بیٹے میں خلوصیت اور یگانگت نقطۂ عروج تک پہنچ جائے اور یہی جذبات اُسے والدین کے ضعف کے وقت ان کی اطاعت شعار بنا دیں۔ اور ان کی زندگی کے آخری دن آرام سے گزر سکیں۔ لیکن یہ روشن خیال مغربی تہذیب کے پرستار یہ چاہتے ہیں کہ خواتین روپے پیسے جمع کرنے کی دوڑ میں شامل ہو کر بچوں کی تربیت کو نظر انداز کر دیں۔ اور یہ بچے جوان ہو کر اپنے بوڑھے اور محتاج والدین کو سرکاری قید خانوں میں جمع کر کے ان سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ کیا اِن روشن خیالوں نے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لیئے ترقی یافتہ ممالک میں بورڈنگ نہیں دیکھے جن میں وہ اپنی روشن خیالی کی سزا اسی زندگی میں بھگت جاتے ہیں۔ اور وہاں اپنی زندگی کے آخری ایام انتہائی کسمپرسی کے عالم میں گزارتے ہوئے ایک دن یوں جان دے دیتے ہیں کہ صبح اٹھ کر دیکھنے پر کوئی نہ کوئی موت کی آغوش میں یوں جا چکا ہوتا ہے جس کے نہ ہاتھ پاؤں سیدھے کرنیوالا اور نہ ہی اُسے آلائشوں سے صاف کرنیوالا کوئی ہوتا ہے۔ بھنگیوں کے حوالے کر کے اُسے ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے۔ اگر روشن خیالوں نے ترقی یافتہ ممالک میں ایسے بورڈنگ نہیں دیکھے تو ترقی یافتہ اقوام کے کچھ ایسے مراکز پاکستان کے بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ خصوصاً لاہور میں علامہ اقبال روڈ پر جا کر اس

ترقی کے ضمنی مفہوم سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔

اسلام نے انسانی عظمت کو بہر حال قائم رکھنے کے لئے ایسے قواعد وضع کئے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے انسانی عظمت قائم رہتی ہے۔ اور عدل و انصاف محبت اور اخوت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ خواتین اگر ایسی تنظیموں کی حقیقت پر غور کریں جو آزادیٔ نسواں کی علمبردار بنی ہوئی ہیں۔ تو خواتین پر ان کی فکر اور سوچ کی کجی خود بخود واضح ہو جائے گی اور پھر خواتین کبھی بھی ان کو اپنا خیر خواہ نہیں سمجھیں گی۔ عورت کی جسمانی ساخت، اسے پیش آنیوالی ماہانہ تکلیف، حمل کی صورت میں دس ماہ یا کم و بیش مسلسل تکلیف اور اس کے بعد زچگی کی تکلیف اور پھر بچے کی تربیت، اس کی صفائی، اس کے کپڑوں کی بار بار دھلائی اور اس نرم و نازک جان کی صحت کا ہر طرح سے خیال رکھنا کیا کوئی کم مصروفیات ہیں کہ انہی مصروفیات اور تکالیف کے پیش نظر اسلام نے اسے گھر بیٹھے اور آرام سے زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کئے ہیں۔ مرد کو محنت و مشقت کر کے عورت کو تمام ضروریات زندگی فراہم کرنے کا پابند بنایا ہے۔ تاکہ عورت کو پریشانی کا سامنا نہ ہو۔ لیکن یہ نام نہاد خیر خواہ چاہتے ہیں کہ عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ محنت و مزدوری کرے۔ ٹوکری اٹھائے۔ ہل چلائے، پھاوڑے مارے، یخ بستہ راتوں میں فصلوں کو پانی لگائے۔ پولیس میں شامل ہو کر چوبیس گھنٹے مجرموں کے پیچھے دوڑتی پھرے یا پھر فوج میں شامل ہو کر سیاچن گلیشئر فتح کرے یا میدان جنگ میں قتل ہو کر بے پردہ و بے آبرو ہو یا قیدی ہو کر اپنی متاع عزیز سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ فیکٹریوں میں آٹھ دس گھنٹے تک ایک مشینی پرزہ بن کر روپیہ کمائے یا دفتروں میں غیر محرموں کے ساتھ مل کر کام کاج کرے۔ اور حسن پرست نظروں کا شکار بنی رہے۔

کیا یہی خیر خواہی ہے ؟ کیا یہی حقوقِ نسواں ہیں ؟ کیا یہ ظلم نہیں ؟ کیسے صنفِ نازک پر یہ دوہری اور تہری ذمہ داریاں نہیں ؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ حقوق ہیں یا ظلم۔ ایک طرف اس کے بنیادی فرائض اور تکالیف اور دوسری طرف حقوقِ نسواں کے نام پر تہذیبِ جدید کا سہارا لے کر عورت کے ذمہ معاشی کفالت۔ کیا کسی عورت نے سوچا ہے کہ یہ خیر خواہی عورت کی ہے یا مرد کی ؟ غور و فکر سے کام لیں۔

تخلیقی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے ذہنی و جسمانی سکون بھی حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی تسکین بقائے نسل کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ ایسی خواہشات کو انسانی زندگی میں شامل نہ کیا جاتا تو کوئی مرد کسی عورت کو صرف بقائے نسل کا فریضہ ادا کرنے کے لیے شاید ہی اپنے عقد میں لیتا۔ اور محض بقائے نسل کا جذبہ شاید مرد کو اتنی ذمہ داریاں اور بوجھ برداشت کرنے پر آمادہ نہ کر سکتا۔ اور اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر ایک نیا گھر بسانے اور دیگر نسوانیت کی جملہ تکالیف برداشت کرنے پر شاید ہی کوئی عورت قربانی دیتی۔

ربِ ذوالجلال کے اس قانون پر غور کرنے کے بعد معلوم یہ ہوتا ہے کہ عورت اور مرد جب شرعی عقد میں منسلک ہو کر میاں بیوی کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں۔ اب انہیں ایک دوسرے کی ضروریات و خواہشات کا احترام ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ ان دونوں میں سے کوئی خواہشات و ضروریات کی عدم تکمیل کے باعث غلط راستہ پہ نہ چل نکلے۔ اور حرام کاری کا مرتکب نہ ہو جائے۔ جو درحقیقت حسب و نسب کے امتیاز

کا باعث ہوتی ہے۔ اور حرام کاری اس لئے بھی سخت گناہ ہے کہ حسب و نسب ضائع ہو جاتا ہے اور شرم و حیا ختم ہو جاتا ہے۔ زوجین کی خواہش کے اس احترام کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تقویت یوں بخشی ہے کہ:

"جس عورت کو مرد نے رات ہمبستری کے لئے بلایا اور اس نے بلا وجہ انکار کر دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"

ایسی خواتین جو گھروں میں رات کو موجود نہ ہوں وہ سرحدوں پر برسرِ پیکار ہوں یا فیکٹریوں اور کارخانوں میں رات کی ڈیوٹی کر رہی ہوں اور مرد اپنی خواہش کے ہاتھوں پریشان ہو رہا ہو۔ ایسی صورتِ حال کو روشن خیال کیسے جواز عطا کریں گے۔ اور اس قسم کے احکاماتِ شرعیہ کا کیا جواز ہوگا؟

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے تاریک باطن محض حرام کاری کو رواج دینے کے لئے خلافِ شرع کوششوں میں مصروف ہیں۔ تاکہ بدی و بدکاری کے تمام راستے کھول کر معاشرے کو تباہی و بربادی کا شکار کر دیا جائے۔ تعجب ہے کہ ایسے نام نہاد مفکرین کی مائیں، بہنیں، بیویاں اور بیٹیاں نہیں کہ اس بیدردی سے وہ معاشرے کو فسق و فجور کی آماجگاہ بنانا چاہتے ہیں۔ کیا ان کی جلائی ہوئی آگ سے ان کے گھر محفوظ رہ سکیں گے۔

؎ چرا کارے کند عاقل کہ بعد آید پشیمانی

عورت امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں

امامت کی اقسام امامت کی دو قسمیں ہیں۔ جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ صفحہ ۴۰۴ پر بیان فرماتے ہیں۔

(باب الامامت)

ھی مصدر قولک فلان ام الناس صار لھم اماما یتبعونہ فی صلوٰتہ فقط او فیھا وفی اوامرہ ونواھیہ والاول ذو الامامۃ الصغریٰ والثانی ذو الامامۃ الکبریٰ۔

(باب امامت)

امامت مصدر ہے اس قول کی کہ فلاں نے لوگوں کی امامت کرائی یعنی ان کا امام بن گیا، نماز میں اس کی اتباع کرتے ہیں فقط، یا نماز اور اس کے علاوہ اس کے احکام امر و نہی یعنی کسی کام کے کرنے کا حکم دے تو لوگ اسے کرتے ہیں اور کسی سے منع کرے تو باز رہتے ہیں، پہلی قسم (فقط نماز کی امامت) امامت صغری ہے اور دوسری قسم امامت کبریٰ ہے۔

امامت صغریٰ، نماز باجماعت کے لیے ہوتی ہے اور نماز کی جماعت سنّت موکدّہ ہے۔ اس طرح امامت صغریٰ میں امام کا تقرر سنّت مؤکّدہ کی ادائیگی کے لیے ہو گا۔ لہٰذا اس قسم میں نصب امام کا حکم بھی سنّت موکّدہ کا ہو گا۔ جبکہ امامت کبریٰ کے لیے نصب امام اہم واجبات سے ہے اور امامت کبریٰ کے لیے نصب امام بیشمار واجبات کی ادائیگی کے لیے عمل میں آتا ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ نصب امام

یا تو فرض کفایہ ہے یا فرض عین ہے بہرحال اس کی فرضیت میں کوئی شک نہیں.
کیونکہ فرض کفایہ بھی فرض عین کا حکم رکھتا ہے. لیکن بجا آوری کی صورت میں اگر
اسے بعض افراد نے ادا کیا ہے تو باقی سے ساقط ہو جائے گا لیکن عدم ادائگی تک
تمام لوگوں پر فرض رہے گا اور عدم ادائیگی کی صورت میں تمام لوگ تارک فرض اور
گناہ گار ہوں گے. فرض عین کا تعلق تمام لوگوں سے ہوگا اور جس نے بھی اسے ادا نہ
کیا وہ تارک فرض اور گناہ گار ہوگا۔ اگر کچھ لوگ اسے ادا کر دیں تو بھی باقی سے ساقط
نہیں ہوگا۔ [1]

اس وضاحت کی روشنی میں ثابت ہوا کہ امامت کبریٰ، امامت صغریٰ سے بہت
اہم ہے (جیسا کہ نام سے بھی واضح ہے)، اس لیے امامت کبریٰ کا اہل امامت صغریٰ
کا بدرجۂ اولیٰ واتم اہل ہوتا ہے۔

جبکہ صرف امامت صغریٰ کی اہلیت امامت کبریٰ کے لیے ناکافی ہے۔ نماز باجماعت
کا ہر امام امیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جبکہ ہر امیر نماز باجماعت کی امامت کا اہل
ہوتا ہے۔

امامت صغریٰ، جس کی شرائط اہلیت امامت کبریٰ سے کمتر ہیں۔ عورت اس کی
بھی اہلیت نہیں رکھتی، چہ جائیکہ وہ امامت کبریٰ کی اہل ہو۔

عدم صلاحیت اور عدم جواز کے باوجود اگر عورت کو ملک کا سربراہ بنا دیا جاتا
ہے تو اس کی سربراہی شرعی طور پر شرائط کے فقدان کے باعث چونکہ ناجائز ہوگی اس
لیے اس ملک کے مسلمانوں پر نصب امام کا فرض یوں ہی باقی رہے گا اور جب تک
وہ تمام شرائط کے ساتھ مشروط اور متصف امام مقرر نہیں کر دیتے بدستور تارک فرض

---

[1] تفصیلات کے لیے ہماری کتاب "مغربی پارلیمانی طریق انتخاب علماء امت کی نظر میں" ملاحظہ فرمائیں.

اور گناہ گار رہیں گے۔

یہاں پر امامتِ صغریٰ کی بحث کرنے اور اس سے امامتِ کبریٰ کے عدم جواز پر استدلال کرنے کو کچھ لوگ صحیح نہیں سمجھتے اور وہ اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں کہ امامت صغریٰ سے امامت کبریٰ پر کیوں استدلال کیا جاتا ہے ان کی یہ روش قطعاً اصول وقواعد کے منافی ہے ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہوتا ہے۔ مقسم کی اقسام کے لیے سب سے پہلے پہلی قسم کے متعلق تحقیق ہوتی ہے۔ جبکہ اقسام میں بھی مماثلت ہو تو پہلے اوّل اور ادنیٰ کے احوال وشرائط کو دیکھا جائے اس پر پورا اترنے اور ان صفات سے متصف ہونے کے بعد موصوف کو اس سے اعلیٰ کے معیار پر پرکھنے کی ضرورت پیش آئے گی جو پانچویں کلاس کے امتحان دینے کی اہلیت نہ رکھتا ہو، اس سے دسویں کلاس کا امتحان لینا ممتحن کی دانش مندی نہیں ہوگی۔ اس لیے جب ان دونوں اقسام کی کچھ شرائط مساوی ہیں تو ان کا ایک دوسرے سے ربط لازمی امر ہے جسے کسی طرح بھی نہ تو ختم کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے صرفِ نظر ممکن ہے۔ مقسم۔ اس کی اقسام، اور ان کا ایکدوسرے سے تعلق اور ایکدوسرے کے احوال پر اثرات سے بحث ضروری ہے۔ جس سے ان کے سمجھنے میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے اور چونکہ ان دو اقسام میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے اس لیے ہر ایک قسم کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہے۔

اب معترض کا یہ اعتراض کہ امامت کبریٰ کی بحث میں خواہ مخواہ بلاوجہ بلادلیل امارۃ المرأۃ کے جواز کے منکرین امامت صغریٰ کی بحث چھیڑ دیتے ہیں۔ لایعنی اور غلط قرار پاتا ہے اور اس اعتراض سے جواز کے قائلین کے استدلال کا ضعف اور بطلان واضح ہو جاتا ہے۔

عورت امامت صغریٰ کی کیوں اہل نہیں ؟

عورت کا امامت صغریٰ کے لیے اہل نہ ہونا کئی وجوہات کی بنا پر ہے ان میں سے کچھ کی ہم نشاندہی کر دیتے ہیں اور ان کی تشریح و توضیح کے لیے کچھ حوالے بھی ذکر کر دیتے ہیں تاکہ ان کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ا : عورت امامت صغریٰ کی اس لیے اہل نہیں کہ امامت صغریٰ کے لیے بھی ذکوریت (مرد ہونا) شرط ہے۔

ب: عورت کا مقام و مرتبہ مرد سے کم ہے اس لیے ادنیٰ کی اعلیٰ کے لیے امامت صحیح نہیں ہوگی۔

ج : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے " اخروھن من حیث اخرھن اللہ " عورتوں کو پیچھے رکھو اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے رکھا ہے۔

د : عورت کے لیے پردہ لازم ہے امامت کی صورت میں وہ باقی نہیں رہ سکتا یہی وجہ ہے کہ عورت اگر عورتوں کی امام بنے تو اس کے لیے بھی یہ حکم ہے کہ وہ صف کے درمیان کھڑی ہو اور آگے کھڑی نہ ہو کیونکہ اس میں بے پردگی ہے اور صف کے درمیان کھڑے ہونے سے پردے کا تحفظ بہتر طور پر ہو سکتا ہے۔

ہ : عورتوں کو مردوں کے ساتھ اختلاط سے منع کیا گیا ہے۔ امامت کی صورت میں امامہ کا مردوں سے اختلاط ہونا لازمی ہے۔ اس لیے عورت کی امامت ممنوع ہے تاکہ غیر محرموں کے ساتھ اختلاط سے بچ سکے۔ کیونکہ اگر عورت اور مرد امام کے پیچھے ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو عورت کے ساتھ کھڑے

ہونے والے مردوں کی نماز اختلاط اور امکاناتِ شہوت کے باعث فاسد ہو جاتی ہے

و : عورتوں کو نماز با جماعت میں صفوں کی ترتیب میں سب سے پیچھے رکھا گیا ہے تاکہ وہ مردوں سے دور تر ہوں تاکہ ان کے دلوں میں کوئی فاسد خیال جنم نہ لے سکے جو بطلان صلوٰۃ کا باعث بن جائے۔

ز : نماز میں چونکہ عورت کو چہرہ کھلا رکھنا ہوتا ہے اس لیے امامت کی صورت میں فساد کے زیادہ امکانات ہیں، کیونکہ نمازیوں کی توجہ امام کی طرف ہونا بدیہی امر ہے۔

ح : عورتوں کو امامت کی صورت میں جبکہ وہ عورتوں کی امامت کرا رہی ہو تو صف کے درمیان کھڑا ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اگر آگے امام کے مقام پر کھڑی ہوتی ہے تو اس میں بے پردگی ہو گی، لیکن صف کے درمیان کھڑا ہونے سے بے پردگی تو نسبتاً کم ہو گی، لیکن ترک واجب لازم آ جائے گا اور وہ ترک واجب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امامت کی حالت میں ہمیشہ پہلی صف سے آگے کھڑے ہوئے اس عمل پر حضور علیہ السلام کی مواظبت کے باعث امام کا مقام متعیّن ہو گیا اور اس مقام پر امام کا کھڑا ہونا واجب ہو ہو گیا ہے۔ جب عورت اس مقام کو چھوڑ کر صف کے وسط میں اور عورتوں کے برابر کھڑی ہو گی تو یہ ترک واجب لازم آ جائے گا۔ اور یہ گناہ کا باعث ہے، اس طرح عورت کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور عورت امامت کی ہر قسم کے لیے نااہل ہے دلائل ملاحظہ ہوں۔

عورت کی امامت صغریٰ کے عدم جواز پر دلائل

امام علامہ ابی الحسین احمد بن محمد البغدادی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۲۸ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ للنسآء ان یصلین وحدھن جماعۃ فان فعلن وقفت الامام وسطھن کالعراۃ، ومن صلی واحداً اقامہ عن یمینہ وان کان اثنین تقدمھما، ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأۃ او صبی، ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخنثیٰ ثم النساء فان قامت امرأۃ الی جنب رجل وھما مشترکان فی صلوٰۃ واحدۃ فسدت صلوتہ، ویکرہ للنسآء حضور الجماعۃ ولا باس بان تخرج العجوز فی الفجر والمغرب و العشاء عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ

(القدوری ص۴۴).

اکیلے عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور اگر وہ جماعت کراتی بھی ہیں تو امام کو صف کے درمیان ننگوں کی جماعت کی مثل کھڑا ہونا چاہیئے اگر ایک امام کے ساتھ ایک مقتدی ہے تو اسے داہنی طرف کھڑا کرے اگر دو ہیں تو امام آگے کھڑا ہو مردوں کو عورتوں کے پیچھے اور بچوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جماعت کی صورت میں پہلی صف مردوں کی ہونی چاہیئے ان کے پیچھے لڑکوں کی ان کے پیچھے خنثیٰ کی ان کے پیچھے عورتوں کی، اگر عورت مرد کے برابر کھڑی ہو گئی اور وہ دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ عورتوں کے لیے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے البتہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بوڑھی عورتوں

کے فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں جماعت
میں حاضر ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں

حضرت علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ویکرہ جماعۃ النساء فان فعلن تقف الامام وسطھن کالعراۃ ویقف الواحد عن یمینہ والاثنان خلفہ ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخنثیٰ ثم النساء فان حاذتہ مشتھاۃ فی صلوٰۃ مطلقۃ مشترکۃ تحریمۃ واداءً فی مکان متحد بلاحائل فسدت صلوٰتہٗ ان نوی امامتھا ولا یحضرن الجماعات وفسد اقتداء رجل بامرأۃ او صبی وطاھر بمعذور وقاریٔ بامیٍّ
(کنزالدقائق ص۲۷)

اور مکروہ ہے عورتوں کی جماعت، اگر وہ جماعت کراتی ہیں تو ان کی امام کو صف کے درمیان کھڑا ہونا چاہیئے، ننگوں کی جماعت کی طرح، صفوں کی ترتیب یہ ہوگی، پہلی صف مردوں کی اس کے پیچھے بچوں کی ان کے پیچھے خنثیٰ کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی، اگر کوئی عورت مرد کے برابر کسی نماز رکوع وسجود و تحریمہ والی میں کھڑی ہو جائے کہ ان کی تحریمہ اور اداء میں مشترک ہو ایک ہی جگہ ہو درمیان میں کوئی پردہ نہ ہو تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ امام نے عورتوں کی امامت کی بھی نیت کی ہو۔ عورتوں کو جماعتوں میں نہیں آنا چاہیئے، مرد کی اقتداء عورت یا لڑکے کے پیچھے یا باوضو کی معذور کے پیچھے اور قاری کی ان پڑھ کے پیچھے فاسد ہے۔

حضرت شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن ابی بکر رحمتہ اللہ علیہ المتوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ لانھا لا تخلو عن ارتکاب

عورتوں کے لیے نماز کی جماعت کرانا مکروہ ہے کیونکہ وہ ارتکاب محرم سے نہیں بچ سکتیں۔

محرم وهو قيام الامام وسط الصف فيكره كالعراة وان فعلن قامت الامام وسطهن لان عائشة رضي فعلت كذلك، وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الاسلام ولان في التقدم زيادة الكشف ________

ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامرأة او صبي، اما المرأة، فلقوله عليه السلام اخروهن من حيث اخرهن الله فلا يجوز تقديمها۔

(هداية ج ١ ص ١٢٣)

اور وہ امام کا صف کے اندر کھڑا ہونا ہے تو یہ ننگوں کی جماعت کی طرح مکروہ ہو گی (کیونکہ اگر ننگے جماعت کرائیں تو ان کا امام بھی صف کے درمیان صف میں ہی کھڑا ہو گا بے پردگی کی زیادتی سے بچنے کے لیے) اگر عورتیں جماعت کراتی ہیں تو امامہ کو وسط صف میں کھڑا ہونا چاہیئے، کیونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے یوں ہی کیا تھا۔ لیکن آپ کا جماعت کرانا ابتداء اسلام میں تھا بعد میں عورتوں کو جماعت کرانے سے منع کر دیا گیا، آگے کھڑے ہونے میں زیادہ بے پردگی ہے۔ اس لیے بھی منع کیا گیا کہ مردوں کو عورت اور بچے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، عورت کے پیچھے عدم جواز کی دلیل حضور علیہ السلام کی یہ حدیث کہ "عورتوں کو پیچھے رکھو جیسے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے رکھا"، پس جائز نہیں ہو گا ان کا آگے کرنا۔

حضرت علامہ عبد الرحمٰن الجزیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ومن شروط الامامة، الذكورة المحققة، فلا تصح امامة النساء، وامامة الخنثى المشكل اذا كان المقتدي به رجال

امامت کی شرائط سے ذکورۃ محققہ (مرد ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو) بھی ہے۔ پس عورتوں کی امامت صحیح نہیں ہو گی اور خنثیٰ مشکل کی امامت جبکہ اس کے مقتدی

اما اذا كان المقتدی به نساء فلا تشترط الذكورة فی امامتهن بل يصح ان تكون المرأة اماما لامرأة مثلها، او الخنثیٰ باتفاق ثلاثة من الائمة، وخالف المالكية، قالوا لا يصح ان تكون المرأة و لا الخنثیٰ اماما لرجل او نساء لا فی الفرض و لا فی نفل، فالذكورة شرط فی الامام مطلقا مهما كان المأموم

(الفقه علی المذاهب الاربعة جلد ۱، ص۴۰۹)

مرد ہوں صحیح نہیں ہوگی لیکن اگر اس کی مقتدی عورتیں ہوں تو ان کی امامت میں ذکوریت کی شرط نہیں، بلکہ عورت کا عورتوں کا امام ہونا صحیح ہے اور خنثیٰ بھی عورتوں کا امام ہو سکتا ہے۔ تینوں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے لیکن مالکیوں نے اس سے اختلاف کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ عورت یا خنثیٰ کا مردوں یا عورتوں کے لیے امام ہونا صحیح نہیں، نہ فرائض میں اور نہ ہی نوافل میں کیونکہ ذکورۃ (مرد ہونا) امام کے لیے مطلقاً شرط ہے، جب بھی نماز کی جماعت ہوگی امام مرد ہی ہوگا اس کے علاوہ کوئی بھی امام نہیں ہو سکتا۔

علامہ مولانا الشیخ نظام رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ولا يجوز اقتداء رجل بامرأة هكذا فی الهداية، ويكره امامة المرأة فی الصلوة كلها من الفرائض والنوافل الا فی صلوة الجنازة هكذا فی النهاية، فان فعلن وقفت الامام وسطهن و بقيامها وسطهن لا تزول الكراهة وان تقدمت عليهن

مرد کا عورت کی اقتداء کرنا جائز نہیں اسی طرح ہدایہ میں ہے اور مکروہ ہے عورت کی امامت عورتوں کے لیے تمام نمازوں میں خواہ وہ فرضی ہوں یا نفلی نماز جنازہ کے علاوہ، نہایہ میں بھی یوں ہی لکھا ہے۔ اگر عورتیں جماعت کراتی ہیں تو ان کی امامہ کو ان کے درمیان کھڑا ہونا چاہیئے درمیان میں کھڑا ہونے سے بھی کراہیّت ختم نہیں

امامهن لم تفسد صلاتهن هكذا فی الجوهرة النیرة۔ وصلاتهن فرادی افضل هکذا فی الخلاصة (فتاوی هندیه ج ۱ ص ۸۵)

ہوتی، اگر عورتوں کی امامہ آگے کھڑی ہو جاتی ہے تو بھی ان کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ عورتوں کو علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا افضل ہے، اور یہ خلاصۃ الفتاوی میں لکھا ہے۔

حضرت علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وصلوٰة المرأة بالنسآء جائزة، و لا یجوز ان تؤم الرجال، وهو قول ابی حنیفة والشافعی، الا ان اباحنیفة کره ذلك واجاز ذلك، وقال الشافعی بل هی السنة ومنع مالك من ذلك، قال علی اما منعهن من امامة الرجال فلان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اخبران المرأة تقطع صلوٰة الرجل وان موقفها فی الصلوٰة خلف الرجال، والامام لا بد له من التقدم امام المؤتمین، اومن الوقوف عن یسار الماموم اذا لم یکن معه غیره، فلو تقدمت المرأة امام الرجل لقطعت صلوٰته وصلوٰتها

عورت کا عورتوں کو نماز پڑھانا جائز ہے مردوں کی امامت کرانا جائز نہیں یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے۔ لیکن دونوں حضرات کے اقوال میں یہ فرق ہے کہ امام اعظمؒ نے کراہیت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ نے عورت کا عورتوں کو نماز پڑھانا سنّت کہا ہے، جبکہ امام مالک نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ علامہ علی فرماتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کی امامت سے منع کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے ماتحت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عورت مرد کی نماز توڑ دیتی ہے اور اس کے کھڑے ہونے کی جگہ نماز میں مردوں کے پیچھے ہے، امام کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں سے آگے کھڑا ہو، اور جب

وكذلك لو صلت الى جنبه لتعديها المكان الذى امرت به فقد صلت بخلاف ما امرت (المحلى ج ۴ ص ۲۱۹)

ایک ہی مقتدی ہو تو امام کو اس کے بائیں طرف کھڑا ہونا چاہیئے۔ اگر عورت آگے ہو جائے مرد سے مرد کے سامنے تو مرد کی نماز اور عورت کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اور اسی طرح اگر وہ مرد کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے یہ فساد صلوٰۃ کیوں لازم آیا، اس لیے کہ عورت کو جس مقام پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے اس نے تجاوز کیا اور جو اسے حکم تھا اس کے خلاف کام کیا۔

حضرت علامہ امام الشیخ زین الدین الشہیر با بن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان امامة المرأة للنساء صحيحة واستثنى فى السراج الوهاج مسئلة وهى ما لو استخلف الامام امرأة و خلفه رجال ونساء فسدت صلوٰة الرجال والنساء والامام والمقدمة فى قول اصحابنا الثلاثة خلافاً لزفر اما فساد صلوٰة الرجال فظاهر واما فساد صلوٰة النساء فلانهم دخلوا فى تحريمة كاملة فاذا انتقلوا الى تحريمة ناقصة لم يجز كانهم خرجوا من فرض الى

عورت کی امامت عورتوں کے لیے صحیح ہے سراج وہاج میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر امام نے نماز میں عورت کو اپنا خلیفہ بنایا اس حالت میں کہ اس کے پیچھے مرد اور عورتیں نماز پڑھ رہے تھے تو مردوں اور عورتوں امام اور خلیفہ بنائی جانے والی عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی ہمارے تینوں ائمہ کے قول کے مطابق امام زفرؒ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ مردوں کی نماز کا فساد تو عورت کی امامت کے باعث ظاہر ہے، لیکن عورتوں کی نماز فاسد کیوں ہوئی فرماتے ہیں وہ اس

فرض آخر۔ (بحرالرائق ج ۱، ص ۳۵۱) لیے کہ ان کی نماز کی ابتداء تحریمہ کاملہ سے ہوئی تھی جو تحریمہ ناقصہ کی طرف منتقل ہو گئی جو جائز نہیں ہے، اس طرح گویا وہ ایک فرض سے نکل کر دوسرے فرض کی طرف چلی گئیں اس طرح ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

امام علامہ قاضی محمد بن علی ابن محمد الشوکانی رحمتہ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۵۵ھ فرماتے ہیں۔

وعن عبدالرحمٰن بن غنم عن ابی مالک الاشعری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یسوی بین الاربع رکعات فی القرأۃ والقیام ویجعل الرکعۃ الاولیٰ ھی اطولھن لکی یثوب الناس ویجعل الرجال قدام الغلمان والغلمان خلفھم والنساء خلف الغلمان) رواہ احمد، ولابی داؤد عنہ قال" الا احدثکم بصلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فاقام الصلوٰۃ وصف خلفھم الغلمان ثم صلی بھم فذکر صلوٰتہ" وعن ابی ھریرۃ قال" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے وہ ابو مالک اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ چار رکعت میں قرأت و قیام میں برابری فرماتے اور ان میں سے پہلی رکعت دراز فرماتے تاکہ لوگ (زیادہ تعداد میں) جمع ہو سکیں۔ اور مردوں کو بچوں کے آگے اور بچوں کو ان سے پیچھے ٹھہراتے اور عورتوں کو بچوں کے پیچھے ٹھہراتے (اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا) اور امام ابو داؤد انہی سے راوی ہیں، کہ انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بتاؤں پھر نماز کے لیے اقامت کہی اور مردوں کے پیچھے بچوں کی صف بنائی پھر انہیں نماز پڑھائی پھر حضور علیہ السلام کی نماز کا ذکر کیا۔

"خیر صفوف الرجال اولها و شرها اخرها وخیر صفوف النساء اٰخرها وشرها اولها"

رواه الجماعة الا البخاری ۔

(نیل الاوطار)

اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مردوں کی صفوں میں کثیر الاجر صف پہلی ہے اور قلیل الاجر صف آخری ہے اور عورتوں کی صفوں میں کثیر الاجر صف آخری ہے اور قلیل الاجر پہلی ہے ۔

حضرت امام شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ان قدم الامام المحدث امرأة فصلوته وصلوتها وصلوة القوم کلهم فاسدة لان المرأة لاتصلح لامامة الرجال، قال علیه الصلوة والسلام اخروهن من حیث اخرهن الله فاشتغاله باستخلاف من لایصلح خلیفة له اعراض منه عن الصلوة فتفسد صلوته و بفساد صلوته تفسد صلوة القوم لان الامامة لم تتحول منه الی غیره وعند زفر رحمه الله تعالیٰ صلوة النساء صحیحة انما تفسد صلوة الرجال، لان المرأة

اگر امام بے وضو نے عورت کو آگے کر دیا تو اس کی نماز اور عورت کی نماز اور قوم کی نماز تمام کی فاسد ہو جائے گی، کیونکہ عورت مردوں کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی، فرمایا حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو پیچھے رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیچھے رکھا، اب امام کا خلیفہ مقرر کرنے کے لیے ایسے کی طرف مشغول ہو جانا جو خلیفہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کا نماز سے اعراض ہے اور یہ نماز کو فاسد کر دے گا اور اس کی نماز کے فاسد ہو جانے سے قوم کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ اب امامت اس سے کسی اور کی طرف نہ پھر سکی۔ امام زفرؒ کے نزدیک عورتوں کی نماز صحیح ہو جائے گی لیکن مردوں کی فاسد ہو

تصلح لامامة النساء انما لا تصلح لامامة الرّجال۔

(المبسوط ج ۱، ص۱۸۰)

جائے گی۔ کیونکہ عورت عورتوں کی امامت کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن مردوں کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت امام محمد الشیبانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ووقع تصریح الامام بنیۃ النساء ایضاً وبہ صرح محمّد فی الاصل وما فی کثیر من الکتب من انہ لا ینوی ھن فی زماننا مبنی علی عدم حضورھن الجماعۃ فلا مخالفۃ بینھما لان المدار علی الحضور وعدمہ حتیّٰ لو حضر خناثیٰ او صبیان نواھما ایضاً۔ حلیہ وبحر لکن فی النھر انہ لا ینوی النساء وان حضرن لکراھۃ حضورھن

(کتاب الحجۃ ج ۱، ص۱۳۷)

حضرت امام اعظمؒ نے عورتوں کی نیت (امام کے لئے عورتوں کو نیت میں بحیثیت مقتدی شامل کرنا) امامت کے بارے میں تصریح فرمائی، اور اسی کی امام محمد نے مبسوط میں تصریح فرمائی، اور رہا جو بہت سی کتابوں میں ہے کہ امام ہمارے زمانہ میں عورتوں کی نیت نہ کرے، تو یہ اس پر مبنی ہے کہ عورتیں جماعت میں آتی نہیں ہیں، تو ان دونوں میں مخالفت نہ ہوئی، کیونکہ دار و مدار ان کے حاضر ہونے نہ ہونے پر ہے۔ حتیٰ کہ اگر مخنث اور بچے حاضر ہوں تو ان کی بھی نیت کرے (بحریہ۔ حلیہ) لیکن النہر الفائق میں ہے کہ امام عورتوں کی نیت نہ کرے اگرچہ وہ جماعت میں حاضر ہوں کیونکہ ان کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

حضرت امام علامہ علاؤالدین ابی بکر کاسانی رحمتہ اللہ علیہ المتوفی ۵۸۷ھ فرماتے ہیں۔

وکذلک المرأۃ تصلح للامامۃ

اسی طرح عورت امامت کی صلاحیت

فی الجملة حتی لو أمت النساء جاز
و ینبغی ان تقوم وسطهن
وأمت ام سلمة نساء وقامت
وسطهن ولان مبنی حالهن
علی الستر وهذا استر لها الا
ان جماعتهن مکروهة عندنا
وعند الشافعی مستحبة کجماعة
الرجال ویروی فی ذلك احادیث
لکن تلك کانت فی ابتداء
الاسلام ثم نسخت بعد
ذلك ولا یباح للشواب منهن
الخروج الی الجماعة بدلیل ما
روی عن عمر رضی الله عنه
انه نهی الشواب عن الخروج
ولان خروجهن الی الجماعة
سبب الفتنة، والفتنة حرام
وما ادی الی الحرام فهو حرام۔
(بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۵۷)

رکھتی ہے بلا قید حتیٰ کہ اگر عورت نے عورتوں
کی امامت کرائی تو جائز ہے اور چاہیئے کہ
امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو اور
حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں
کی امامت کرائی اور ان کے درمیان کھڑی
ہوئیں اس وجہ سے کہ ان کے حال کی
بنیاد پردہ پر ہے اور یہ ان کے لیے زیادہ
پردے کا باعث ہے ہمارے نزدیک عورتوں
کی جماعت مکروہ ہے۔

امام شافعیؒ اسے مردوں کی جماعت کی طرح
مستحب کہتے ہیں اس ضمن میں کئی احادیث
روایت کی گئی ہیں۔ لیکن یہ حکم ابتداء اسلام
میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ جوان عورتوں
کے لیے جماعت کے لیے گھروں سے نکلنا
جائز نہیں، اس کی دلیل وہ حدیث پاک
ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت
کیا گیا۔ انہوں نے جوان عورتوں کو گھروں
سے نکلنے سے منع فرمایا، کیونکہ ان کا جماعت
میں شرکت کے لیے گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب
ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک
پہنچاتی ہو پس وہ حرام ہوتی ہے۔ یہاں سے

یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا حرام ہے

امام قاضی ابی الولید سلیمان بن خلف بن سعد رح المتوفی ۴۹۴ھ فرماتے ہیں۔

ان موضع الامامة موضع رفعة وتقدم علی الناس فی أھم امر الدین وأجل عبادة المسلمین وھی مما یلزمه الخلفاً ویقوم به الامراء والامامة موضع شرف ، ورفعة وعلو منزلة فیکره ان یقوم لذلك من فیه شیٔ من النقائص المرذولة ألا تری انه لا یجوز ان تکون المرأة اماماً لنقصها۔

بے شک جائے امامت جائے رفعت و بلندی ہے اور لوگوں سے اہم امر دین میں آگے بڑھنا ہے اور بزرگ عبادت مسلمانوں کی امامت ان امور میں سے ہے جن کو خلفاء نے لازم پکڑا اور امراء وسلاطین نے جسے قائم رکھا اور امامت شرافت، بلندی اور بلند مرتبہ کی جگہ ہے اس وجہ سے یہ مکروہ ہے کہ اس کے لیے ایسا شخص کھڑا ہو جس میں کچھ گھٹیا قسم کے نقائص ہوں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ عورت کا بوجہ ناقص ہونے کے امام بننا جائز نہیں۔

(مسٔلہ) اذا ثبت ذلك فان المعانی المانعة من رتبة الامامة علی ضربین احدھما یمنع صحتھا والثانی یمنع فضیلتھا فاما یمنع صحة الامامة عند مالك فعلی ثلاثة اضرب احدھا الانوثة و الثانیة الصغر وعدم التکلیف والثالثة، نقص الدین فاما الانوثة فان المرأة لا تؤم رجلاً

مسٔلہ:۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مرتبہ امامت ایک بلند ورفیع مرتبہ ہے اور ہر وہ شخص جس میں گھٹیا قسم کے نقائص ہوں وہ امامت کا اہل نہیں تو اب وہ اسباب جو رتبہ امامت سے مانع ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو صحت امامت سے مانع ہے اور دوسرا فضیلت کا مانع ہے۔ وہ جو صحت امامت

ولا نساء فی فریضۃ ولا نافلۃ وبہٰذا قال ابو حنیفۃ و جمہور الفقہاء۔
(المنتقی شرح موطا، ج ۱، ص۲۳۵)

کا مانع ہے امام مالک کے نزدیک اس کی تین قسمیں ہیں ایک مونث ہونا دوسری کم سنی اور مکلف نہ ہونا، تیسری دین کا نقصان پس مونث ہونا (مانع ہے) تو اس لیے کہ عورت نہ تو مردوں کی امامت کرا سکتی ہے اور نہ ہی عورتوں کی نہ فرضوں میں نہ نفلوں میں امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء یہی فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ السید احمد الطحطاوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(والذکورۃ) ای المحققۃ (خرج بہ المرأۃ) فلا یصح اقتداء الرجل بھا وصلوتھا فی ذاتھا صحیحۃ (للامر بتاخیرھن علۃ المحذوف تقدیرہ و انما لم یصح اقتداء الرجل بالنساء للامر الخ والامر بتاخیرھن نھی عن الصلوۃ خلفھن والی جانبھن۔
(حاشیۃ الطحطاوی ص۱۵۷)

اور (شرائط امامت سے) مذکر ہونا ہے۔ اس قید سے عورت نکل گئی لہٰذا مرد کی اقتداء اس کے پیچھے جائز نہیں البتہ عورت کی اپنی نماز صحیح ہوگی کیونکہ ان کی تاخیر کا حکم ہوا ہے۔ یہ محذوف کی علت ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے ”جز ایں نیست کہ مرد کی اقتداء عورت کے پیچھے جائز نہیں، کیونکہ الخ اور ان کو پیچھے کرنے کا حکم دراصل ان کے پیچھے اور ان کی طرف میں نماز سے روکنا ہے۔

علامہ الشیخ حسن بن عمار بن علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وجماعۃ العراۃ والنسآء فان فعلن یقف الامام وسطھن کالعراۃ

اور ننگوں کی جماعت اور عورتوں کی، اگر وہ جماعت کرائیں تو امامہ ان کے درمیان

ولیقف الواحد عن یمین الامام والاکثر خلفه ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثیٰ ثم النسآء۔

کھڑی ہو اگر ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہو اگر زیادہ ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، صف بنائیں مرد پھر بچے پھر خنثیٰ اور ان کے پیچھے عورتیں۔

(نور الایضاح ص۷۹)

حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ویکرہ تحریمًا جماعۃ النسآء ولو فی التراویح فی غیر صلوٰۃ جنازۃ الا نھا لم تشرع مکررۃ فلو انفردن تفوتھن بفراغ احداھن ولو امت فیھا رجالًا لا تعاد لسقوط الفرض بصلوٰتھا الا اذا استخلفھا الامام و خلفہ رجال ونسآء فتفسد صلوٰۃ الکل (فان فعلن تقف الامام وسطھن) فلو قدمت أثمت الا الخنثیٰ فیتقدمھن (کالعراۃ) فیتوسطھم امامھم ویکرہ جماعتھم تحریمًا (ویکرہ حضورھن الجماعۃ) ولو لجمعۃ وعید ووعظ (مطلقًا) ولو

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ تراویح میں کیوں نہ ہو، نماز جنازہ کے علاوہ، کیونکہ نماز جنازہ کا تکرار مشروع نہیں ہے۔ اکیلی اکیلی پڑھتی ہیں تو پہلی کے پڑھنے کے ساتھ باقی تمام کی نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔ اگر عورت نے نماز جنازہ کی امامت کرائی نماز میں مرد بھی تھے تو نماز لوٹائی نہیں جائے گی۔ کیونکہ عورت کی نماز کے باعث فرض ساقط ہو چکا ہے۔ مگر اس صورت میں نماز لوٹائی جائے گی، جب امام عورت کو خلیفہ بنا دے اور اس کے پیچھے مرد اور عورتیں تھے تو تمام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (اگر عورتیں آپس میں جماعت کرائیں تو ان کی امام ان کے درمیان کھڑی ہو) اگر آگے بڑھی تو گناہ گار ہو گی۔ مگر

بجوز اليلاً (على المذهب) المفتى به لفساد الزمان۔
(در مختار بحاشہ فتح القدیر ج ۱، ص ۳۱۸)

خنثیٰ مشکل کر وہ امامت کے لیے آگے کھڑا ہو گا (جیسے ننگے) کہ ان کا امام بھی درمیان میں کھڑا ہو گا۔ اور ان کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ (عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے) اگرچہ جمعہ اور عید اور وعظ کے لیے حاضری ہو (مطلقاً) اگرچہ بڑھیا ہو، خواہ رات کا وقت ہو، (مذہب) مفتی بہ پر خرابی زمانہ کی وجہ سے

امام ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

ولا يجوز ان يصلى خلف المرأة لما روى جابر رضى الله عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا تؤمن المرأة رجلاً) فان صلى خلفها ولم يعلم ثم علم لزمه الاعادة لان عليها امارة تدل على انها امرأة فلم يعذر فى صلوته خلفها، ولا يجوز صلوة الرجل خلف الخنثى المشكل لجواز ان يكون امرأة ولا صلوة الخنثى خلف الخنثى لجواز ان يكون الماموم

اور یہ جائز نہیں کہ عورت کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے کیونکہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، فرمایا عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے، اگر کسی مرد نے عورت کے پیچھے نماز پڑھ لی اور اسے معلوم نہ ہوا کہ یہ عورت ہے، بعد میں اُسے معلوم ہو جائے تو اس پر اعادہ لازم ہے کیونکہ عورت پر ایسی نشانی موجود ہوتی ہے جو اس کے عورت ہونے کا پتہ دیتی ہے تو وہ شخص اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ مرد کی خنثیٰ مشکل کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں۔

رجلاً والا امامراۃ ۔
(المجموع شرح المہذب ج ۴ ص۲۵۴)

ممکن ہے کہ وہ عورت ہو اور خنثیٰ کی خنثیٰ کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں، اس امکان کے باعث کہ مقتدی مرد ہو اور امام عورت،

حضرت علامہ جلال الدین الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وذکر صاحب المحیط ان وجوب التاخیر علی الرجل لیس بمقصورۃ علی الخبر بل بالکتاب وذلک لان تاخیر النساء انما وجب امّا تفضیلاً للرجال علی النساء وتفضیل الرجال علیھن ثابت بنص مقطوع به وھو قوله تعالیٰ "وللرجال علیھن درجة" او وجب تاخیرھن صیانة لصلوٰۃ الرجال عن الفساد فان المرأۃ من قرنھا الی قدمھا عورۃ فربما تشوش الامر علی الرجل فیکون ذلک سبباً لفساد صلوٰۃ الرجل، وصیانة الصلوٰۃ عن الفساد واجبة بالنص وھو قوله تعالیٰ "ولا تبطلوا اعمالکم" و جاء الخبر معینا لما ثبت بالنص المقطوع به لا ان یکون الحکم

صاحب محیط نے فرمایا ہے کہ عورت کا مرد سے پیچھے ہونے کا وجوب صرف حدیث پاک سے ہی ثابت نہیں، بلکہ یہ قرآن پاک کے ساتھ ثابت ہے، اور یہ اس لیے کہ عورتوں کا پیچھے رہنا یا تو مردوں کی فضیلت کی وجہ سے ہے جو انہیں عورتوں پر حاصل ہے اور مردوں کی عورتوں پر فضیلت نص قطعی سے ثابت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان (للرجال علیھن درجة) یا عورتوں کو پیچھے رکھنا مردوں کی نماز کو فساد سے بچانے کے لیے ہے، کیونکہ عورت سر سے قدموں تک عورت (ستر، پردہ کا مقام) ہے تو بسا اوقات امر میں مرد کے لیے پریشان کن ہوتا ہے جو مرد کی نماز کے لیے سبب فساد ہوتا ہے اور نماز کا فساد سے بچاؤ نص قرآنی سے واجب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ولا تبطلوا

مقصوراً علی خبر الواحد وذکر
صاحب الاسرار ان فروض
الصلوٰۃ لا تثبت بخبر الواحد
واما فروض الجماعۃ تثبت بخبر
الواحد لان اصل الجماعۃ تثبت
بالسنۃ۔
(کفایہ بحاشیہ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۲)

اعمالکم یعنی اپنے عملوں کو باطل نہ کرو
اور حدیث اس مسئلہ کے لیے معین ہے
جو نص قطعی سے ثابت ہے یہ نہیں کہ
حکم کا دارومدار خبر واحد پر ہے اور صاحب
اسرار نے فرمایا کہ فرائض نماز خبر واحد سے
ثابت نہیں ہوتے لیکن فرائض جماعت
خبر واحد سے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ جماعت
کی اصل حدیث سے ثابت ہے ۔

امام علامہ ابی عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۰۴ھ

(قال الشافعی) رحمہ اللہ تعالیٰ واذا
صلت المرأۃ برجال ونساء و
صبیان ذکور فصلوٰۃ النساء
مجزئۃ وصلوٰۃ الرجال والصبیان
الذکور غیر مجزئۃ لان اللہ
عزوجل جعل الرجال قوامین علی
النساء وقصرھن عن ان یکون
اولیاء وغیر ذلک ولا یجوز ان
تکون امرأۃ امام رجل فی صلوٰۃ
بحال ابداً۔
(کتاب الام ج ۱ ص ۱۶۴)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب
عورت مردوں، عورتوں اور مذکر بچوں
کو نماز پڑھائے تو عورتوں کی نماز جائز
ہو گی اور مردوں اور مذکر بچوں کی نماز
ناجائز ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں
کو عورتوں پر قوام بنایا ہے۔ اور انہیں
اولیاء بننے سے قاصر رکھا ہے اور اس
کے علاوہ کئی امور میں اسے قاصر رکھا ہے
اور یہ جائز نہیں کہ عورت مرد کی امام
بنے نماز کی کسی حال میں بھی۔

قلت أرأيت امرأة صلت مع القوم في الصف وهي تصلي بصلاة الامام ما حالها وحال من كان بجنبيها من الرجال؟ قال. اما صلوتها فتامة وصلوة القوم كلها جميعًا تامة، ما خلا الرجل الذي عن يمينها والذي كان عن يسارها والذي خلفها بحيالها فان هؤلاء الثلاثة يعيدون الصلاة۔

قلت بم؟

قال. لأن هؤلاء الثلاثة قد ستروا من خلفهم من الرجال، وهم لكل رجل منهم بمنزلة الحائط بين المرأة وبين اصحابه۔

قلت، أرأيت رجلًا صلى بقوم رجال ونساء فكان صفًا تامًا نساء وهن خلف الامام وخلف

فرماتے ہیں کہ اگر عورت قوم کے ساتھ صف میں کھڑی ہو کر امام کے پیچھے وہی نماز پڑھ رہی ہو جس کی امام امامت کرا رہا ہے تو اس صورت میں اس کے پہلو میں کھڑے ہوئے مردوں کی نماز کا کیا حکم ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ عورت کی نماز مکمل ہو جائے گی، اور باقی تمام قوم کی نماز بھی صحیح ہو جائے گی صرف وہ مرد جو عورت کے دائیں بائیں اور پیچھے کھڑے ہیں ان تین آدمیوں کی نماز فاسد ہو گی اس لیے کہ وہ باقی لوگوں اور عورت کے درمیان حائل ہیں تو ان تین آدمیوں کو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ اس حکم کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان تین آدمیوں نے اور لوگوں سے عورت کو چھپا رکھا ہے اور یہ باقی تمام لوگوں اور عورت کے درمیان دیوار کا کام دے رہے ہیں جبکہ یہ عورت کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اس اختلاط کے باعث ان کی نماز نہ ہو گی اور باقی قوم کا چونکہ اختلاط نہیں ہوا اس لیے ان کی نماز ہو جائے گی

ذلك صفان من الرجال ؟ قال. صلوٰۃ الصفین فاسدۃ وصلوٰۃ القوم ممن هو امام النسآء، والنساء کلهن تامۃ.
(کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج ۱، ص ۱۸۹)

اس مسئلہ کی ایک اور صورت مزید وضاحت کے لیے بیان فرماتے ہیں کہ اگر امام تو مرد ہو لیکن اس کے پیچھے مکمل صف عورتوں کی ہو اور ان کے پیچھے دو صفیں مردوں کی ہوں تو کیا حکم ہوگا ۔ فرماتے ہیں کہ مردوں کی دونوں صفوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، جبکہ عورتوں اور وہ مرد جو عورتوں کی صف سے آگے کھڑے ہیں، ان کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

علامہ الشہید محمد بن جمال الدین مکیؒ المتوفی ۷۸۶ھ فرماتے ہیں ۔

(و تؤم المرأۃ مثلها ولا) تؤم (ذکراً ۔ ولا خنثیٰ) لاحتمال ذکوریتہ، فلا تجوز امامتها لغیر المرأۃ مطلقاً، لا للذکور ولا للخناثی
(اللمعۃ الدمشقیہ ج ۱، ص ۳۸)

۔ عورت امامت کرائے اپنی مثل کی (عورتوں) اور عورت نہ امامت کرائے مردوں کی اور خنثیٰ کی، خنثیٰ کی اس لیے امامت نہ کرائے کہ اس میں ذکوریت کا اندیشہ ہے۔ پس ناجائز ہو گی عورت کی امامت عورتوں کے علاوہ کے لیے مطلقاً نہ مردوں کے لئے اور نہ ہی خناثی کے لیے۔

امام القاضی ابوالولید محمد بن احمد (ابن رشد) رحمتہ اللہ علیہ المتوفی ۵۹۵ھ فرماتے ہیں۔

اختلفوا فی امامۃ المرأۃ، فالجمهور علی انه لا یجوز ان تؤم الرجال، واختلفوا فی امامتها

عورت کی امامت میں اختلاف ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ عورت کو جائز نہیں کہ وہ مردوں کی امام بنے، ائمہ نے عورت کی عورتوں

النساء فاجاز ذلك الشافعی ومنع ذلك مالک۔ وشذ ابوثور والطبری، فاجاز امامتها علی الاطلاق، وانما اتفق الجمہور علی منعھا ان تؤم الرجال، لانہ لو کان جائز لنقل ذلک عن الصدر الاول۔ ولانہ ایضاً لما کانت سنتھن فی الصلوٰۃ التاخیر عن الرجال علم انہ لیس یجوز لھن تقدم علیھم لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "اخروھن حیث اخرھن اللّٰہ" (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۱۰۵)

کے لیے امامت میں بھی اختلاف کیا ہے لیکن امام شافعیؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے اور امام مالکؒ نے اس کو ناجائز کہا ہے، ابوثور اور طبری نے جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے عورت کی امامت کو علی الاطلاق جائز رکھا، اور جمہور عورت کی امامت کی ممانعت پر اس لیے متفق ہوئے ہیں کہ اگر ان کی امامت جائز ہوتی تو ضرور صدر اوّل سے منقول ہوتی، اور اس سبب سے بھی کہ جب عورتوں کو نماز میں مردوں سے پیچھے رہنا ضروری ہے، تو اب مردوں سے کسی کا آگے ہونا جائز نہیں ہوگا، سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے باعث "عورتوں کو پیچھے رکھو جس طرح کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے رکھا"۔

حضرت علامہ امام ابن قدامہؒ و علامہ امام شمس الدین ابن قدامیؒ فرماتے ہیں۔

ولا تصح امامۃ المرأۃ والخنثٰی للرجال ولا للخناثی ......

ولنا قول النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم لا تؤمن امرأۃ رجلاً رواہ ابن ماجہ (المغنی والشرح الکبیر ج ۲ ص۵۲)

کہ عورت اور خنثیٰ کی امامت مردوں اور خناثی کے لیے صحیح نہیں، ہماری دلیل حضور نبی کریم علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے "نہ امامت کرائے عورت مردوں کی" اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

امام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ولا تصح امامۃ المرأۃ و الخنثی للرجال ولا الخناثی ولا امامۃ الصبی لبالغ۔

(المقنع ج ۱، ص۲۰۱)

عورت اور خنثٰی کی امامت مردوں اور خناثی کے لیے صحیح نہیں اسی طرح بچے کی امامت بالغ کے لیے صحیح نہیں۔

حضرت علامہ عبداللہ بن الشیخ محمد بن سلیمان داماد آفندی فرماتے ہیں۔

(و فسد اقتداء رجل بامرأۃ) بما رویناہ و فی الخلاصۃ و امامۃ الخنثی المشکل للنساء جائزۃ و للرجال و الخنثی مثلہ لا یجوز۔

(مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج ۱، ص۱۱۱)

مرد کا عورت کی اقتداء کرنا فساد صلوٰۃ کا باعث ہے، جس طرح کہ ہم نے روایت کی۔ اور خلاصہ میں ہے کہ خنثیٰ مشکل کی امامت عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اور مردوں اور خنثیٰ کے لیے جائز نہیں۔

سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

و یجوز ان یکون الرجل اماماً للرجال و النساء، اما المرأۃ فلہا ان تؤم النساء دون الرجال۔ (فقہ الامام جعفر الصادق ج ۱، ص۲۲۵)

اور جائز ہے کہ مرد امام ہو مردوں اور عورتوں کا لیکن عورت کو عورتوں کی امامت جائز ہے مردوں کی امامت جائز نہیں ہے

حضرت علامہ سید محمد امین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ولا یصح اقتداء ذکر بانثیٰ و خنثیٰ ولا رجل بصبی۔

(رد المحتار علی در المختار ج ص۴۲۷)

مرد کو عورت اور خنثیٰ کی اقتداء صحیح نہیں اور مرد کو لڑکے کی امامت میں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔

تبصرہ

عورت کی امامت صغریٰ میں عدم اہلیت و عدم جواز پر دلائل آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ عدم جواز کے اسباب میں سے ائمہ نے جن اسباب کو التزام کے ساتھ ذکر فرمایا ان میں بنیادی حیثیت پردہ کے تحفظ، عورتوں اور مردوں کے اختلاط، اور مرتبہ و مقام میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی کمی کو حاصل رہی۔

راقم اس مرحلہ پر ارباب عقل و دانش، علم و عمل، صدق و صفا اور عدل وانصاف کی توجہ کا طالب ہے۔ جن کے دل میں ذرہ برابر انصاف بھی ہے۔ ان سے اس استفسار کی جرأت کرتا ہوں کہ عورت کی امامتِ نماز اس لیے مکروہ تحریمی یا ناجائز قرار دی گئی کہ عورت اگر صف سے باہر نکل کر امام کے مقام پر کھڑی ہوتی ہے تو وہ مردوں کی توجہ کا مرکز بن جائے گی اور اس طرح پردہ باقی نہ رہ سکے گا۔ اسی پردہ کی بقاء کے لیے عورت کی امامت صلوٰۃ ناجائز قرار پا گئی ہے۔ دوسری وجہ، مردوں سے اختلاط ہے اس کو شریعت مطہرہ نے ایسے ناپسندیدہ افعال میں شمار کیا ہے کہ یہ بھی عورت کی امامتِ صلوٰۃ کی وجوہات عدم جواز میں سے ایک وجہ قرار پائی۔

اسی طرح ایک علت مرتبہ و مقام میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی کمی ہے ان تین اہم وجوہات کی بناء پر عورت امامت صغریٰ کے لیے نااہل قرار دی گئی ہے اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

یہی وجوہات ہیں جنہوں نے عورت کی امامت صغریٰ کو نا جائز بنا دیا ہے۔ اب اسی بنیاد پر راقم کا یہ سوال ہے کہ کیا امامت کبریٰ (ملک کی سربراہی) کی صورت میں ان وجوہات سے عورت کو واسطہ پڑے گا یا نہیں؟ کیا ملک کی سربراہی کی صورت میں پردہ کا تحفظ ہو سکے گا؟ کیا وہاں مردوں کے ساتھ اختلاط نہیں ہوگا۔ کیا اس صورت میں مرتبہ و مقام کی کمی باقی نہیں رہے گی۔ اگر آپ موازنہ کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امامت کبریٰ (ملکی سربراہی) کی صورت میں یہ خرابیاں نقطۂ عروج پر ہوں گی۔ کیونکہ نماز کی امامت تو چند منٹوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن سربراہ ملک کو گھنٹوں لاکھوں کے اجتماعات سے خطابات کرنے پڑتے ہیں، ایکٹنگ کرنا پڑتی ہے، جلال و جمال کی جلوہ فروزی اشاروں، کنایوں کی برسات اور زور خطابت کے طوفان تمام حجابات کو زیر و زبر کر دیتے ہیں۔ غیر محرم تو کجا غیر مسلموں سے مصافحہ کرنا پڑتا ہے۔ تنہائی میں ملاقاتیں کرنا بھی سربراہ کی مجبوری بن جاتا ہے، روزمرہ کے معمولات میں بے شمار سرکاری و غیر سرکاری لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ ہوتا ہے، کیا یہ سب کچھ پردے اور مردوں کے ساتھ عدم اختلاط کے باوجود ممکن ہوتا ہے۔۔۔۔ اگر نہیں تو یہی اسباب امامت کبریٰ میں عورت کی نااہلی کے کیوں نہیں بن سکتے۔۔۔۔۔ یقیناً۔۔۔ مذکورہ اسباب اور کئی دیگر اسباب عورت کو امامت کبریٰ کے لیے نااہل بناتے ہیں۔

امام اعظم (سربراہ) کے لیے تو محاذوں پر فوجوں کو لڑانا فوجوں کو ترتیب دینا، خود لڑنا اور شجاعت کے جوہر دکھانا ضروری ہوتا ہے۔

وہ عورت جس کے متعلق شریعت مطہرہ کو اتنا بھی گوارہ نہیں کہ وہ صف سے نکل کر آگے کھڑی ہو جائے کیونکہ اس طرح اس کے پردے کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔

.... پردہ کی اس احتیاط کے باوجود اسلام عورت کو میدان کارزار میں مَردوں کے ساتھ لڑنے یا فوجیں لڑانے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ نام نہاد مفکرین تو ہاکی اور کبڈی کا جواز ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہیں کیا اسلام نے عورت کو ایسے افعال کی اجازت دی ہے، یا عہد رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے بلکہ چودہ صدیوں میں بھی کوئی ایسی مثال مل سکتی ہے جس میں مسلم خواتین کی ایسی سرگرمیوں کا ثبوت ہو تاریخ کے اوراق پر بھی نظر ڈال لیجئے، آپ کو مسلمان خواتین کی کوئی ایسی ٹیم کا وجود نہیں ملے گا جس نے کسی دور میں بھی ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیا ہو، اگر خیرالقرون میں عورتوں کے اس قسم کے مشاغل کی کوئی نظیر ہے تو لائیے۔ اگر نہیں۔ اور ہرگز نہیں ــ تو خواہ مخواہ امت مسلمہ کو بے غیرتی کی راہ پر ڈالنے کے لیے زنخوں کا یہ گروہ کیوں سرگرم عمل ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نوراللہ مرقدہ، سلطان نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ اور ایوبی خاندان کے دیگر حکمرانوں کی سلطنتوں کو تباہ کرنے کے لیے اور اس دور سے لے کر بعد میں آج تک انگریزوں نے اسلامی ممالک کی تباہی کے لیے عورتوں کو مختلف انداز میں استعمال کیا۔ انہیں مجاہدین و اساطین سلطنت کے لیے دام تزویر بنایا گیا، انہوں نے اپنے حسن و غیرت سے اسلامی ممالک کی بیخ کنی کی کوشش کی۔

انگریز سامراج نے انہیں باقاعدہ طور پر جاسوسی اور مکر و فریب کی تربیت دے کر یوں استعمال کیا کہ ان کے احوال پڑھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے ــ یا پھر ــ حشیشین ــ نے اپنے فتنہ کو فروغ دینے کے لیے عورتوں کو استعمال کیا۔ کیا مجھے یہ معلوم کرنے کی اجازت ہو گی کہ ایسے لوگ جو خواتین کو اس راہ پر ڈالنا

چاہتے ہیں وہ کس گروہ کے وارث ہیں۔ اور وہ کس گروہ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔
___ کیا یہود و نصاریٰ کی ___ یعنی ___ مصر اور سوڈان پر مظالم ڈھانے والوں
کی۔ یا۔ بیت المقدس، فلسطین اور شام کو آگ و خون میں نہلانے والوں کی۔
یا۔ اندلس میں عظمت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے والوں کی، یا مسلمانوں کے ازلی
دشمن، حشیشین۔ کی۔ جن کے ہاتھ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے۔

خدا کا خوف دلانے والو! خدا کا خوف کرو اور اسلام پر رحم کرو، امتِ
مسلمہ پہلے ہی دین سے بہت دور جا چکی ہے۔ رہی سہی کسر تم پوری کرنے کی
سعی سے باز رہو، امت مرحومہ کو بے غیرتی و بے حیائی کا جواز مہیا کر کے تباہی
و بربادی کے راستہ پر نہ ڈالو۔

اسلام کو ہرگز ایسے مصنوعی دردمندوں کی ضرورت نہیں۔ جو امت کو
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے راستہ سے ہٹا کر یہود و نصاریٰ کا
فکری غلام بنا دیں۔

قوام کی تحقیق

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ

مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس واسطے کہ اللہ نے بعضوں کو

بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ط

بعضوں پر فضیلت دی ہے، اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ

مال خرچ کیے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں، اطاعت کرتی ہیں، مرد کی عدم موجودگی

اللّٰہُ ط وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ

میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں، اور تم کو جن عورتوں کی بدخوئی کا ڈر ہو

وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ج فَاِنْ

تو ان کو سمجھاؤ، اور ان کو سونے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو مارو،

اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا ط اِنَّ

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو،

اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ۝ (سورۂ نسآء آیت ۳۴)

بلاشبہ اللہ بڑی رفعت اور عظمت والا ہے۔

رحمت اللہ اور شہاب کی قوام کے معنی کو بدلنے کی ناکام کوشش

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے معانی و مطالب میں جس طرح رحمت اللہ طارق نے ظالمانہ تصرف کیا ہے وہ اس کی علمی خیانت کا نہ ہی صرف شاہکار ہے بلکہ اس کی افتادِ طبع کا ایک نادر نمونہ بھی ہے۔

ہم اس کے متعلق کچھ عرض کرنے یا دلائل ذکر کرنے سے پہلے رحمت اللہ کی کتاب سے ایک طویل اقتباس پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ تمام صورت حال قاری کے سامنے رہے اور اُسے حق و باطل میں تمیز کرنے میں مشکل درپیش نہ آئے۔ ملاحظہ ہو۔

اور مرد عورتوں پر حاکم ہیں؟ (نساء ۳۴) سے کچھ حضرات نے استدلال فرمایا ہے کہ عورت، خود قرآن کے نقطہ نظر سے بھی سربراہی کی اہل نہیں ہے۔

اس کی بابت صرف اتنا ہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ اگر زیر بحث مسئلہ کے بارے میں وحی الٰہی کی ایمائیت یا اشارہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ ہمارے علماء کرام اس سے صرفِ نظر کرتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عورت کے سماجی حقوق گھٹانے پر جنوں دلائل پیش کرنے والوں میں سے کسی نے بھی نساء (۳۴) کو اپنی مقصد برآری کے لیے استعمال نہیں کیا اور کر بھی نہ سکتے تھے کہ "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" میں قوام کے معنی حاکم ہو ہی نہ سکتے تھے۔ کیونکہ اس طرح کے مفہوم کے لیے نہ

صرف عبارت اور مفہوم کا سقم مانع ہو سکتا تھا۔ قوام کا لفظ بھی سدِ راہ بن سکتا تھا۔ کیونکہ اہل لغت نے اس کے معنی کفالت اور روزی مہیا کرنے کے لکھے ہیں۔ قوّام۔ کے معنی "مأنها" کے ہیں یعنی ضروریات اور روزی فراہم کرنے والا۔ ابن منظور (۱۳۱۱ء م) لسان العرب میں لکھتے ہیں۔ متکفلون باموالنساء معینون بشانهن (عورتوں کے امور کے متکفل اور ان کے حالات پر توجہ کرنے والے) لسان العرب طبع دار صادر بیروت جلد ۱۲/ ۵۰۲، ۵۰۳/ قام) اسی طرح مرتضیٰ زبیدی حنفی (۱۷۹۰ء م) نے اپنے لغوی انسائیکلوپیڈیا تاج العروس میں لکھا ہے۔ قام الرجل المرأة اور قام علیها۔ کے معنیٰ ہیں۔ مانها وقام بشونها متکفلاً بامرها۔ اس کی روزی مہیا کی اور اس کے معاملات کا ذمہ لیا۔ (تاج بحوالہ لغات القرآن جلد ۳/ ۹۹ ۱۳) اور یہ معنی اسی آیت کے ساتھ ہی واضح کر دیئے گئے ہیں۔ فرمایا۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ (دو وجوہ کی بنا پر) مرد عورتوں کے ذمّے دار ہیں، ایک تو اس لیے کہ اللہ نے بعض (امور میں مردوں) کو (عورتوں پر اور) بعض میں (عورتوں کو مردوں) پر فضیلت دے رکھی ہے اور (بطور خاص یہ کہ) مرد عورتوں پر خرچ کر چکے ہیں۔ (یعنی نکاح کے بعد نان و نفقہ ان کے ذمّے لگ چکا ہے) (نساء ۳۴)

اس طرح اس آیت نے عائلی قوانین کی ایک اہم شق کی طرف متوجہ کیا ہے۔ کہ اسلامی معاشرے میں عورت کا نان و نفقہ مرد کے ذمہ ہے وہ اگر کوئی کام کرتی ہے تو بھی یہ نہیں ہوتا کہ مرد اپنی ذمّے داری ختم کر دے۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھئے کہ جس آیت کو مرد کی حاکمیت کے لیے ایکسپلائٹ کیا جاتا ہے اسی آیت نے اپنے سیاق کی روشنی میں واضح کر دیا کہ مرد حاکم نہیں عورت

کا ایک گونہ خادم ہے اور وہ مخدومہ: یہاں بِمَا اَنْفَقُوا " میں باسببیہ ہے۔
یعنی مرد اس وجہ سے عورتوں کے ذمہ دار ہیں کہ حق المہر کی طرح نان و نفقہ بھی ان کے ذمہ لگ چکا ہے۔ اب اگر قوام کے معنی کسی ذہنی اختراع کے بموجب حاکم کر دیئے جائیں تو اس کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ مرد عورتوں ہی کے حکمران ہیں رعایا کی دیگر اصناف بچے اور جوان اُن کی حکمرانی سے خارج ہیں۔ (عورت اور مسئلہ امارت ص ۴۵-۴۶)

اس آیت کریمہ اور قوام کے معنی کے سلسلہ میں پروفیسر شہاب صاحب نے بھی دل کھول کر آیت کے معانی و مطالب کو توڑنے مروڑنے کی کوشش کی ہے اور خلیفہ کے معنی کو آڑ بنا کر علماء پر غیض و غضب برسانے کی پوری سعی کی ہے انشاء اللہ ہم ان کا یہ شوق بھی وقت ملنے پر ضرور پورا کریں گے اور خلیفہ کے موضوع پر بھی تحقیقی نقطہ نظر پیش کریں گے۔ لیکن سردست پیش نظر مسئلہ چونکہ ہماری توقعات سے زیادہ طوالت اختیار کر رہا ہے اس لیے ہم غیر متعلق ابحاث میں قاری کو نہیں الجھانا چاہتے۔ اسی ضمن میں پروفیسر نے صلاح الدین صاحب پر بھی پوری ستم رانی کی کوشش کی ہے لیکن اب ہم یہاں پر انشاء اللہ پوری طرح واضح کر دیں گے کہ طارق و شہاب نے قوام کے معنی میں کس قدر دیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ بقول طارق یہ کہ عورت کی سربراہی کے عدم جواز کے قائلین نے اس آیۃ کو بطور دلیل اس لیے پیش نہیں کیا کہ یہ ان کی دلیل نہ بن سکتی تھی میں پورے اعتماد سے یہ عرض کر دوں گا۔ کہ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر مذکورہ آیت مبارکہ اہم ترین دلیل اور نص قطعی ہے۔

رحمت اللہ طارق کی کتاب کا طویل اقتباس حرف بحرف نقل کیا جا چکا ہے پروفیسر شہاب نے بھی رحمت اللہ کی پوری اتباع کرتے ہوئے وہی کچھ لکھا ہے۔

جو اس کے روحانی پیشوا طارق نے لکھا ہے اور انہی دلائل پر اکتفا کیا ہے صرف صلاح الدین صاحب پر گرج برس کر اس نے اپنی حیثیت اور مضمون کو طارق سے جدا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قاری یہ نہ کہہ سکے کہ یہ تو پوری نقل ہے۔ اور تمام علمی دعووں کے باوجود پروفیسر کو پھر بھی مولوی کی ہی نقل کرنی پڑی ہے۔ مکمل آیت ترجمہ کے ساتھ ہم نقل کر چکے ہیں، احتیاطاً ہم نے ترجمہ بھی پروفیسر کے مکتب فکر کے عالم دین کا درج کیا ہے تاکہ ہر قسم کے شک و شبہ سے معاملہ صاف ہو، سب سے پہلے ہم آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کرتے ہیں کیونکہ کسی آیت کے معانی و مطالب کے فہم و تعیین میں شان نزول کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ کا شان نزول

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت سعد بن الربیع بن عمرو انصاری کی شان میں اتری ہے حضرت سعدؓ کی بیوی حضرت حبیبہ بنت زید نے شوہر کی نافرمانی کی، حضرت سعدؓ نے غصہ میں آ کر بیوی کو ایک تھپیڑ مار دیا وہ ناراض ہو کر اپنے والد کے پاس پہنچیں اور ان کو یہ واقعہ بتایا، باپ بیٹی وہاں سے روانہ ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور حضرت زید نے اپنی بیٹی کا معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضور علیہ السلام نے قصاص کا حکم فرمایا قصاص لینے کی نیت سے باپ بیٹی دربار نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے روانہ ہوئے تو وحی آگئی۔ آپ نے ان کو واپس بلایا اور فرمایا کہ میں نے قصاص (بدلہ) کا حکم دیا تھا، ہمارا ارادہ قصاص کا تھا لیکن اللہ تعالےٰ کو قصاص منظور نہیں اور

اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہمارے ارادے کے خلاف ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہی حق ہے اور آپ نے اسی وقت میں نازل ہونے والی آیت ان کو سنائی، جس میں واضح حکم موجود ہے کہ بیوی کو شوہر سے قصاص لینے کا حق نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ زخمی نہ ہو جائے یا مر نہ جائے۔ ادب سکھانے کے لیے نشوز کی صورت میں اسے سمجھانا علیحدہ رکھنا اور اسے مناسب جسمانی سزا دینے کا مرد کو اختیار ہے اور یہ اس کا حق ہے۔ اس پر نہ اس سے کوئی قصاص لیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے رد کیا جا سکتا ہے۔

شانِ نزول پر غور کرنے سے یہ حقیقت بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ قوّام کا معنی حاکم کا ہی ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ تابع و متبوع، حاکم و رعایا، فاضل و مفضول، استاد اور شاگرد، باپ اور اولاد، مالک اور خادم کا اس سے بڑا فرق اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک کو دوسرے کی تادیب کی اجازت دی گئی۔

مرد اور عورت کی رتبی مساوات کے مدعیوں کو کھلا چیلنج

ان تمام لوگوں کو یہ کھلا چیلنج ہے۔ جو عورت اور مرد کے مرتبہ کے مساوی ہونے کے دعویدار ہیں کہ وہ قرآن کریم یا حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت کر دیں کہ کہیں شریعت مطہرہ نے عورت کو یہ اختیار دیا ہو کہ وہ مرد کو بھی ادب سکھانے کے لیے جسمانی سزا دے سکتی ہو، اور اگر وہ لوگ یہ نہیں دکھا سکتے، اور ہر گز نہ دکھا سکیں گے تو بتایئے کہ جس کو سزا دینے کا حق دیا گیا ہے وہ افضل ہے یا سزا کھانے والا افضل ہے۔ مارنے کا حق رکھنے والا با اختیار ہے یا مار

کھانے والا۔

کیا باپ سے بیٹا بہتر ہوتا ہے کیونکہ باپ کو مارنے کا حق ہے اور بیٹے کو والد کے سامنے اُف کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ ماں باپ کے سامنے اُف بھی نہ کرو، تو کیا اب طارق و شہاب کی منطق یہی نتیجہ برآمد کرے گی کہ بیٹا والدین کا مساوی ہے، بلکہ والدین اولاد کے خادم ہیں کیونکہ وہ اس کی روزی کا بندوبست کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول سے بالکل واضح ہو چکا ہے کہ عورت مرد سے مرتبہ و مقام میں کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد، عورت کو جسمانی سزا دینے کا حق رکھتا ہے اور جب تک وہ عورت کو زخمی نہ کر دے یا قتل نہ کر دے قانوناً اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی۔

ادنیٰ عقل رکھنے والا انسان بھی اس حقیقت سے آشنا ہے کہ جسے جسمانی سزا دینے کا حق ہوتا ہے، وہی افضل ہوتا ہے اب آیت کریمہ میں غور فرمائیے کہ "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" کا معنی کیا ہوگا، کیا یہی معنی ہوگا کہ از دو وجوہ کی بنا پر مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں یا یہ معنی ہوگا کہ دو وجوہ کی بنا پر مرد عورتوں کے خادم ہیں اس واسطے کہ اللہ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

مرد اس لیے عورتوں کے ذمہ دار یا خادم بن گئے کہ انہوں نے عورتوں پر مال خرچ کیے ہیں۔

مال بھی مردوں نے خرچ کیے، مہر بھی مردوں نے دیئے نان و نفقہ کا بندوبست بھی مردوں نے کیا اور خادم بھی مرد ہی بن گئے! یہ طارق کی علمی دیانت اور

فقاہت کا کرشمہ ہے۔

اگر مردوں کا نان ونفقہ کا اہتمام کرنا یا مہر دینا ان کو خادم بنانے کا سبب ہے، تو انہیں یہ دونوں کام نہیں کرنے چاہئیں تاکہ وہ عورت سے افضل یا کم از کم اس کے برابر تو ہو جائیں۔

حالانکہ مرد کے قوّام ہونے کی علت اور سبب اس آیت میں یہی بیان کیا جارہا ہے۔ " وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ "

مرد کیوں قوّام ہیں اور ان کو عورتوں پر کیوں فضیلت دی گئی ہے اس لیے کہ وہ عورتوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔ طارق صاحب یہ معنی کر رہے ہیں کہ مرد عورتوں کے خادم ہیں اور مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی گئی ہے اس لیے کہ وہ عورتوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔

جس سیاق کا دعویٰ طارق نے کیا تھا وہ سیاق قارئین بھی ملاحظہ کر رہے ہیں اور خصوصاً شانِ نزول کی روشنی میں اس آیت کے معنی میں کوئی ابہام نہیں رہا۔

جس کو جسمانی سزا کا حق دیا گیا ہے وہی افضل ورنہ باپ سے بیٹا افضل ہو جائے گا استاد سے شاگرد کو افضل ماننا پڑے گا اور یہ تمام صورتیں خلاف واقع ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

زیر بحث آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو۔

عورتوں کے لیے مردوں کی اطاعت ضروری ہے اور نشوز (نافرمانی) قابل سزا جرم ہے جو واضربوھن (انہیں مارو) سے ثابت ہے۔

فرمائیے اطاعت خادم کی، کی جاتی ہے یا مخدوم کی، جب عورت پر مرد کی

اطاعت لازم ہے تو ثابت ہوا کہ مرد مخدوم ہے اور عورت خادم۔

اسی کی تائید میں حدیث پاک ملاحظہ ہو۔ وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعی الرجل امراتہ الی فراشہ فابت فبات غضبان لعنتھا الملائکۃ حتٰی تصبح متفق علیہ، وفی روایۃ لھما قال والذی نفسی بیدہ مامن رجل یدعوا امرأتہ الی فراشہ فتابی علیہ الا کان الذی فی السمآء ساخطاً علیھا حتٰی یرضی عنھا۔ (مشکوٰۃ شریف صنہ ۲۸۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مرد نے عورت کو اپنے بستر کی طرف بلایا پس اس نے (بلغیر عذر شرعی کے) انکار کر دیا اور مرد نے غصہ کی حالت میں رات گذاری تو ملائکہ عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں اسی حالت میں اس کی صبح ہوتی ہے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے دونوں حضرات ایک اور روایت بھی کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلایا اور اس نے انکار کر دیا تو وہ جو آسمان میں ہے اس پر اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس سے خاوند راضی نہ ہو جائے۔ وعن انسؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المرأۃ اذا صلّت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت بعلھا فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شاءت۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ (مشکوٰۃ شریف صلہ ۲۸۱)

حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت پانچوں نمازیں ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی

شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو۔

وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا یقبل لہم صلوٰۃ ولا تصعد لہم حسنۃ، العبدُ الآبق حتیٰ یرجع الی موالیہ فیضع یدہ فی ایدیہم، والمرأۃُ الساخط علیہا زوجہا، والسکرانُ حتیٰ یصحوا، رواہ البیہقی فی شعب الایمان، (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی نیکی اوپر چڑھتی ہے (درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک بھاگا ہوا غلام، جب تک کہ وہ واپس مالک کے پاس نہیں آتا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں نہیں رکھتا، دوسری وہ عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہے، تیسرا بدمست یہاں تک کہ ہوش میں آئے۔

وعن اُمّ سلمۃ قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ ماتت وزوجہا عنہا راض دخلت الجنۃ (رواہ الترمذی)

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورت مرجائے اور اس کا خاوند اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ اور آخر پر ملاحظہ ہو۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکنت اٰمراً ان یسجد لاحد لامرتُ المرأۃ (رواہ الترمذی)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

نے اگر میں کسی کو سجدہ کرنا جائز کرتا تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

وعن قیس بن سعد قال اتیتُ الحیرۃ فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فقلت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احق ان یسجد لہ فاتیتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت انی اتیت الحیرۃ فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فانت احق بان یسجد لک فقال لی ارأیت لو مررتَ بقبری اکنتَ تسجد لہ فقلتُ لا، فقال لا تفعلوا لوکنت آمرُ احداً ان یسجد لاحدٍ لامرتُ النسآء ان یسجدن لازواجھن لما جعل اللّٰہ لھم علیھن من حق ۔ رواہ ابوداؤد، ورواہ احمد عن معاذ بن جبل (مشکوٰۃ شریف صہ ۲۸۲)

حضرت قیس بن سعد سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں حیرہ آیا وہاں میں نے لوگوں کو اپنے سرداروں کو سجدوں کرتے دیکھا تو میں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ پھر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کی کہ میں حیرہ گیا وہاں کے لوگوں کو دیکھا کر وہ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے تھے پس آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا تو مجھے یہ بتا کہ اگر تو میری قبر کے ساتھ گزرے تو اس کو سجدہ کرے گا میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا ایسا مت کرو اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو سب سے پہلے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں اس لیے کہ اللہ نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے۔

مذکورہ بالا آیات قرآنی اور احادیث مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے باوجود اگر رحمت اللہ کے ترجمہ کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مرد جس کی اطاعت عورت پر لازم ہے اور جس کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ بیوی کی

نافرمانی کی صورت میں اسے مار بھی سکتا ہے جس پر نہ تو عنداللہ اس کو جواب دینا ہو گا اور نہ ہی قانوناً اس پر قصاص لازم آتا ہے، مرد کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ مرد کی طرف سے ہمبستری کی خواہش پر اگر عورت بغیر عذر شرعی کے انکار کر دے تو ملائکہ رات بھر اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ سجدہ روا ہوتا تو حضور علیہ السلام جس مرد کو سجدہ کرنے کا عورت کو حکم فرماتے، کیا وہی خاوند (مرد) بقول طارق عورت کا ایک گونہ خادم اور عورت مخدومہ ہوتی ہے۔ اسطرح طارق نے آیت کا وہ معنی و مفہوم بیان کیا ہے جو بالکل غلط اور کھلی معنوی تحریف ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تمام مرد تمام عورتوں سے کیسے بہتر ہیں جبکہ عورتوں میں امہات المومنین اور سیدہ فاطمۃ الزہرا حضرت مریم اور کئی عزت و شان والی خواتین گزری ہیں جبکہ مردوں میں بے شمار ایسے مرد بھی موجود ہیں اور گزرے بھی ہیں جن کا کوئی دینی اور معاشرتی مقام نہیں ہے اور کچھ تو "کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" کا مصداق ہیں اسی چیز کو طارق اور شہاب نے بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے، حالانکہ اس کا جواب انتہائی سہل اور سادہ ہے اور اس کے سمجھنے میں کوئی دقیقہ و خبیہ حائل نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ "مرد عورتوں پر حاکم ہیں"۔ یہاں صنف مراد ہے یعنی صنف مرد، صنف عورت پر قوام ہے اور افضل بھی ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے ہر قاعدہ کلیہ اکثریہ ہوتا ہے اور اس میں اس صنف یا قسم کے کچھ افراد کا اس کے خلاف ہونا قاعدہ و قانون کی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور ایسے افراد جو اس قاعدہ و قانون کے ذیل میں نہیں آتے وہ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور ایسی مثالوں کو شذوذ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور استثنائی کہا جاتا ہے، اس بنیاد پر ہی تفضیل انسانوں کو ملائکہ پر یونہی حاصل ہے کہ رسل ملائکہ سے رسل بشر افضل ہیں اور عام ملائکہ سے عام انسان بہتر ہیں، معزز اور برگزیدہ خواتین سے معزز اور برگزیدہ مرد افضل ہوں گے جبکہ عام خواتین سے عام مرد افضل ہوں گے

تفضیل کے باب میں یوں تعمیم انتہائی ظلم اور بد دیانتی ہوگی کہ ہر مرد ہر عورت سے بہتر بلکہ آیت کا صاف مفہوم یہ ہے کہ ہر خاوند اپنی بیوی کے لئے قوام ہے اور اس پر اس کو فضیلت حاصل ہے صنف میں تقابل کا ایک معیار مقرر کیا گیا ہے اور وہ میاں بیوی کی نسبت اور تعلق ہے۔ قوامیت کا تعلق میاں بیوی کے مابین ہے۔ ہر مرد اپنی بیوی کے لیے قوام ہوتا ہے اور اس سے افضل بھی ہوتا ہے کسی اور عورت کے لیے قوام نہیں ہوتا۔ اس طرح اس کو فضیلت اپنی عورت پر ہی حاصل ہوگی۔

اس تشریح پر "وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ" اور "وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ" قرائن ہیں۔ کیونکہ مال اپنی بیوی پر ہی خرچ کیا جاتا ہے اسی کو مہر دیا جاتا ہے اور مرد پر اسی کا نان ونفقہ کی ذمہ داری ہے۔ اپنی ہی بیوی کو سمجھا سکتا ہے اسی کو سونے کی جگہ میں تنہا چھوڑ سکتا ہے اور اسی کو ہی مار سکتا ہے۔ یہ تمام افعال غیر کی بیوی کے ساتھ جب ممکن ہی نہیں ہیں تو قوام بھی اپنی ہی بیوی کے لیے ہوگا۔ غیر کی بیوی کا نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی حکم ربی غیر کی بیوی کے متعلق ہے کسی پاکیزہ مسلم خاتون کا تقابل نتھو بھنگی سے ہرگز نہیں کیا جاسکتا بلکہ تفضیل کی بنیاد عقائد نسفی کے بیان کردہ اس قاعدہ پر ہوگی۔ ورسل البشر افضل من الملائکۃ ورسل الملائکۃ افضل من عامۃ البشر و عامۃ البشر افضل من عامۃ الملائکۃ (شرح عقائد نسفی ص۱۵۷) — انسانوں کے رسول تمام ملائکہ سے افضل ہوں گے۔ ملائکہ کے رسول عام بشر سے افضل ہوں گے اور عام بشر عام ملائکہ سے افضل ہوں گے۔ بعینہ یہی قاعدہ وقانون مرد اور عورت کی تفضیل میں مستعمل ہوگا۔ خاص مرد تمام خواتین سے بہتر ہوں گے۔

خاص خواتین عام مردوں سے بہتر ہوں گی اور عام مرد عام خواتین سے بہتر ہوں گے۔ اس طرح صنف مرد صنف عورت سے افضل قرار پاتی ہے — استثنائی مثالیں اس قاعدہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

اس طرح وہ معزز و محترم مسلم خواتین جن کے وجود سے اسلام کے نامور فاتحین مجاہدین شہداء اور غازیوں نے جنم لیا جن کے بطن سے محققین و مدققین، محدثین و مفسرین پیدا ہوئے۔ جن کے پاکیزہ دودھ سے انبیاء صدیقین، ائمہ و صالحین کے قلوب و اذہان معرفت الٰہی کی تاب لانے کے قابل بنے جن کے خون سے ایسے مردانِ حر وجود پذیر ہوئے، جنہوں نے اقصائے ارض تک اسلامی عظمت و شوکت کے جھنڈے لہرا دیئے اور عددی قلّت و کثرت سے بے نیاز ہو کر شماریات کے قواعد کو بے حقیقت کر ڈالا جنہوں نے بحر و بر کی تفریق کو روند ڈالا۔ جن کے نقوش پاء عظمت انسانی کی شاہراہوں میں بدل گئے۔ جنہوں نے محروم و مظلوم ضعیف و پابہ زنجیر انسانوں کو حقوق ان کی دہلیز تک پہنچائے۔ جو ماؤں اور بہنوں کی عصمتوں کے تحفظ کے لیے موت کو زلیت سے بیش قیمت جان کر طرفہ عین میں اس کی آغوش میں چلے گئے۔ ایسی خواتین عام مردوں سے لاکھوں درجہ بہتر اور افضل ہیں، ہاں ان کی کلاس کے مردان سے افضل اور ان کے قوام ہو سکتے ہیں۔

ہزاروں سلام ہوں ایسی باپردہ نیک، پاکیزہ خواتین پر جن کے وجود سے نسل انسانی کی بقاء وابستہ ہے اور جن کی گھریلو یونیورسٹی سے ہزاروں جنید و بایزید جیسے ابطال نے تربیت حاصل کی اور انسانیت کے لیے روشنی کے مینار بن گئے۔ باقی رہا طارق کا یہ کہنا کہ اگر قوام کے معنی حاکم کے کر دیئے جائیں تو مطلب یہ ہو گا کہ مرد صرف عورتوں کے حاکم ہیں بچے اور جوان ان کی حاکمیت سے خارج ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ طارق صاحب کے سامنے شاید بچے اور جوان میں بھی کوئی فرق ہے دوسری یہ کہ مرد اور عورت کے درمیان جس حاکمیت کی بات کی جا رہی ہے اس کا ملکی حاکمیت سے تعلق نہیں بلکہ یہ عورت اور مرد کے مراتب کا فرق ہے کہ ہر بیوی اپنے مرد کی رعایا ہے لیکن ملکی حاکمیت کے لیے تو مردوں میں سے جو اپنی بیویوں کے لیے بھی حاکم ہیں ان میں سے بہتر شخص کو تلاش کرنا ہوگا جو ان سب پر حاکم ہوگا اور ان کا امیر ہوگا، مرد اور بیوی کے درمیان رتبی فرق بیان کرنے یا ان کی گھر کی چھوٹی سی ریاست میں ان کے مراتب کی تقسیم سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ پھر مرد تو صرف بیویوں کے حاکم ہوں گے اور دو صنفیں جوان اور بچے بے حاکم رہ جائیں گے کتنی مجنونانہ بات ہے کہ کوئی بھی سلیم العقل شخص یوں اعتراض نہیں کر سکتا سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مرد گھر کا رئیس ہے اس طرح ملک کا حاکم صوبہ کا حاکم، ضلع کا حاکم، تحصیل کا حاکم، اب کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ چونکہ تحصیل یا ضلع کا حاکم موجود ہے تو ملک کے حاکم کی کیا ضرورت ہے کیا ان مختلف مراتب کے حاکموں کے اختیارات و فرائض میں کوئی فرق نہیں ہوگا کیا وزیر اعظم اور ڈپٹی کمشنر کے اختیارات و فرائض برابر ہوتے ہیں، کیا ضلع کے حاکم کا وجود صوبہ یا ملک کے حاکم کے وجود کا منافی ہے، کیا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ میں کوئی حصر موجود ہے کیا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ میں کوئی ایسا مانع موجود ہے جو عورتوں کے علاوہ مرد کو حاکم بننے سے روک دے جب محل و مقام کی بات ہی کی گئی ہے تو فصاحت و بلاغت کے قواعد و قوانین کے مطابق موقع و محل کے مطابق کلام کرنا ہی صحیح ہے جب یہاں بات ہی مرد اور بیوی کی چل رہی تھی تو ان ہی کے احکام پر اکتفاء کرنے میں ہی عبارت کا حسن تھا اس لیے آیت مقدسہ میں عورت (بیوی) کا ہی بیان ہے مزید وضاحت کیلئے حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

حدیث پاک سے تعین مراتب پر استدلال

وعن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ، والرجل راع علی اھل بیتہ ومسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم وعبدالرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف صنہ ۳۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ خبردار تم میں سے ہر ایک رعیت کا نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ وہ امام جو لوگوں پر حاکم ہے نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اولاد پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال کیا جائے گا مرد کا غلام اس کے مال پر نگہبان ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث پاک سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حاکم و محافظ مختلف مراتب کے ہوتے ہیں اور جب مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان اور جوابدہ ہو گا۔ اس کی اس حاکمیت سے ملک کے حاکم کی حاکمیت میں کوئی فرق اور نقص لازم نہیں آئیگا۔

اور عورت جب گھر اور اولاد کی نگہبان ہو گی اور وہ اس کی رعیت ہوں گے تو مرد کے درجہ اور رتبہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ہر ایک کا دائرہ کار اور اختیار متعین ہے اور جب تک اس کا لحاظ رکھا جائے گا کوئی تنازع پیدا ہی نہیں ہو سکتا، لیکن جب طارق جیسے خواتین کے نام نہاد محب عورت کو مرد کے مقابل لانے کی کوشش کریں گے تو تنازعات بھی پیدا ہوں گے اور فسادات بھی جنم لیں گے یہ واضح ہو گیا کہ حاکم عمومی (ملک کا حاکم) صرف عورتوں کا حاکم نہیں ہو گا بلکہ بچوں اور جوانوں کا بھی حاکم ہو گا کیونکہ قوامیت مذکورہ آیت میں عورت اور مرد کے مراتب اور حقوق بیان کرنے کے لئے مستعمل ہے اور شان نزول اور واقعہ عارضہ کا اقتضا یہی ہے۔ کہ مرد اور عورت کے متعلق حکم بیان ہو میاں اور بیوی کے تنازع کے موقعہ پر ملک کے سربراہ کے احکامات کا بیان عقلاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ ملکی سربراہ خواہ خود مرد ہوتا ہے لیکن اس کی رعایا میں بھی بے شمار مرد ہوتے ہیں۔ اور وہ مردوں، عورتوں، بچوں، جوانوں، بوڑھوں سب کا حاکم ہوتا ہے۔ جو اس ملک کی سرزمین پر آباد ہوتے ہیں۔ طارق صاحب کا قیاس ان کے دماغی انتشار قلبی اضطراب اور ذہنی اختلاج کا بین ثبوت ہے ورنہ ادنیٰ علم و فہم کا شخص بھی یوں سفیہانہ باتیں نہیں کر سکتا، جس کا علم و فن سے کوئی واسطہ بھی نہ ہو، البتہ یہ خرابی عورت کی حکمرانی کی صورت میں ظاہر ہو گی۔ جو ملکی سربراہی کی اہلیت نہیں رکھتی کیونکہ اگر عورت حکمران بن جائے تو اس کی حکومت ان لوگوں پر ہو گی جو مرتبہ میں اس سے بلند ہیں۔

آیت کے ترجمہ میں بددیانتی کا مظاہرہ

زیر بحث آیت کریمہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کے معنی میں

جس طرح رحمت اللہ طارق نے بد دیانتی کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی ایک ریکارڈ ہے ایسا ترجمہ آج تک نہ کسی مفسر نے کیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی جواز ہے رحمت اللہ طارق کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

(دو وجوہ کی بنا پر) مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ اللہ نے بعض (امور میں مردوں) کو (عورتوں پر اور) بعض میں (عورتوں کو مردوں) پر فضیلت دے رکھی ہے اور (بطور خاص یہ کہ) مرد عورتوں پر خرچ کر چکے ہیں (یعنی نکاح کے بعد نان و نفقہ ان کے ذمہ لگ چکا ہے)

اس معنی میں واضح سقم موجود ہے سطحی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو معاملہ سمجھ آجاتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد عورتوں پر مسلط ہیں۔ کس وجہ سے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ خود بیان فرمائی بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ "وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ" اور اس وجہ سے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر مال خرچ کیے۔ تمام مفسرین نے پہلے بعض سے مراد مرد لیے ہیں اور دوسرے بعض سے عورتیں، اور اس میں کوئی اخفاء بھی نہیں جیسے کہ قرآن عظیم میں ہی دوسری آیت کریمہ مردوں کی فضیلت پر نص قطعی ہے

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ، البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ (البقرہ ۲۲۸)

مرد کی عورت پر فضیلت مسلّم ہے اور آیت کریمہ کا معنی جس طرح طارق نے کیا ہے۔ قطعاً غلط ہے فضیلت میں کسی مقام پر بھی یہ گنجائش نہیں ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان فضیلت میں ایک دوسرے پر فوقیت کا تصوّر موجود ہو۔

البتہ حقوق کے سلسلہ میں ارشاد ربی ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ

بِالْمَعْرُوْفِ۔ عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں مردوں پر جس طرح مردوں کے عورتوں پر ہیں دستور کے مطابق حقوق و فضیلت کو گڈ مڈ کر کے آیات قرآنی کا مفہوم بدلنا اور منشاء ربی کا خلاف کرنا کیا کسی صالح اور عالم مسلمان کا شیوہ ہے جو حق پرستی کی علم برداری کا مدعی بھی ہو۔ ہم اس آیت کے معنی کی مزید وضاحت کے لیے آگے چل کر عظیم مفسرین کے تحقیقی افکار نقل کریں گے۔

قوام کے لغوی معنی میں ردّو بدل

جس طرح کہ آپ تسلسل سے پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ طارق و شہاب نے اپنے غلط اور باطل معنی کو ثابت کرنے کے لیے آیات و احادیث کے معانی و مطالب میں ردّو بدل کرنے اور انہیں اپنی مرضی و منشاء کے مطابق بنانے کا عزم بالجزم کر رکھا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے تمام مذہبی، اخلاقی اور انسانی حدود و قیود کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اسی کی ایک جھلک آپ کو قوام اور قیّم کے معنی میں بھی نظر آئے گی۔ لغت کی کتابوں میں سے حوالے دیتے وقت انہوں نے دیانتداری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ عبارت کا صرف وہ حصہ لکھا ہے جس کے متعلق ان کو خوش فہمی تھی کہ اس سے ان کا مقصد حل ہو سکتا ہے۔ آپ طارق کی کتاب کا اقتباس پڑھ چکے ہیں اسی کو ذہن نشین فرما کر مندرجہ ذیل عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ ابن منظور کی کتاب لسان العرب کی عبارت یوں ہے:

وقام الرجل على المرأة: مانها، وانه لقوام عليها، مائن لها وفي التنزيل العزيز: الرجال قوّامون على النساء وليس يراد ههنا

(لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۰۳)

علامہ ابن منظور نے بالکل واضح لکھ دیا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ میں یہ معانی مراد نہیں ہیں جو میں نے اس جگہ ذکر کیے ہیں (ما نہا ما ثن لہا) یہ مرد کی اس عام حالت میں جبکہ وہ کسی اور پر قیم ہو، یہ معانی مراد ہوں گے لیکن اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ میں جس قوامیت کا ذکر ہے یہ معانی اس کے نہیں ہوسکتے کیونکہ اس آیت میں عورت اور مرد کے مرتبہ و مقام کے تعین کے لیے لفظ قَوَّامُوْنَ ذکر کیا گیا ہے۔ آگے چل کر علاّمہ "الرجال متکفلون بامور النساء معینون بشؤونھن" بھی اسی کے ذیل میں لکھ رہے ہیں۔ علاّمہ نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ الرجال قوّامون علی النسآء کے یہ معانی نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود کمال ڈھٹائی سے طارق وشہاب یہی معانی لکھ کر عامتہ المسلمین کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ حالانکہ یہی علامہ ابن منظور چند سطور پہلے قیّم کا معنی یوں لکھ رہے ہیں۔ السیّد وسائس الامر وقیم القوم الذی یقومھم ویسوس امرھم وفی الحدیث: ما افلح قوم قیمتھم امرأۃ، وقیم المرأۃ زوجھا فی بعض اللغات، سید، سردار، سائس الامر، معاملات سلجھانے والا، قیم القوم، قوم کا سردار جو قوم کے معاملات سلجھائے۔ حدیث پاک میں آیا ہے وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنا سردار بنایا بعض لغات میں عورت کا قیم اس کے خاوند کو کہا گیا ہے۔ یہی علامہ ابن منظور ص ۴۹۷ پر قوّام کا معنی یہ لکھتے ہیں۔ وقد یجئ القیام بمعنی المحافظۃ والاصلاح، ومنہ قولہ تعالیٰ: الرجال قوّامون علی النسآء، قوام، قیام کے معانی، محافظت اور اصلاح کے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ الرجال قوّامون علی النسآء میں قوّام کے یہی معانی مراد ہیں اس طرح علامہ ابن منظور کی تصریح کے مطابق اس ارشاد خدا

دنیا میں مرد کو عورت کا محافظ اور مصلح کہا گیا ہے یعنی مرد عورت کا محافظ بھی ہے اور اس کی اصلاح کرنے والا بھی، یہاں ابن منظور کے ہاتھوں طارق و شہاب پر ایک افتاد بھی پڑ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں صاحبان نے تو علامہ ابن منظور کی کتاب کا حوالہ مطلب برآری کے لیے دیا تھا لیکن یہ نہ دیکھ سکے تھے کہ چند صفحات پہلے یہی علامہ ابن منظور قوام کا معنی بیان کرتے ہوئے وہی حدیث پاک بھی بطور حوالہ ذکر کر رہے ہیں جس سے فرار کی یہ ساری کوششیں ہیں "جس قوم نے اپنا سردار عورت کو بنایا وہ فلاح نہیں پا سکتی" انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس طرح دونوں مصنفین نے علامہ ابن منظور پر قوام کے معنی کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے۔ اسی اعتماد کو برقرار رکھتے ہوئے علامہ ابن منظور کی بیان کردہ اس حدیث پاک کو بھی تسلیم کرلیں، لیکن ایسا ہوگا نہیں کیونکہ جو شخص محض انکار تشکیک و تضعیف کے لیے عظیم المرتبت صحابہ کرام و تابعین پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتا علامہ ابن منظور کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے علامہ ابن منظور کی کتاب لسان العرب کے حوالہ کی حقیقت آپ کے سامنے آچکی ہے۔

اب علامہ سید مرتضیٰ زبیدی کی مشہور زمانہ لغت کی عظیم کتاب تاج العروس کے حوالے پر بھی غور فرمالیں، کیونکہ وہ بھی غلط عبارت نقل کی گئی ہے۔ انہوں نے بھی الرجال قوّامون علی النساء میں قوام کا جو معنی لیا ہے اس کی تصریح کردی ہے۔ علامہ زبیدی کی تحقیق ملاحظہ ہو۔ تاج العروس جلد ۹ صفحہ ۳۲ قال

وقد یجیئ القیام بمعنی المحافظة والاصلاح ومنه قوله تعالٰی اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ وقوله تعالٰی الا مادمت علیه قائماً ای ملازماً محافظاً وقام عندهم الحق۔ ای ثبت ولم یبرح۔ والمقیم، السید وسائس الامر وهی قیمة وقیم المرأة زوجها۔ وقام

الامير على الرعية وليها۔ وقام بين يدى الامير بمقامة۔

(د) من المجاز قام "الرجل المرأۃ" و "قام" عليها مانها وقام بشأنها "متكفلاً بأمرها فهو قوام عليها مائن لها۔ علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ قوّام، قیام، محافظت اور اصلاح کے معنی میں بھی آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم "الرجال قوّامون على النسآء" میں یہی معانی مراد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک میں "الا ما دمت عليه قائماً" ملازماً، محافظاً (ہمیشہ حفاظت کرنے والا) وقام عندهم الحق (یعنی وہ ثابت رہا اور زائل نہ ہوا)

والقيم۔ السيد (سردار) و سائس الامر (معاملات سلجھانے والا) عورت کو قیمہ کہا جاتا ہے اور عورت کا قیّم اس کا خاوند ہوتا ہے۔

قوام کا مجازی معنی (مانها وقام بشانها۔ یعنی۔ متكفلاً بامرها فهو قوّام عليها مائن لها۔) ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر لفظ کا معنی حقیقی مراد لیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تک معنی مجازی مراد نہیں لیا جاتا جب تک حقیقی معنی مراد لینے کی وجہ سے کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو۔ یہاں ہر دو مصنفین نے بلا وجہ و بلا قرینہ مجازی معنی مراد لے کر اپنی شکست اور مدعی کی کمزوری کا اعتراف کر لیا ہے کیونکہ حقیقی معنی کو بلا وجہ چھوڑ کر مجازی معنی کی طرف جانا اہل علم سے مخفی نہیں کہ یہ کھلا فرار ہوتا ہے۔ جہاں تک مجازی معنی کا تعلق ہے اس سے بھی ہرگز وہ نتائج برآمد نہیں ہوتے جو ان صاحبان نے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انشاءاللہ العزیز آخر میں اس پر بھی مختصر بحث پیش کی جائے گی۔ چند دیگر لغت کی کتابوں سے قوّام کا معنی ملاحظہ ہو۔

القوّام :- خوبصورت قد والا، معاملہ کا ذمہ دار و کفیل، معاملہ کی

ذمہ داری کو پورا کرنے پر قادر، امیر اس کی جمع قوّامون ہے (المنجد ص ۱۰۵۹)

القوام ۔ جمع قوّامون ، اچھے قدو قامت والا، خوبصورت قد والا ، (۲) امیر ، رئیس ، شاہزادہ ، (۳) امور کا منتظم ، اچھی نگرانی کرنے والا ۔ (المعجم الاعظم ج ۴ ، ص ۲۴۰۵)

مراد از قوم در آیت قیم و قائم بامر و سرپرست است لذا در اقرب الموارد ، امیر را از معانی آں شمردہ ، آیت میں قوام سے مراد حاکم و سرپرست ہے ۔ اسی لئے اقرب الموارد میں امیر کو قوّام کے معانی میں شمار کیا گیا ہے ۔

(قاموس قرآن از سید علی اکبر قریشی جلد ۶ ص ۵۱)

قوام کے معنی کی مکمل وضاحت ہو چکی ہے اور اس وضاحت سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اہل لغت نے قوام کا معنی ، سردار ، معاملات کو سلجھانے والا ، حفاظت کرنے والا ، اصلاح کرنے والا ، رئیس ، امیر وغیرہ لیا ہے ۔ اور آیت میں مستعمل قوام کے یہی معانی ہو سکتے ہیں ۔ اس طرح رحمت اللہ کا یہ دعویٰ باطل ہو چکا ہے ۔ (کہ عورت کے سماجی حقوق گھٹانے پر درجنوں دلائل پیش کرنے والوں میں سے کسی نے بھی (نساء ۳۴) کو اپنی مقصد برآری کے لئے استعمال نہیں کیا اور کر بھی نہ سکتے تھے کہ "الرجال قوامون علی النسآء" میں قوام کے معنی حاکم ہو ہی نہ سکتے تھے)

یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ دونوں مصنفین نے اہل لغت سے بھی مایوس ہو کر آخری حربہ کے طور پر قوام کے مجازی معنی ذکر کر کے ابہام پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اور غلط بیانی سے کام لے کر کہ اہل لغت نے لفظ قوام کے یہ معنی کئے ہیں قارئین کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش کی ہے ۔ جو کسی بھی باکردار اور معیاری انسان کو زیب نہیں دیتی ۔ اب جبکہ انہوں نے آخری سہارے کے طور پر قوام

کے مجازی معنی پر انحصار کیا ہے اور پھر کمال دلیری سے اس کی بناء پر کئی نتائج برآمد کر کے علمی دھاک جمانے کی کوشش کی ہے۔ تو ہم بھی ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں کہ واقعی جو شخص کسی کے امور کا متکفل اور ان کے حالات پر توجہ کرنے والا ہو۔ یا کسی کی روزی مہیا کرنے والا، یا اس کے معاملات کا ذمہ دار ہو تو وہ اس کا خادم بن جاتا ہے اور کیا یہ کام خادم کے فرائض میں ہی شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ افراد خانہ میں مرد (خاوند) عورت (بیوی) اور بچے جو ان کی اولاد ہوتی ہے شمار ہوتے ہیں۔ اب افراد خانہ میں سے یہ تمام کام مرد ہی انجام دیتا ہے جو بچوں کا باپ اور عورت کا خاوند ہوتا ہے۔ ملکی سطح پر یہ تمام کام سربراہ ملک انجام دیتا ہے اور یہ معاملات اسی کے سپرد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سربراہان ملک ــ روٹی ــ کپڑے ــ اور ــ مکان ــ کے نعرے پر الیکشن لڑتے ہیں اور ان ہی وجوہات کی بنا پر ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ اب اگر رحمت اللہ کا فلسفہ ہی صحیح تسلیم کر لیا جائے اور مجازی معنی کو اس طرح غلط استعمال کیا جائے تو کیا واقعی طور پر بچوں کا باپ، بچوں کا خادم ہو جائے گا۔ اور عورت کا خاوند بھی اس کا خادم ہو جائے گا۔ اور ملک کا سربراہ بھی رعایا کا خادم ہو جائے گا اور رعایا سے کمتر ہو گا یہ سب کچھ خلاف واقعہ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ممکن ہے کسی شخص کو "سید القوم خادمھم" سے شبہ ہو تو گذارش ہے کہ وہ سردار کے حسن اخلاق کا بیان ہے۔ اس کے خلوص کا تذکرہ ہے لیکن اگر آج کل کے سرداروں پر یہی حکم منطبق کرنا ہی مقصود ہے تو یہ ہمارے دعوے کو مزید تقویت دے گا۔ اور منکرین کی کمزوری و کجی فکر پر شاہد ہو گا۔ کیونکہ اگر آج کے وزیراعظم کو خادم تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کی پوزیشن سب کے سامنے ہے وہ ایک دن میں

لاکھوں روپے صرف سواری کی مد میں خرچ کرتا ہے، ہزاروں پولیس اور خصوصی پولیس، سپر پولیس اور اسپیشل پولیس کے سپاہی پہروں پہر اس کی آمد کے لیے راستوں کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں۔ اور کئی خوفناک آواز نکالنے والی موٹر سائیکلیں اور جیپیں اور ان پر سوار خوش پوش مسلح جوان یوں نظر آتے ہیں جیسے محاذ جنگ پر اہنیں کوئی اہم کارنامہ انجام دینا ہے۔ اسی طرح پروٹوکول کی نادر روایات ۲۱ توپوں کی سلامی گارڈ آف آنر کیا یہ سب کچھ خادم قوم کے لیے تھا ہے۔ اب سربراہ ملک جس معنی میں خادم ہوگا وہ واضح ہے کہ ملکی طور پر تمام رعایا کے لیے وہ ان کی ضروریات کا اہتمام کرے گا۔ اور وہ سارے انتظامات اس کے حکم سے سرانجام پائیں گے۔ یہی صورت حال خادم الحرمین کی ہوتی ہے بذات خود سعودی حکومت کا فرمانروا حرمین میں جھاڑو تو نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی اور کام یعنی صفائی وغیرہ کا انجام دیتا ہے لیکن اس کے باوجود خادم الحرمین کہلاتا ہے اس کا واضح مقصد یہی ہے کہ وہ خادم بایں معنی ہے کہ وہ اس کا مہتمم ہے منتظم ہے آمر ہے۔ اس کے حکم سے حرمین کی خدمت ہوتی ہے چونکہ وہ اس کا خیال رکھتا ہے اس کے مصارف مہیا کرتا ہے اس کی نگرانی کرتا ہے لہٰذا وہ بایں معنی خادم ہے۔ اس طرح نہ تو سربراہ ملک عام گھریلو خادم کی حیثیت میں ہوگا اور نہ ہی سیدالقوم خادمہم کا مطلب گھر کا معروف خادم ہوگا۔

مرد کی بھی گھر یا عورت یا بچوں کے معاملہ میں ایسی ہی خدمت یا اہتمام ہوتا ہے اب اس اہتمام یا محنت مزدوری اور مشقت سے۔ بیوی یا بچوں کے لیے مرد اُن کی روزی اگر کما کر لاتا ہے تو وہ ان کا خادم بایں معنی نہ ہوا کہ وہ ان کا بوٹ پالش کرنے والا خادم ہے بلکہ وہ ان کی روزی مہیا کرنے والا ان کا محسن، ان کا سرپرست اور ان کا کفیل ہے جس کو ان کی اصلاح کرنے تادیب کرنے کا اختیار حاصل ہے

اور اگر وہ عورت کو اس کی اصلاح کے لیے مناسب سزا دیتا ہے تو اس سے تو کوئی قصاص (بدلہ) لیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عنداللہ وہ گناہگار ہو گا۔

کسی کی روزی مہیا کرنا یا اس کی کفالت کرنا خادم کا ہی کام ہے تو قرآن حکیم کی اس آیت کا کیا جواب ہو گا۔ وکفلھا زکریا کلما دخل علیھا زکریا المحراب وجد عندھا رزقا۔ قال یٰمریم انی لک ھذا قالت ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ٥ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی کفالت کا ذمہ لیا تو کیا حضرت مریم کا مرتبہ حضرت زکریا علیہ السلام سے زیادہ ہو گا۔ حالانکہ حضرت زکریا علیہ السلام نبی تھے۔ اب اس صورت میں آپ کیا فیصلہ کریں گے۔ کیا نعوذ باللہ حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم کا خادم بنائیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے رعایا اور بھائیوں کے لیے روزی کا انتظام کیا تو کیا حضرت یوسف علیہ السلام رعایا اور بھائیوں کے خادم ہو گئے جبکہ رعایا ان کی امتی بھی تھی اور بھائی نبوت کے مقام رفیع پر فائز نہ تھے۔ اب نبی کو پوری رعایا کا خادم کن معنوں میں بنایا جا رہا ہے کیا اس وقت رعایا میں کوئی نتھو بھنگی نہ تھا جس کا یا جس قبیل کے لوگوں کا آپ کو العیاذ باللہ خادم بنایا جا رہا ہے۔

اور آخر پر مندرجہ بالا آیت کے آخری حصہ پر غور کیجیے حقیقت میں رزق دینے والی تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے تو کیا وہاں بھی تمہارا یہی قاعدہ کلیہ اپنے جوہری کمالات دکھائے گا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ کفیل خادم نہیں ہوتا بلکہ مخدوم اور سرپرست ہوتا ہے۔ الید العلیا خیر من الید السفلی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ

لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّ لَا شُكُوْرًا (سورۃ الدھر آیت ۸-۱۰)

اور اللہ کی محبت میں وہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہہ دیتے ہیں) کہ ہم تمہیں صرف اللہ کے لیے کھلاتے ہیں ہم نہ کوئی بدلہ تم سے چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ——— (سورۃ القریش پارہ ۳۰)

تو انہیں چاہیے کہ وہ (اس پر شکر ادا کرتے ہوئے) اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے انہیں امن میں رکھا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝

(سورۃ البلد پارہ ۳۰) آپ کیا سمجھے گھاٹی کیا ہے (قرض یا غلامی سے کسی بندے کی) گردن چھڑانا، یا بھوک کے دن کھانا کھلانا، یتیم کو (خصوصاً) جو رشتے دار (بھی) ہو یا (بھوک کے مارے ہوئے) خاک افتادہ مسکین کو ——— مزید وضاحت کے لیے چند قرآنی آیات مع ترجمہ لکھ دی گئی ہیں۔ جن سے واضح ہو رہا ہے کہ کھانا کھلانے والا یا روزی مہیا کرنے والا خادم نہیں ہوتا بلکہ افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔

خادم کا مفہوم اور دائرہ کار (فرائض منصبی) اتنے عمومی ہوتے ہیں کہ اس لفظ کو اطلاق پر محمول رکھتے ہوئے مرد پر عورت کے مقابلہ میں اس کا استعمال غیر منصفانہ اور جاہلانہ فکر کا غماز ہے ——— قوّام کی معنوی تحقیق کے لیے کتب لغت سے دلائل ذکر ہو چکے ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے مفسرین کرام کی مبنی بر تحقیق آراء نقل کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بہت تفصیل کے ساتھ اپنی تحقیق قلم بند کی ہے اس طرح تمام کتب تفسیر کی مکمل عبارات لکھنا تو طوالت

کا سبب ہوگا۔ اس لیے بعض اہم تفاسیر کی مکمل عبارتیں اور باقی کا صرف وہ حصہ جس کا تعلق قوام کے معنی سے ہے نقل کریں گے اور ان کے سامنے ان کا مفہوم بھی ذکر کرتے جائیں گے۔ عربی عبارتیں اس جذبہ کے تحت نقل کی جا رہی ہیں تاکہ اہل علم حضرات اصل عبارات میں خود بھی غور و فکر کر سکیں ممکن ہے کہ انہیں، ہمارے بیان کردہ مفاہیم میں کوئی سقم نظر آئے تو وہ اپنی علمی استعداد کے مطابق اصل عبارتوں سے استفادہ کر سکیں۔ ملاحظہ ہوں۔

خاتمۃ المحققین عمدۃ المدققین علامہ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسیؒ المتوفی ۱۲۷۰ھ

(اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ) ای شانهم القیام علیهن قیام الولاة علی الرعیة بالامر والنهی ونحو ذلک واختیار الجملة الاسمیة مع صیغة المبالغة للایذان بعراقتهم ورسوخهم فی الاتصاف بما اسند الیهم وفی الکلام اشارة الی سبب استحقاق الرجال الزیادة فی المیراث کما ان فیما تقدم رمزاً الی تفاوت مراتب الاستحقاق وعلل سبحانه الحکم بأمرین وهبی وکسبی فقال عزشانه (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

یعنی مردوں کی فوقیت عورتوں پر وہ ہے جو بادشاہ کو رعایا پر حاصل ہوتی ہے امر اور نہی اور اس کی مثل دوسری چیزوں میں، اور جملہ اسمیہ صیغہ مبالغہ کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے یہ بھی اشارہ ہے ان کی فوقیت کی پختگی کی طرف اور اس کلام میں اشارہ ہے مردوں کے میراث کے استحقاق کی زیادتی میں جس طرح پہلے گزرا یہ اشارہ ہے۔ استحقاق کے مراتب میں تفاوت کی طرف اور اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو دو چیزوں سے معلل فرمایا۔ (۱) وہبی (۲) کسبی، پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ) پس باء سببیہ ہے

بعضهم على البعض، فالباء للسببية
وهي متعلقة بقوامون كعلي
ولا محذوفاً واصلاً وجوزان تتعلق
بمحذوف وقع حالاً من ضميره
والباء للسببية او الملابسة وما
مصدرية وضمير الجمع لكلا
الفريقين تغليباً اي قوامون
عليهن بسبب تفضيل الله تعالى
اياهم عليهن او مستحقين ذلك
بسبب التفضيل او متلبسين
بالتفضيل وعدل عن الضمير فلم
يقل سبحانه بما فضلهم الله
عليهن للاشعار لغاية ظهور
الامر وعدم الحاجة الى
التصريح بالمفضل والمفضل عليه
بالكلية وقيل للابهام للاشارة
الى ان بعض النساء افضل من كثير
من الرجال وليس بشئ وكذا
لم يصرح سبحانه بما به التفضيل
رمزاً الى انه غني عن التفصيل و
كذا ورد انهن ناقصات عقل و

اور یہ متعلق ہے قوامون کے ساتھ
جس طرح علیٰ ہے اور اس میں بالکل
حرج نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ
متعلق ہو محذوف کے ساتھ جو اس کی
ضمیر سے حال واقع ہے اور با سببیت کے
لیے ہے یا ملابست کے لیے اور ما مصدریہ
ہے، اور ضمیر جمع کی دونوں فریق کو تغلیباً
راجع ہے یعنی مرد قوی ہیں عورتوں پر
بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے فضیلت
دی ہے مردوں کو عورتوں پر یا مرد
فوقیت کے مستحق ہیں بسبب فضیلت
کے یا مرد متلبس ہیں فضیلت کے ساتھ
اور ضمیر کو ترک کر دیا اللہ تعالیٰ نے پس
نہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بما فضلہم اللہ
علیہن تاکہ معلوم ہو جائے کہ معاملہ بڑا
واضح ہے اور مفضل اور مفضل علیہ کی
صراحت کی قطعاً ضرورت نہیں، اور
بعض نے کہا ہے کہ یہ ابہام کے لیے ہے
تاکہ اشارہ ہو جائے کہ بعض عورتیں
بہت مردوں پر افضل ہیں لیکن یہ توجیہ
کچھ بھی نہیں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ

دین والرجال بعکسهن کما لا یخفی ولذا خصوا بالرسالة والنبوة علی الاشهر وبالامامة الکبریٰ والصغریٰ واقامة الشعائر والاذان والاقامة والخطبة و الجمعة وتکبیرات التشریق عند امامنا الاعظم والاستبداد بالفراق وبالنکاح عند الشافعیة و بالشهادة فی امهات القضایا وزیادة السهم فی المیراث و التعصیب الی غیر ذالک۔

(تفسیر روح المعانی جلد۵ ص۲۳)

نے وجہ تفضیل کو ظاہر نہیں فرمایا تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی تفضیل کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ یہ عورتیں ناقصات عقل اور ناقصات دین ہیں اور مردوں کا معاملہ اس کے خلاف ہے جس طرح مخفی نہیں ہے اس لیے مرد مخصوص ہیں رسالت اور نبوت کے لیے مشہور روایت میں اور امامت کبریٰ یعنی حکومت اور امامت صغریٰ، یعنی نماز اور دینی احکام کے قیام میں جس طرح اذان اور اقامت خطبۂ جمعہ تکبیرات تشریق ہمارے امام اعظم کے نزدیک، اور طلاق دینے اور نکاح میں شافعیوں کے نزدیک، مشکل معاملات میں گواہی اور میراث میں زیادتی اور عصبات وغیرہ ہیں۔

امام المحققین علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

قولہ تعالیٰ: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ای مسلطون علی ادبهن والاخذ فوق ایدیهن فکانه

مرد مقرر کیے گئے ہیں اپنی عورتوں پر اور ان کی معاونت پر، پس گویا اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر امیر اور حاکم بنا

تعالیٰ جعله امیراً علیها ونافذ الحکم
فی حقها فلما نزلت هذه الآیة
قال النبی صلی الله علیه وسلم
اردنا امرا واراد الله امرا
والذی اراد الله خیر ورفع
القصاص ثم انه تعالیٰ لما اثبت
للرجال سلطنة علی النساء ونفاذ
امر علیهن بین ان ذلك معلل
بامرین (احدهما) قوله تعالیٰ
(بما فضل الله بعضهم علی بعض)
واعلم ان فضل الرجال علی النساء
حاصل من وجوه کثیرة بعضها
صفات حقیقیة وبعضها احکام
شرعیة اما الصفات الحقیقیة
فاعلم ان الفضائل الحقیقیة یرجع
حاصلها الی امرین الی العلم
والی القدرة ولاشك ان عقول
الرجال وعلومهم اکثر ولاشك
ان قدرتهم علی الاعمال
الشاقة اکمل فلهذین السببین
حصلت الفضیلة للرجال علی النساء

دیا ہے اور عورت کے حق میں حکم نافذ
کرنے والا پس جب یہ آیت نازل
ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ
اور، اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا بہتر ہے
اور قصاص کو ختم کر دیا ہے۔ پھر جب
اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے عورتوں
پر سلطنت ثابت کر دی ہے اور حکم ان
پر نافذ کرنے کا اختیار ثابت کر دیا ہے۔
بیان فرمایا کہ یہ معلل ہے دو چیزوں
کے ساتھ، ایک اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد
(بما فضل الله بعضهم علی بعض)
اور جان کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت
کئی وجوہ کی بناء پر حاصل ہے۔ بعض صفات
حقیقیہ ہیں اور بعض احکام شرعیہ، جو
صفات حقیقیہ ہیں پس جان کہ فضائل
حقیقیہ کا خلاصہ رجوع کرتا ہے۔ دو
چیزوں کی طرف۔ علم اور قدرت اور
اس میں شک نہیں کہ مردوں کے عقل
اور علوم زیادہ ہیں۔ اور شک نہیں کہ
مردوں کی قدرت مشکل کاموں پر

في العقل والحزم والقوة و الكتابة في الغالب والفروسية والرمي وان منهم الانبياء والعلماء وفيهم الامامة الكبرى والصغرى والجهاد والاذان والخطبة و الاعتكاف والشهادة في الحدود والقصاص بالاتفاق و في الانكحة عند الشافعي رضي الله عنه وزيادة النصيب في الميراث والتعصيب في الميراث وفي تحمل الدية في القتل الخطاء وفي القسامة والولاية في النكاح والطلاق والرجعة وعدد الازواج و اليهم الانتساب فكل ذالك يدل على فضل الرجال على النساء۔

(تفسير كبير جزء ٣ ص ٢٢١)

کامل ہے پس ان دو سببوں کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگئی مردوں کو عورتوں پر عقل میں اور پختگی میں اور قوت میں اور کتابت میں عموماً شہسواری میں مہارت اور تیراندازی میں اور بے شک ان میں انبیاء ہیں اور علماء اور ان میں امامت کبریٰ اور امامت صغریٰ ہے اور جہاد اور اذان، خطبہ، اعتکاف اور حدود و قصاص میں شہادت کی اہلیت بالاتفاق اور نکاحوں میں امام شافعی کے نزدیک رضی اللہ عنہ اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور میراث میں عصبیت کی صلاحیت اور قتل خطاء میں دیت برداشت کرنے کی صلاحیت اور خون کے سلسلہ کی قسم کی اہلیت اور نکاح میں ولی بننے کی اہلیت طلاق اور رجوع کا اختیار متعدد بیویاں کرنے کا اختیار اور مردوں کی طرف نسب کی نسبت یہ تمام خصوصیات عورتوں پر مردوں کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

امام الجلیل الحافظ عماد الدین رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں۔

يقول تعالى (الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ) اى الرجل قيم على المرأة اى هو رئيسها و كبيرها والحاكم عليها و مؤدبها اذا اعوجت (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) اى لان الرجال افضل من النساء والرجل خير من المرأة ولهذا كانت النبوة مختصة بالرجال وكذالك الملك الاعظم لقوله صلى الله عليه وسلم "لن يفلح قوم ولّوا امرهم امرأة" رواه البخاري من حديث عبد الرحمن بن ابی بکرة عن ابيه وكذا منصب القضاء وغير ذلك (وبما انفقوا من اموالهم) اى من المهور والنفقات والكلف التى اوجبها الله عليهم لهن

یعنی مرد حاکم ہے عورت پر یعنی مرد عورت کا سربراہ ہے اور بڑا، اور اس پر حاکم اور اس کا مؤدب جب وہ ٹیڑھی ہو جائے (بما فضل اللہ بعضهم علی بعض) یعنی مرد عورتوں سے افضل ہیں اور مرد عورتوں سے بہتر ہیں اور اسی لیے نبوت مردوں کے ساتھ مختص ہے اور اسی طرح وزیر اعظم، جس طرح حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہرگز وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس پر عورت حکمران ہو جائے۔ بخاری نے روایت کیا ہے اس کو عبد الرحمن بن ابی بکرہ کی حدیث سے اور انہوں نے روایت کی ہے اپنے والد سے، اور یہی حکم ہے منصب قضا کا اور اس کے علاوہ کا، (وبما انفقوا من اموالهم) یعنی مہریں اور دیگر اخراجات اور وہ ذمہ داریاں جو اللہ تعالی نے مردوں پر لازم کی ہیں۔ عورتوں کے لیے اپنی کتاب میں اور

فی کتابہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ
علیہ وسلم فالرجل افضل من
المرأۃ فی نفسہ ولہ الفضل
علیھا والافضال فناسب ان
یکون قیما علیھا کما قال اللہ
تعالیٰ (وللرجال علیھن درجۃ)
الآیۃ وقال علی ابن ابی طلحۃ عن
ابن عباس (الرجال قوامون
علی النسآء) یعنی امراء علیھن
ای تطیعہ فیما امرھا اللہ بہ
من طاعتہ ان تکون محسنۃ
لاھلہ حافظۃ لمالہ ۔ وکذا قال
مقاتل والسدی والضحاک وقال
الحسن البصری جاءت امرأۃ الی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم تشکو ان
زوجھا لطمھا فقال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ "القصاص"
فانزل اللہ عزوجل (الرجال
قوامون علی النساء) الآیۃ
فرجعت بغیر قصاص
(تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۴۹۱)

اپنے نبی کی سنت میں، پس مرد افضل ہے
عورت سے، ذاتی طور پر، اور اس کو فضیلت
ہے عورت پر، اور بزرگی پس مناسب
اور لازم ہے کہ وہ اس پر حاکم ہو، جس طرح
کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (وللرجال
علیھن درجۃ) اور کہا علی ابن طلحہ
نے ابن عباس سے (الرجال قوامون
علی النسآء) یعنی امیر ہیں، عورتوں پر یعنی
عورتیں اطاعت کریں اللہ کے اوامر میں
اور اس کی اطاعت میں، اور اس کی اطاعت
یہ ہے کہ وہ عورت بھلائی کرے گھر والوں
سے اور مرد کے مال کی حفاظت کرے، اسی
طرح مقاتل سدی اور ضحاک نے کہا، اور
حسن بصریؒ نے کہا کہ ایک عورت حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی
اور شکایت کی اپنے مرد کی جس نے اسے
تھپڑ مارا تھا۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا
(القصاص) تو یہ آیت نازل ہوئی
(الرجال قوامون علی النسآء) تو وہ
عورت قصاص لیے بغیر واپس ہوئی۔

امام المحققین قاضی ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی البیضاوی ٦٩١ھ

(الرجال قوامون على النساء) يقومون عليهن قيام الولاة على الرعية وعلل ذلك بامرين وهبي وكسبي وقال (بما فضل الله بعضهم على بعض) بسبب تفضيله تعالى الرجال على النساء بكمال العقل وحسن التدبير ومزيد القوة في الاعمال والطاعات ولذلك خصوا بالنبوة والامامة والولاية واقامة الشعائر والشهادة في مجامع القضايا ووجوب الجهاد والجمعة ونحوها والتعصيب وزيادة السهم في الميراث والاستبداد بالفراق ۔ الى آخره ۔

(تفسیر بیضاوی ص۷)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر جس طرح بادشاہ کی رعایا پر حکومت ہوتی ہے اور اس کی دو علتیں بیان کی گئی ہیں، وہبی اور کسبی، اور فرمایا (بما فضل اللہ بعضہم علی بعض) اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے. ساتھ کمال عقل کے اور حسن تدبیر کے اور زیادتی قوت کے اعمال میں اور طاعات میں، اسی وجہ سے مردوں کو خاص کیا گیا ہے، نبوت اور امامت اور ولایت اور قائم کرنے شعائر اسلام میں، اور شہادت فیصلوں کے جھگڑوں میں، اور واجب ہونا جہاد کا اور جمعہ کا اور اس کی مثل اور عصبہ بننے کی خصوصیت اور میراث میں حصہ زیادہ ہونا اور طلاق کا اختیار وغیرہ، تا آخر۔

امام علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسین القمی النیشاپوریؒ المتوفی ٧٢٨ھ

(الرجال قوامون) يقال هذا قيم

کہا جاتا ہے ھذا قیم المرأۃ وقوامہا

المرأة وقوامها بناء مبالغة
الذي يقوم بامرها ويهتم
بحفظها كما يقوم الوالي
على الرعية ومنه سمي الرجال
قواما والضمير في (بعضهم)
للرجال والنساء جميعاً اي انما
كانوا مسيطرين عليهن بسبب
تفضيل الله بعضهم وهم الرجال
على بعض وهم النسآء قيل وفيه
دليل على ان الولاية انما تستحق
بالفضل لا بالتغلب والاستطالة
والقهر وذكروا في فضل الرجال
العقل، والحزم والعزم، والقوة
والكتابة في الغالب والفروسية
والرمي وان منهم الانبياء والعلماء
والحكماء وفيهم الامامة الكبرىٰ
وهي الخلافة، والصغرىٰ وهي
الاقتداء بهم في الصلوٰة وانهم
اهل الجهاد والاذان والخطبة
والاعتكاف والشهادة في الحدود
والقصاص بالاتفاق وفي الانكحة

اس کی بناء مبالغہ پر ہے وہ جو عورت
کے معاملات کا مالک ہوتا ہے۔ اور اس
کے تحفظ کا اہتمام کرتا ہے۔ جیسے کہ بادشاہ
رعیت کی حفاظت کرتا ہے، اسی وجہ سے
مرد کو قوام کہا گیا ہے اور بعضہم میں ضمیر
مردوں اور عورتوں تمام کے لیے ہے
اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورتوں پر
مسلط ہیں بسبب اس فضیلت کے جو
اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو دی اور وہ
مرد ہیں بعض پر اور وہ عورتیں ہیں۔
کہا گیا ہے کہ اس میں دلیل اس بات پر
کہ ملکی سربراہی کا استحقاق فضیلت کی
بنیاد پر ہے۔ غلبہ، ظلم اور جبر پر نہیں،
مردوں کی افضلیت کے اسباب میں
عقل، استقامت، ارادہ کی پختگی، قوت
کتابت، شہسواری، تیر اندازی وغیرہ
ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ انبیاء، علماء، حکماء
مردوں سے ہی ہوتے ہیں، امامت کبریٰ
(خلافت، سربراہی) اور امامت صغریٰ
اور وہ مردوں کی اقتداء ہے نماز میں
صرف مرد ہی جہاد، اذان، خطبہ، اعتکاف

عند الشافعی وزیادۃ السھم فی المیراث، والتعصیب فیہ والحمالۃ تحمل الدیۃ فی القتل الخطاء والقسامۃ والولایۃ فی النکاح و الطلاق والرجعۃ و عدد الازواج والیھم الانتساب وکل ذلک یدل علی فضلھم۔
(تفسیر نیشاپوری جزء۵ ص ۳۵)

اور حدود و قصاص میں شہادت کے اہل ہیں اور اس پر اتفاق ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ انہیں یہ خصوصیت نکاحوں میں بھی حاصل ہے اور میراث میں حصہ کی زیادتی، عصبہ بننے کی اہلیت قتل خطاء میں دیت کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت نکاح میں ولی بننے کی خصوصیت، طلاق اور طلاق سے رجوع کا اختیار، متعدد بیویوں کو نکاح کے ذریعہ اپنے پاس رکھنے کا اختیار اور نسب کا مردوں کے ساتھ تعلق یہ تمام وہ اسباب وخصائص ہیں جو مردوں کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔

علامہ شام حضرت محمد جمال الدین القاسمی رح متوفی ۱۳۳۲ھ

(الرجال قوّامون علی النساء) جمع قوام، وھو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب ای مسلطون علی ادب النساء یقومون علیھن آمرین ناھین قیام الولاۃ علی الرعیۃ۔
(تفسیر قاسمی جزء خامس ص ۱۳۰)

قوامون۔ قوام کی جمع ہے۔ مرد قائم ہیں۔ مصالح، تدبیر اور تادیب کے ساتھ یعنی مرد مسلط ہیں عورتوں کی تادیب پر نگران ہوتے ہیں۔ عورتوں پر حکم دیتے ہیں اور منع کرتے ہیں جیسے کہ بادشاہ رعیت پر نگران ہوتے ہیں۔

امام العالم الفاضل مولانا و مولی الروم الشیخ اسمٰعیل حقی البروسوی متوفی ۱۱۳۷ھ

(الرجال قوّامون علی النساء) قائمون بالامر بالمصالح والنھی عن المفاسد قیام الولاة علی الرعیة مسلطون علی تادیبھن۔ (تفسیر روح البیان جلد۲ صفحہ۲۰)	مرد نگران ہیں عورتوں پر اچھے کاموں کا حکم دینے میں اور برے کاموں سے روکنے میں جیسے بادشاہ رعیت پر نگران ہوتا ہے۔ مرد عورتوں کی تادیب کی قدرت و اہلیت رکھتے ہیں۔

علامہ حکیم الشیخ طنطاوی جوہری فرماتے ہیں۔

(الرجال قوّامون علی النساء) کالولاة والنساء کالرعیة۔ (تفسیر الجواھر طنطاوی جلد۳ صفحہ۳۹)	مرد نگران ہیں عورتوں پر بادشاہوں کی طرح اور عورتیں رعیت کی طرح ہیں۔

امام الجلیل ابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ فرماتے ہیں

(الرّجال قوّامون علی النساء) یقومون علیھن آمرین ناھین کما یقوم الولاة علی الرعایا وسمو قوامًا لذلک۔ (تفسیر مدارک جزء اول صفحہ۲۲۳)	مرد حاکم ہیں عورتوں پر، قائم کرتے ہیں عورتوں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے حکمران اپنی رعایا پر حکم نافذ کرتا ہے۔

علامہ محمّد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ فرماتے ہیں

(الرّجال قوّامون) والمراد انھم	الرّجال قوّامون کا مطلب یہ ہے کہ

يقومون بالذب عنهن كما تقوم الحكام والامراء بالذب عن الرعاية۔
(تفسیر فتح القدیر جزء اول ص ۴۶۰)

مرد عورتوں کا بوجھ اٹھانے پر قائم ہوتے ہیں جیسے حکام اور بادشاہ رعایا کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

علامہ ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشافعیؒ فرماتے ہیں۔

(الرجال قوامون على النساء مسلطون على ادب النساء
(تفسیر تنویر المقیاس ص ۶۵)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر یعنی مسلط ہیں عورتوں کی تادیب پر۔

امام ابی الفرج جمال الدین عبدالرحمن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ

(قوامون) اى مسلطون على تاديب النساء في الحق۔
(تفسیر زاد المسیر جزء ثانی ص ۷۲)

یعنی مرد مسلط ہیں عورتوں کی تادیب پر، حق کے معاملہ میں۔

شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسیؒ فرماتے ہیں

(الرجال قوامون على النساء) بالتاديب والتدبير لما (فضل الله) الرجال على النساء في العقل والرأى الى آخره
(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۳ ص ۱۸۹)

مرد عورتوں پر قوام ہیں تادیب اور تدبیر میں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے عقل اور رائے میں۔ تا آخر۔

علامہ ابی بکر محمد بن عبد اللہ المعروف ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں

(الرّجال قوّامون علی النّساء)

قولہ، قوّامون یقال قوام و قیّم، وھو فعال و فعیل من قام، المعنی ھو امین علیھا یتولّی امرھا و یصلحھا فی حالھا۔

(احکام القرآن لابن عربی ج ۱ ص ۴۱۵)

اللہ تعالٰے کا یہ ارشاد قوّامون، قوام اور قیّم، فعال اور فعیل کے وزن پر قام کے باب سے ہیں اور انکا معنی یہ ہے مرد عورت پر امین ہے۔ اسکے معاملات کا متوّلی ہے اور اس کے احوال کی اصلاح کرنے والا ہے۔

(الرّجال قوّامون علی النّساء)

یقومون علیھنّ قیام الولاۃ علی الرّعیۃ۔

مرد عورتوں پر نگران و محافظ ہوتے ہیں۔ جیسے بادشاہ رعیت پر نگران ہوتے ہیں۔

(حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی ج ۳ ص ۱۳۳)

علامہ محمد علی الصابونی فرتے ہیں

(الرّجال قوّامون علی النّساء)

قوّامون: صیغۃ مبالغۃ من القیام علی الامر بمعنی حفظہ و رعایتہ، فالرّجل قوّام علی اُمرأتہ کما یقوم الوالی علی رعیتہ بالامر والنہی والحفظ والصیانۃ۔

(روائع البیان ج ۱ ص ۴۶۲)

قوامون مبالغہ کا صیغہ ہے۔ کسی معاملہ پر قائم ہونا اور اس کا معنیٰ ہے تحفظ اور رعایت۔ مرد اپنی بیوی پر قوام ہوتا ہے جس طرح بادشاہ اپنی رعایا پر قوام ہوتا ہے۔ امر و نہی حفاظت او صیانت ہیں۔

امام الشیخ الخطیب الشربینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(الرّجال قوّامون علی النّساء) ای یقومون علیھن قیام الولاۃ علی الرّعیۃ۔ (تفسیر سراج منیر ج ۱ ص ۳۰۰)

یعنی مرد قائم ہوتے ہیں عورتوں پر جیسے بادشاہ رعیت پر قائم ہوتے ہیں۔

امام جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ فرماتے ہیں

(قوّامون علی النساء) یقومون علیھنّ اٰمرین ناھین، کما یقوم الولاۃ علی الرعایا۔ (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۵۰۵)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر، یعنی حکم دیتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔ جیسے بادشاہ اپنی رعایا پر حکومت کرتا ہے۔

سیّد الفقہاء حضرت مولانا الشیخ احمد (ملا جیون) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وذلک التسلیط بسبب انّہ فضل اللہ بعضھم وھم الرجال علی بعض وھی المرأۃ بالعقل والعزم والحزم والرمی والقوّۃ والغزو وکمال الصّوم والصّلوٰۃ والنبوّۃ والخلافۃ والامامۃ والاذان والخطبۃ والجماعۃ۔ الی اٰخرہٖ۔

(تفسیر احمدیہ ص ۱۸۱)

اور مرد کی یہ حکمرانی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو فضیلت دی ہے اور وہ مرد ہیں بعض پر اور وہ عورت ہے وہ فضیلت، عقل، ارادے کی پختگی، استقامت، تیر اندازی، قوت جہاد، نماز روزہ کو مکمل کرنا، اور مردوں کے ساتھ نبوّت، خلافت، امامت، اذان، خطبہ، جماعت کے اختصاص کے باعث ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی فرماتے ہیں

وقولہ الرجال قوّامون بناء مبالغة وھو من القیام علی الشئ والاستبداد بالنظر فیہ وحفظہ فقیام الرجال علی النساء ھو علی ھذا الحد وتعلیل ذلک بالفضیلة والنفقة یقتضی ان للرجال علیھن استیلاء۔ قال ابن عباس الرّجال امراء علی النساء قال ابن العربی فی احکامہ وللرّجال علیھن درجة لفضل القوامیة فعلیہ ان یبذل المھر والنفقة وحسن العشرة الیٰ آخرہ۔

(تفسیر ثعالبی جزء اوّل ص۳۶۸)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد الرّجال قوّامون مبنی بر مبالغہ ہے اور قوّامون قیام علی الشئ سے ہے۔ یعنی کسی چیز پر اختیار حاصل ہونا، اس پر نظر رکھنا اور اس کی حفاظت کرنے پر مستقل ہونا۔ مردوں کا عورتوں پر قیام انہی معانی میں ہے۔ اور اس فضیلت کے اسباب میں ایک تو قدرتی فضیلت ہے اور دوسرا مردوں کا عورتوں پر خرچ کرنا ہے۔ ان اسباب کا تقاضا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر حکمرانی حاصل ہو، ابن عبّاس فرماتے ہیں کہ مرد عورتوں پر حکمران ہیں۔ ابن عربی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے کیونکہ قوام کو اُس پر فضیلت ہوتی ہے جس پر وہ قوام ہوتا ہے۔ اب اس فضیلت کے عوض مرد پر ضروری ہے کہ وہ عورت کو مہر اور خرچہ دے اور اچھی سکونت مہیّا کرے۔ تا آخر۔

حکیم الاسلام الشیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ جامعہ ازہر مصر

ای من شانھم المعروف المعھود القیام علی النساء بالحمایة والرعایة

مردوں کے معروف و معلوم حال میں سے عورتوں پر غلبہ ہے۔ اس غلبہ کی وجہ یہ ہے

والولاية والكفاية ومن لوازم
ذلك ان يفرض عليهم الجهاد دونهن
فانه يتضمن الحماية لهن وان يكون
حظهم من الميراث اكثر من حظهن
لان عليهم من النفقة ما ليس عليهن
وبسبب ذلك ان الله تعالى فضل
الرجال على النساء في اصل الخلقة
واعطاهم ما لم يعطهن من الحول
والقوة فكان التفاوت في التكاليف
والاحكام ۔ الى آخره۔
(تفسیر منار جزء خامس ص ٦٧)

کہ مرد عورتوں کی حمایت، رعایت، ولایت
اور کفایت کے پابند اور اہل ہوتے ہیں.
اسی وجہ سے مردوں پر جہاد فرض ہے
لیکن جہاد عورتوں پر فرض نہیں. جہاد میں
عورتوں کی حمایت ہے۔ اسیطرح میراث
میں مردوں کا حصہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ
اس نے عورت پر خرچ کرنا ہوتا ہے جبکہ
عورت پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں
ہوتی۔ یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالےٰ
نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے
جسمانی لحاظ سے۔ اور مردوں کو جو طاقت
اور قوت دی ہے وہ عورتوں کو نہیں دی اسی لئے فرائض واحکامات میں
بھی فرق ہے۔

امام المدققین علامہ محی الدین شیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(قوله يقومون عليهن قيام
الولاة على الرعية) مستفاد من صيغة
القوام فانه اسم لمن يكن مبالغا في
القيام بالامر مسلطا عليه نافذ
الحكم في حقه ليصير كانه امير
عليه والقوام والقيم بمعنى واحد

مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں جیسے بادشاہ
رعیت پر حاکم ہوتے ہیں. یہ مفہوم قوام کے
صیغہ سے معلوم ہوا۔ کیونکہ یہ اسم ہے اس
شخص کیلئے جس کے غلبہ میں مبالغہ ہو حکمرانی
میں اور حکم جاری کرنے پر مقرر کیا گیا ہو
اور حکم کو نافذ کرنے والا ہو اسکے حق میں

والقوام ابلغ وھو القیم بالمصالح والتدبیر والاھتمام بالحفظ۔ (قولہ بسبب تفضیلہ) اشارۃ الیٰ ان الباء سببیۃ وما مصدریۃ (قولہ والامامۃ) یعم الامامۃ الکبریٰ والصغریٰ التی ھی الامامۃ فی الصلوٰۃ۔ الیٰ اخرہ۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ج ۲ ص ۲)

تاکہ یہ واضح ہو کہ وہ گویا اس پر امیر ہے قوام اور قیم ہم معنیٰ ہیں البتہ قوام زیادہ بلیغ ہے اور مرد قائم ہوتا ہے مصالح اور تدبیر اور حفاظت کے انتظام پر۔ (قولہ بسبب تفضیلہ) یہ اشارہ ہے اسطرف کہ با سببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے (قولہ والامامۃ) یہاں عموم ہے اور امامت سے مراد امامتِ کبریٰ (ملکی سربراہ) اور امامتِ صغریٰ نماز کی امامت ہو سکتی ہے اس تعمیم سے یہ واضح ہو گیا کہ عورت امامتِ صغریٰ وکبریٰ دونوں کی اہل نہیں۔ مرد چونکہ قوام ہے اس لئے وہی امامتِ مطلقہ کا اہل ہے۔''

قاضی القضاۃ امام ابی السعود محمد بن محمد العمادی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۵۱ھ فرماتے ہیں

(الرجال قوامون علی النساء) کلام مستانف مسوق بیان سبب استحقاق الرجال الزیادۃ فی المیراث تفصیلاً اثر بیان تفاوت استحقاقھم اجمالاً وایراد الجملۃ اسمیۃ والخبریۃ علی صیغۃ المبالغۃ للایذان بعراقتھم فی الاتصاف بما اسند الیھم ورسوخھم فیہ

یہ کلام ابتدائی ہے اور اس کلام سے مردوں کا وہ استحقاق تفصیلاً بیان کرنا مقصود ہے جس کے باعث انہیں میراث میں زیادہ حصہ ملتا ہے۔ اس سے پہلے استحقاق کا فرق اجمالاً بیان ہوا ہے۔ جملہ کو اسمیہ لاکر اور خبر میں صیغہ مبالغہ کو استعمال کر کے اسطرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ اپنے مسند الیہ میں نہایت

ای شانهم القیام علیهن بالامر والنهی قیام الولاة علی الرعیة۔ (تفسیر ابی السعود جز ثانی صـ۱۷۳)

مضبوط اور پکڑ ہے۔ یعنی مردوں کی شان یہ ہے کہ وہ عورتوں پر غالب ہیں امر ونہی میں جیسے والی (حکمران) غالب ہوتے ہے رعیت پر۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں

(الرجال قوامون علی النساء) الرجال اهل قیام علی نسائهم فی تادیبهن والاخذ علی ایدیهن فیما یجب علیهن لله ولانفسهم (تفسیر طبری ج ۵ صـ۵۷)

مرد اہل ہیں عورتوں پر حکمرانی کے عورتوں کی تادیب کرنے اور ان کی مدد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اُن معاملات میں جو عورتوں پر واجب ہیں اللہ تعالے کے لئے اور خود مردوں کے لئے۔

علامہ احمد مصطفٰے المراغی فرماتے ہیں

یقال هذا قیم المرأة وقوامها اذا کان یقوم بامرها ویهتم بحفظها۔ (تفسیر المراغی ج ۵ صـ۲۶)

کہا جاتا ہے کہ یہ قیّم ہے عورت کا اور قوّام ہے اسکا جب وہ مقرر ہو اس کے معاملہ پر اور اسکی حفاظت کا اہتمام کرے۔

علامہ سلیمان بن عمر العجیلی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۰۴ھ فرماتے ہیں

(قوله قوامون) جمع قوام وهو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب والرجل یقوم بامر المرأة

قوّامون، قوام کی جمع ہے اور قوام اسکو کہا جاتا ہے جو قائم ہو مصلحتوں تدبیر اور تادیب پر۔ اور مرد مقرر ہوتا ہے

یجتهد فی حفظها، وقوله مسلطون یشیر بہ الی ان المراد قیام الولاة علی الرعایا۔ (تفسیر الفتوحات الالٰہیہ ج ۱ ص ۲۷۸)

عورت کے معاملے پر اور کوشش کرتا ہے اس کی حفاظت کی۔ مفسر نے مسلطون کے ساتھ اشارہ کیا ہے اس بات کیطرف کہ یہاں مراد قیام سے بادشاہوں کا رعایا پر قائم ہونا ہے جیسے بادشاہ رعایا پر قوام ہوتے ہیں۔ یونہی مرد عورتوں کے لئے قوام ہوتے ہیں۔

حجۃ الاسلام امام ابی بکر احمد بن علی الرازی الجصّاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(الرجال قوامون علی النساء) قیامهم علیهن بالتادیب والتدبیر والحفظ والصیانة لما فضل اللّٰه به الرجل علی المرأة فی العقل والرای وبما الزمه اللّٰه تعالیٰ من الانفاق علیها فدلت الاٰیة علی معانٍ۔ احدها تفضیل الرجل علی المرأة فی المنزلة وانه هو الذی یقوم بتدبیرها وتادیبها وهذا یدل علی انه امساکها فی بیته ومنعها من الخروج وان علیها طاعته وقبول امره مالم تکن معصیة ودلت علی

مردوں کا عورتوں پر قیام، تادیب، تدبیر تحفظ اور صیانت کے سلسلہ میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے عقل اور رائے میں، اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ آیتِ مذکورہ (الرّجال قوّامون) کئی معنوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ ایک تو مرد کی عورت پر فضیلت ہے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے۔ کیونکہ مرد ہی عورت کے معاملات اور تادیب کا ذمہ دار ہوتا ہے یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مرد کیلئے ضروری ہے کہ وہ عورت کو گھر میں

وجوب نفقتها علیہ۔ (احکام القرآن جلد ثالث ص۱۲۸)

رکھے۔ اور بلا وجہ گھر سے باہر نکلنے سے منع کرے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ عورت پر مرد کی فرمانبرداری اور اسکے حکم کو قبول کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اس کا حکم گناہ کے سلسلہ میں نہ ہو۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد پر عورت کا نان نفقہ واجب ہے۔"

علامہ الشیخ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن ابن عباس الرجال قوامون علی النساء یعنی امراء علیھن ان تطیعہ فیما امرھا اللہ بہ من طاعتہ وطاعتہ ان تکون محسنۃ الی اھلہ وحافظۃ لمالہ بما فضل اللہ۔ وفضلہ علیھا بنفقتہ وسعیہ۔

(تفسیر درمنثور جلد ۲ ص۱۵۱)

تخریج کی ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے " الرجال قوامون علی النساء " یعنی مرد امیر ہیں عورتوں پر اسلئے انکو چاہیئے کہ وہ مردوں کی اطاعت کریں اُن معاملات میں جن میں انکی اطاعت کا اللہ تعالے نے حکم دیا ہے اور وہ بھلائی ہے اسکے اہل کے ساتھ اور حفاظت ہے اس کے مال کی۔ " بما فضل اللہ " اور مرد کی عورت پر فضیلت مرد کے عورت پر خرچ کرنے اور کوشش کرنے کے باعث ہے۔

ای بتفضیلہ لہم علیہن بالعلم والعقل والولایۃ وغیر ذلک وبما انفقوا علیہن من اموالہم فالصالحات منہن قانتات مطیعات لازواجہن — حافظات للغیب ای لفروجہن و غیرھا فی غیبۃ ازواجہن۔ بما حفظہن اللہ حیث اوصیٰ علیہن الازواج والتی تخافون نشوزہن عصیانہن لکم بان ظہرت امارتہ فعظوھن فخوفوھن من اللہ واھجروھن فی المضاجع اعتزلوا الی فراش اٰخر ان اظہرن النشوز واضربوھن ضربًا غیر مبرح ان لم یرجعن بالہجران فان اطعنکم فیما یراد منہن فلا تبغوا تطلبوا علیہن سبیلاً طریقًا الی ضربہن ظلمًا۔
(تفسیر جلالین ص۷۵)

فضیلت بخشی ہے اللہ نے مردوں کو عورتوں پر علم، عقل اور حکمرانی اور اس کے علاوہ میں یہ" وبما انفقوا علیہن من اموالہم" پس انمیں نیکو کار عورتیں تواضع اور اطاعت کرتی ہیں اپنے شوہروں کی (حافظات للغیب) یعنی حفاظت کرتی ہیں اپنی شرمگاہوں وغیرہ کی مرد کی غیر موجودگی میں "بما حفظہن اللہ" اللہ تعالیٰ نے جیسے مردوں کو ان کی حفاظت کا حکم دیا ہے" والتی تخافون نشوزہن" وہ عورت جس کی نافرمانی کی تمہارے لئے نشانیاں ظاہر ہو جائیں فعظوھن تو اُسے اللہ سے ڈراؤ واھجروھن فی المضاجع" اور اگر مرد ان سے نافرمانی دیکھیں تو انکو علیحدہ کر دیں دوسرے بستر کیطرف یعنی انکے ساتھ سونا چھوڑ دیں اور اگر وہ اس کے باوجود نافرمانی سے باز نہیں آتی تو اُسے اس حد تک مارے کہ زخم نہ ہو۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کرتی ہیں جس چیز کو کہ تم چاہتے تھے تو خواہ مخواہ ان پر ظلم کرنے کی راہ تلاش نہ کرو۔"

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں

(الرجال قوامون علی النساء) یقومون علیھن قیام الولاۃ علی الرعیۃ مسلطون علی تادیبھن وسمو الرجال قواما لذلک والقوام والقیم بمعنی واحد والقوام ابلغ وھو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب الی اخرہ (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۹۸)

مرد عورتوں پر قائم ہوتے ہیں جیسے بادشاہ رعیت پر مسلط ہوتے ہیں ان کو ادب سکھانے پر۔ اسی وجہ سے مردوں کو قوام کہا گیا ہے۔ قوام اور قیم ہم معنی ہیں۔ البتہ قوام زیادہ بلیغ ہے۔ اور مرد قائم ہوتا ہے مصالح، تدبیر تادیب وغیرہ میں۔

امام الجلیل محی السنۃ ابی محمد الحسین بن الفراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں

(الرجال قوامون علی النساء) ای مسلطون علی تادیبھن، والقوام والقیم بمعنی واحد والقوام ابلغ وھو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب (بما فضل اللہ بعضھم علی بعض) یعنی فضل الرجال علی النساء بزیادۃ العقل والدین والولایۃ وقیل بالشھادۃ لقولہ تعالی فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان وقیل بالجھاد وقیل بالعبادات من الجمعۃ

مرد مسلط ہیں عورتوں کی تادیب پر۔ قوام اور قیم کا معنی ایک ہی ہے اور قوام زیادہ بلیغ ہے۔ اور مرد قائم ہیں عورتوں کے مصالح تدبیر و تادیب پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ عقل اور دین کی زیادتی میں اور حکمرانی میں اور کہا گیا ہے کہ یہ فضیلت شہادت میں ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اگر دو مرد شہادت دینے والے نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں شہادت

والجماعة ۔ الیٰ آخرہ

(تفسیر معالم التنزیل جزء اول ص۴۲۳)

(گواہی) دینا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فضیلت جہاد کے باعث ہے اور یہ قول بھی کیا گیا ہے کہ یہ فضیلت عبادت کی زیادتی، جمعہ اور جماعتوں میں شرکت کی وجہ کے باعث ہے۔۔

رئیس المفسرین امام ابی عبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبیؒ فرماتے ہیں

الثانیة ۔ ودلت هذه الآية
علی تادیب الرجال نساءهم، فاذا
حفظن حقوق الرجال فلا ینبغی ان
یسیء الرجل عشرتها۔ "قوّامٌ"
فعّال للمبالغة من القیام علی الشیء
والاستبداد بالنظر فیه وحفظه
بالاجتهاد، فقیام الرجل علی النساء
هو علی هذا الحد، وهو ان یقوم
بتدبیرها و تادیبها وامساکها فی
بیتها ومنعها من البروز، وان
علیها طاعته وقبول امره مالم تکن
معصیة، وتعلیل ذلک بالفضیلة
والنفقة والعقل والقوة فی امر
الجهاد والمیراث والامر بالمعروف
والنهی عن المنکر الیٰ آخرہ۔

دوم ۔ اور یہ آیت دلالت کرتی ہے اس
پر کہ مرد عورتوں کو ادب سکھائیں پس جب
عورتیں مردوں کے حقوق کا خیال رکھیں تو
مرد کو زیب نہیں دیتا کہ وہ عورت سے
برا سلوک روا رکھے ۔ قوام، فعّال کے وزن
پر مبالغہ کا صیغہ ہے اور اسکا مطلب
قیام علی الشیء یعنی کسی چیز پر مقرر ہونا قائم
ہونا، اسکی حفاظت میں مستقل ہونا وغیرہ ہے
اور یہ کہ اس کی دیکھ بھال میں کوشش کرے
اور اس کی حفاظت میں جدوجہد کرے۔
مردوں کا قیام عورتوں پر اسی حد تک ہے کہ
عورت کی تدبیر اور تادیب پر اور اس کو
گھر میں روکے رکھنے اور باہر نکلنے سے
منع کرنے پر مقرر رہتا ہے۔ اور عورت
پہ لازم ہے کہ وہ مرد کی فرمانبرداری کرے

(تفسیر قرطبی جلد خامس ص۱۶۹) اور اسکے حکم کو قبول کرے جب تک کہ وہ حکم گناہ کے سلسلہ میں نہ ہو اور اس قیام کی وجہ اور سبب مرد کی فضیلت ہے اور اسکا عورت پر خرچ کرنا اور زیادتی عقل اور قوتِ جہاد اور میراث کے معاملہ میں اور اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنے کی صلاحیت ہے۔"

امام علامہ محی السنۃ علاء الدین علی بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(الرجال قوامون علی النساء) ای مسلطون علی تادیب النساء والاخذ علی ایدیھن۔ الی آخرہ

مرد عورتوں کو ادب سکھانے اور انکی امداد کرنے پر مسلط ہیں۔

(تفسیر خازن جلد اول ص۳۴۴)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکیؒ متوفی ۱۲۴۱ھ فرماتے ہیں

وھذا کلام مستانف قصد بہ بیان تفضیل الرجال علی النساء وافاد ان التفضیل لحکمتین الاولی وھبیۃ والثانیۃ کسبیۃ واعلم ان جنس الرجال افضل من جنس النساء فلا ینافی ان بعض افراد النساء افضل من بعض افراد الرجال کمریم بنت عمران و

یہ کلام ابتدائی ہے اس سے مقصد عورتوں پر مردوں کی فضیلت بیان کرنا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کی عورتوں پر فضیلت دو حکمتوں کی وجہ سے ہے۔ پہلی وہبی اور دوسری کسبی۔ اور یہ حقیقت کسی شبہ سے بالاتر ہے کہ جنسِ مرد، جنسِ عورت سے افضل ہے۔ اس قاعدہ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا کہ بعض عورتیں بعض

وفاطمة الزهراء وخديجة وعائشة (قوله مسلطون) ای قیام سلطنة کقیام الولاة علی الرعایا، فالمرأة رعیة زوجها۔ وفی الحدیث (کل راع مسئول عن رعیته) (قوله ویاخذون علی ایدیهن) ای یمنعوهن من کل مکروه کالخروج من المنزل۔ الی آخره

(تفسیر الصاوی جزء اول صہ۲۰۴)

مردوں سے افضل ہیں۔ جیسے حضرت مریم سیدہ فاطمۃ الزہراء اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھن۔ (قولہ مسلطون) یعنی مرد کی قیام سلطنت جیسے بادشاہوں کی رعایا پر سلطنت قائم ہوتی ہے اسطرح عورت خاوند کی رعیت ہے۔ اور حدیثِ پاک میں ہے ہر چرواہا اپنی رعیت سے سوال کیا جائے گا۔ (قولہ یاخذون علی ایدیھن) یعنی مرد عورتوں کو ہر مکروہ اور ناجائز کام سے روکتے ہیں جیسے عورتوں کا گھروں سے نکلنا وغیرہ۔

علامہ ابوالفضل رشید الدین المیبدی فرماتے ہیں

(الرجال قوامون علی النساء) مقاتل گفت: ایں آیت در شانِ سعد ابن الربیع بن عمرو الانصاری فرو آمد۔ زن وی حبیبہ بنت زید بن ابی زہیر الانصاریہ نافرمانی کرد، ونشوز نمود، سعد لطمہ ای بروی زد حبیبہ بخشم برفت۔ پدر بار شد پدرش پیش مصطفیٰ شد و شکایت کرد از سعد وگفت، "افرشتہ کریمتی فلطمھا"، دختر گرامی

مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت "الرجال قوامون"، حضرت سعد بن الربیع بن عمرو الانصاری کے معاملہ میں نازل ہوئی۔ آپ کی بیوی حبیبہ بنت زید بن ابی زہیر الانصاریہ نے نافرمانی کی اور نشوز دکھایا تو حضرت سعد نے انکے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ حبیبہ غصہ کے باعث باپ کے پاس پہنچی اور شکایت کی۔ والد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے

خویشں را فراش وی ساختم واو را بزد ۔
رسولِ خداؐ گفت او را بر شوہر قصاص است
حبیبہ رفت تا قصاص خواہد ۔ رسولؐ او را
باز خواند و گفت، توقف کن تا جبرئیل فرود آید
واز آسمان حکم آرد ۔

آں ساعت جبرائیل فرود آمد
وآیت آورد (الرّجال قوّامون علے
النساء) فقال النبیؐ را داد اللہ امرًا
واردنا امرًا والّذی ارادہ اللہ خیرٌ
معنیٔ آیت آنست کہ مرداں بر زناں مسلّط
اند، و بر سرِ ایشاں بداشتہ، تا ایشاں را
تادیب وتعلیم میکنند ۔ وآنچہ صلاح ایشاں
است بایشاں مینمایند وفرا آں میدارند
ومیاں ایشاں قصاص نیست مگر در نفس
و در جرح مرداں را بر زناں فضل است
بافزونی عقل و دین ویقین وقوتِ عبادت
وکمالِ شہادت واستحقاقِ نبوّت وخلافت
وامارت و دیت ومیراث دو چنداں زناں
وطلاق در دستِ مرداں ۔ وزناں را
یک شوی ومرداں را چہار زن وزناں
را در خانہ نشستن آئین کہ اللہ تعالیٰ گفت

اور حضرت سعد کی شکایت کی اور عرض کیا
کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنی پیاری بیٹی
سعد کے نکاح میں دی ہے اور اس نے
اسکو مارا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا
کہ وہ شوہر سے بدلہ لے سکتی ہے۔ حبیبہ
دربارِ نبوی سے روانہ ہوئی تاکہ مرد سے
بدلہ لے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
انکو واپس بلاکر فرمایا کہ ٹھہرو تاکہ جبرائیل
علیہ السلام آجائیں اور اللہ تعالےٰ سے اس
سلسلہ میں حکم لے آئیں۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام
حاضر دربارِ رسالت ہوئے اور یہ آیت
لائے "الرّجال قوّامون علی النساء"
اس حکمِ ربّی کے پہنچنے پر حضور علیہ السلام نے
فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک کام کا ارادہ
فرمایا جبکہ ہم نے اور کام کا ارادہ کیا تھا
اور جو اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا ہے وہی
بہتر ہے۔

اس آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد
عورتوں پر مسلّط ہیں اور وہ انکے نگران ہیں
تاکہ انکو ادب سکھائیں اور تعلیم دیں اور جو
کچھ انکے لئے بہتر ہے وہ انہیں دکھائیں۔

(وقرن فی بیوتکن) و مرداں را بیرون شدن و جہاد کردن کہ اللہ تعالےٰ گفت " انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ " (تفسیر کشف الاسرار و عدۃ الابرار جلد ۲ صہ ۴۹۲)

اور اس پر قائم رکھیں۔ عورتوں کے سلسلہ میں مردوں سے قصاص نہیں ہے لیکن زخم یا قتل کا قصاص ہوگا۔ اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے بوجہ زیادتی عقل، دین، یقین قوتِ عبادت اور شہادت میں مکمل ہونے کے باعث۔ نبوت خلافت اور امارت کا حقدار ہونے کی وجہ سے، دیت اور میراث عورتوں سے دوگنی ہونے کی وجہ سے۔ اور طلاق کا اختیار مردوں کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے۔ اور عورتوں کو ایک مرد کی اجازت ہے جب کہ مرد کو چار عورتوں کی اجازت ہے۔ اور عورتوں کا گھروں میں رہنا قانونِ الٰہی ہے جسطرح کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا (وقرن فی بیوتکن) اور مردوں کو باہر جانا اور جہاد کرنا ضروری ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا، نکلو ہلکے ہو یا بھاری ہو کر اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں کیساتھ اللہ کی راہ میں۔

شیعہ مفسر علامہ السید ہاشم البحرانی فرماتے ہیں

عن الحسن بن ابی طالب علیہ السلام قال جاء نفر من الیھود الیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فسألہ اعلمھم عن مسائل فکان فیما سألہ، قال لہ، ما فضل الرجال علی النساء؟ فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم کفضل السماء علی الارض وکفضل

حضرت حسن بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک یہودی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ مجھے چند مسائل بتائیں۔ اس نے جو سوال کیے انہیں سے ایک یہ تھا کہ مردوں کو عورتوں پر کیا فضیلت ہے۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا مردوں کو

السماء على الارض، فالماء يحيي الارض
لولا الرجل ما خلق الله النساء
يقول الله عز وجل "الرجال قوامون
على النساء - الى آخره
(تفسیر البرہان جلد ۵ ص ۳۶۷)

عورتوں پر یوں فضیلت ہے جیسے آسمان
کو زمین پر۔ اور جیسے پانی کو زمین پر۔ پانی
زمین کو زندگی بخشتا ہے۔ اگر مرد نہ ہوتے تو
تو اللہ تعالیٰ عورتوں کو پیدا نہ فرماتے اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے " الرجال قوامون علی النساء"

مشہور شیعہ مفسر علامہ حسین بن احمد الحسینی الشاہ عبدالعظیمی فرماتے ہیں

(الرجال قوامون على النساء)
مرداں قیمند بر زناں۔ مسلطند بر ایشاں
در تدبیر و تادیب و ریاضت و تعلیم و کار
گزاراں و قائمند به امور معاش ایشاں مانند
قیام ولات بر رعیت ۔"
(تفسیر اثنا عشری جلد دوم ص ۴۱۹)

مرد عورتوں پر قیم ہیں اور ان پر مسلط ہیں
تدبیر، تادیب، ریاضت اور تعلیم میں۔
اور کام انجام دینے والے اور قائم ہیں
انکی روزی کے معاملات میں۔ جیسے حاکم
رعیت پر قائم اور ان کے معاملات کے
ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

الرجال قوامون على النساء
بما فضل الله بعضهم على بعض وبما
انفقوا من اموالهم۔
(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ص ۹۹)

ترجمہ: مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے
کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی
اور اسلئے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال
خرچ کئے۔

صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

تو عورتوں کو انکی اطاعت لازم ہے اور مردوں کو حق ہے کہ وہ عورتوں پر رعایا کیطرح حکمرانی کریں۔ اور ان کے مصالح اور تدابیر اور تادیب وحفاظت کا سرانجام کریں۔

(خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص۹۹)

علامہ ابوالکلام آزاد۔ فرماتے ہیں

البتہ اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے۔ اور ایسی ہی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے مرد عورتوں کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے سربراہی وکار فرمائی کا مقام قدرتی طور پر انہی کے لئے ہوگیا ہے۔ (تفسیر ترجمان القرآن ص۳۲۹ ج ۱)

مرد کے قوام ہونے اور قوام کے معنی حاکم ہونے پر لغت کی کتابوں اور تفاسیر سے دلائل نقل کئے گئے۔ ان دلائل کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اب کسی کے لئے یہ گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ یہ کہہ سکے کہ قوام کے معنی حاکم کے نہیں ہو سکتے۔ اتنے جلیل القدر ائمہ لغت وتفسیر نے قوام کے معنی حاکم کے کئے ہیں۔ بقول طارق "قوام کے معنی حاکم کرنے سے سقم پیدا ہوتا ہے"، کیا یہ تمام حضرات اس سقم سے بے خبر تھے؟ اور اس جلالتِ شان اور عظمتِ علمی کے باوجود انکو عبارت اور مفہوم کے اسقام کا بھی علم نہ تھا اور یہ صرف طارق کو ہی علم ہو سکا۔ کیا یہ ائمہ وعلماء کی توہین نہیں ہے اور اسلام کی تنقیصِ شان نہیں ہے کہ آج تک جتنے بھی مفسرینِ کرام گذرے ہیں وہ اتنے کم علم اور نااہل تھے کہ وہ قرآن عظیم کے مفہوم، عبارت اور معانی کو بھی نہ سمجھ سکے اور مذہب اسلام میں چودہ سو سالوں میں ایک ایک بھی ایسا آدمی پیدا نہ ہوا جس کو قرآن پاک کے مفہوم ومطالب کا صحیح علم ہو سکا ہو۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلام آج تک ناقابلِ فہم رہا ہے کوئی سمجھ نہ سکا۔ لہذا امتِ مسلمہ کی چودہ صدیاں لاعلمی اور بے خبری میں گذری ہیں۔ اس عرصہ میں جتنے احکامات نافذ ہوتے رہے فیصلے صادر ہوتے رہے سب کے سب غلط تھے اور دورِ حاضر میں صرف طارق ہی ایک ایسی ہستی پیدا ہوئی جس نے اسلام اور قرآن کو صحیح سمجھا اور اب سب کچھ صحیح ہو گیا ہے۔

شاید یہی فہم و ادراک کا کمال اور علم و دانش کا معجزہ ہے کہ عورت کی سربراہی کو صرف جائز ہی قرار نہیں دیا جا رہا بلکہ عورتوں کے سماجی حقوق کی بازیابی، تحفظ اور قیام کے لئے عورت کی سربراہی کو لازمی قرار دیا جا رہا ہے اور مردوں کی حکمرانی پر اس طرح اعتراضات کئے جا رہے ہیں کہ وہ حکمران جو دردِ زہ کی حالت میں جیسے عورت چیختی ہے یوں اپنے اوپر کیفیت طاری کر کے چیختے تھے اور زنخے تھے اس کے باوجود ان کی حکمرانی کو جائز قرار دیا جاتا ہے، لیکن ایک حشر بپا مال تمام صلاحیتوں سے لیس اور تمام صفات سے متصف خاتون کی سربراہی کو محض اسلئے ناجائز قرار دیا جاتا ہے کہ وہ عورت ہے۔

یہ طارق کا علمی معیار ہے جس کے بل بوتے پر وہ چودہ سو سال میں گذرنے والے تمام ائمہ مفسرین کو قرآن پاک کے معانی و مطالب سمجھنے کے لئے نااہل قرار دے رہا ہے اور خود کو تاریخِ اسلام کا سب سے بڑا عالم ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا کسی مرد کی نااہلی یا چیخنے چلانے کی عادت سے عورت کے لئے جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ کسی ایک چیز کے عدمِ جواز کو دوسری ناجائز چیز کے لئے جواز کا سبب قرار دینا یہ بھی طارق کے علمی، فنی اور جوہری کمالات کا کرشمہ ہے۔

کسی مرد کا امامت کے لئے نااہل ہونا جنسِ مرد کی خصوصیتِ قوامیت کو نہ تو ناجائز بنا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے جنسِ مرد کی اہلیتِ امامتِ کبریٰ و صغریٰ پہ کوئی حرف آ سکتا ہے۔ یونہی کسی عورت کا علم و فضل یا شجاعت و بہادری جنسِ عورت کے لئے امارت کے جواز

کا باعث نہیں بن سکتا۔ قواعد و قوانین کی اساس اکثریت ہوتی ہے۔ اقلیت قاعدہ و قانون پر تو اثر انداز ہو سکتی ہے اور نہ ہی اُسے بدل سکتی ہے مرد زنخہ ہو یا ہیجڑے چلاتے یا اس میں کوئی اور عیب ہو بہر حال و بہر طور ایسے افراد کے عیب جنس مرد کے لئے طے شدہ قوانین و قواعد کو سبوتاژ نہیں کر سکتے۔

یہاں تک تو وہ حقیقت بیان ہوئی جسکو مسخ کرنے کی طارق نے کوشش کر کے بدنیتی کا مظاہرہ کیا ہے حالانکہ جہاں تک نااہل اور شرائط امامت پر پورا نہ اترنے والے مرد ہیں، کون انکی حمایت کرتا ہے اور انہیں کون شرعی یا اسلامی سربراہِ مملکت گردانتا ہے۔؟

شرائطِ امامت ہم پہلے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک شرط ذکوریت (مرد ہونا) ہے مرد ہی امامت کا اہل ہو سکتا ہے عورت نہیں ہو سکتی۔ مرد کس صورت میں امامت کا اہل ہو گا یا کیسا مرد امامت کی اہلیت رکھتا ہو گا؟ جب وہ باقی تمام شرائط کو پورا کرے۔ اور اگر ایک شرط کو بھی پورا نہیں کرتا تو وہ امامت کا اہل نہیں ہو گا۔ کسی دور میں اگر ایسے نااہل افراد منصب امامت تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تو یہ حالات کی ستم ظریفی تھی۔

یوں تو کبھی نہ کبھی کوئی عورت بھی سربراہی کے منصب تک جا پہنچی لیکن ایسے نادر حادثات پر نہ تو دلائل شرعیہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو مرد امامت کے منصب کے لئے بہر حال بہتر ہے۔ کیونکہ عورت کی امارت کی وجہ سے جو خرابیاں جنم لیتی ہیں وہ مرد کی صورت میں جنم نہیں لے سکتیں۔ اور ان میں سے بڑی خرابی پردے کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جو عورت کی امارت کی صورت میں لازمتہً پیدا ہوتی ہے اور اس سے بچنا انتہائی مشکل ہے۔ اور کم از کم یہ خرابی مرد کی صورت میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتی۔

قوام کے معنی حاکم ثابت ہو جانے سے یہ آیت مرد کی عورت پر حاکمیت کے لئے نص قطعی ہے

اسی طرح عورت محکوم ہے اور مرد حاکم۔ جب کہ محکوم کی حاکم پر حکومت قطعاً ناجائز اور غیر اصولی ہے۔ اسطرح عورت کی حکومت منشاء الٰہی کے سراسر خلاف ہوگی۔ لہٰذا عورت کی حکومت کو جائز اور اسلامی کہنا زبردست قسم کی ضلالت وگمراہی ہے۔ طارق وشہاب نے عورت کی سربراہی کو جائز کہہ کر جسطرح ضلالت وگمراہی کا طوق اپنے گلے میں اپنے ہاتھوں سجایا ہے یا عامۃ المسلمین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ انتہائی قابل نفرت اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔

اللہ تعالےٰ ایسے نام نہاد مفکرین ومحققین کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

مرد کی فضیلت پر دوسری قرآنی دلیل

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ

بِالْمَعْرُوفِ

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸

ترجمہ۔ اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مطابق۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے

آیت "الرجال قوامون علی النساء" کی تحقیق کے بعد مردوں کی فضیلت پر دوسری قرآنی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ جبکہ ایک حصہ طارق نے اپنی کتاب کی پیشانی پر لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اس آیت سے گویا یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں اور انکا مرتبہ و مقام بھی برابر ہے اور مرد کو عورت پر کوئی فضیلت نہیں اسلئے جسطرح مرد امارت کا اہل ہے اسیطرح عورت بھی امارت کی اہل ہے۔ اگر طارق دیانتداری سے کام لیتا تو آیت کو آخر تک لکھ دیتا اسطرح مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا لیکن طارق کب یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ مرد کی فضیلت ثابت ہو اور عورت کی امارت کے لیے نا اہلی ثابت ہو کیونکہ اسطرح تو طارق کا دجل و فریب کا بچھایا ہوا جال تار تار ہو جاتا اور بنا بنایا کھیل "ہباءً منثوراً" ہو کے رہ جاتا۔ جبکہ اس نے تو تحریف قرآنی اور عامۃ المسلین کو گمراہ کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور خود کو عقل کل ثابت کرنے کے لئے ہر مسئلہ میں اپنی ایک نئی راہ متعین کی ہے۔

شاید اس نے سیاستدانوں کا یہ قول پڑھ کر اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ "شہرت کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہر بات میں اختلاف کیا جائے اور ہر کسی سے علیحدہ راہ متعین کی جائے" آجکل ویسے بھی اس مقولے پر بہت زیادہ عمل کیا جا رہا ہے۔ طارق اور چند پروفیسر تو اسی کو عین ایمان سمجھ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ایسے نام نہاد محققین و مفکرین کے شر سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

آیت کا مطلوبہ حصہ مکمل نقل کیا جا چکا ہے یہ آیت بھی مرد کی افضیلت ثابت کرنے میں انتہائی واضح اور نص قطعی ہے۔ ائمہ مفسرین کی تحقیقی آراء نقل کیجاتی ہیں تاکہ قارئین کو مرد کی فضیلت کے اسباب اور فضائل کا علم ہو سکے جو مفسرین نے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

ملاحظہ ہو: علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور جلد اوّل صفحہ ۲۷۹ پر اس آیت

کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ عبد بن حمید اور ابن جریر نے مجاہد سے تخریج کی ہے فرماتے ہیں "وللرجال علیھن درجۃ" میں مرد کی وہ مخصوص فضیلت مراد ہے جس کے باعث اللہ تعالےٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت اور برتری عطا کی ہے وہ جہاد کے باعث ہے۔ اور میراث میں مرد کا حصہ زیادہ ہونے کے باعث ہے۔

انہی دو حضرات نے ابی مالک سے تخریج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فضیلت طلاق کے اختیار کے باعث ہے جو مرد کو حاصل ہے۔ کیونکہ طلاق کے سلسلہ میں عورت کو کوئی اختیار نہیں یہی حضرات زید بن اسلم سے تخریج کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مرد کو عورت پر فضیلت، امارت کے باعث ہے۔ کیونکہ مرد ہی امیر (سربراہ حکومت) بن سکتا ہے۔ اور عورت امیر نہیں بن سکتی۔

● تفسیر ثعالبی جلد اول ص۱۷۵ پر علامہ عبدالرحمٰن مخلوف ثعالبی رقمطراز ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ فضیلت میراث میں عورت کے حصے سے مرد کے حصہ کی زیادتی کی بنا پر ہے زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہ طاعت سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ عورت پر مرد کی طاعت لازم ہے جب کہ مرد پر عورت کی فرمانبرداری لازم نہیں۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ مرد کو احساس دلانے کے لئے ہے تاکہ وہ عورت سے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے اس سے اچھا سلوک کرے اور مال و اخلاق میں فراخی پیدا کرے۔ اور یہ انتہائی حسین و جمیل قول ہے۔

● تفسیر نسفی جلد اول ص۱۱۵ پر علامہ ابی البرکات فرماتے ہیں کہ مرد کی فضیلت حقوق کی زیادتی اور عورت کے معاملات کی ذمہ داری کی وجہ سے ہے۔ خواہ لذت اور ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے میں عورت اور مرد برابر ہوتے ہیں یا مرد کی فضیلت عورت پر خرچ کرنے کے باعث یا نکاح کی ملکیت کے باعث ہے۔

● تفسیر ابی السعود جلد اول ص۲۲۵ پر امام علامہ ابی السعود محمد بن محمد العمادی تحریر فرماتے ہیں مرد کی فضیلت اور درجہ میں زیادتی مرد کے حقوق میں زیادتی کے باعث ہے۔

وہ یوں کہ مرد کے حقوق عورت کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ عورت کے حقوق کا تعلق مہر، اخراجات اور ضرر سے بچنے کے ساتھ ہے۔

یا مرد کی فضیلت اس لئے ہے کہ وہ عورتوں پر قوام ہوتے ہیں اور انکی نگہبانی کرتے ہیں۔ باوجودیکہ انکے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس میں میاں بیوی کا اشتراک ہوتا ہے کیونکہ رشتہ ازدواج اسی کا مقتضی ہے اس کے باوجود مرد عورت کو رعایت دینے اور اس پر خرچ کرنے پر مستعد رہتا ہے اور اس کے اخراجات بہم پہنچانا اسکی ذمہ داری ہوتی ہے۔

● تفسیر زاد المسیر جلد اوّل صـ۲۲۸ پر امام علامہ ابی الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن جوزی نے انہی دلائل کو ذکر کیا ہے۔ جو ہم پہلے چند تفسیروں سے ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ علامہ ابی الفرج نے مرد کی فضیلت کی ایک اور دلیل ذکر کی ہے۔ علامہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث پاک سے استدلال کیا ہے۔ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو وہ عورت ہوتی جس کو اپنے شوہر کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔ حضرت سعید بن مسیبؓ کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ ہم اپنے خاوندوں سے یوں کلام کرتی تھیں جیسی تم لوگ اپنے حاکموں سے کرتے ہو۔

● تفسیر سراج منیر جلد اوّل صـ۱۴۸ پر علامہ خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ۔

● تفسیر صاوی جلد اوّل صـ۹۹ پر علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمۃ اللہ علیہ

● تفسیر جلالین صـ۷۴ پر علامہ جلال الدین سیوطی و محلی رحمۃ اللہ علیہما

● تفسیر تنویر المقیاس صـ۳۰ پر علامہ ابی طاہر محمد بن یعقوب رحمۃ اللہ علیہ

● تفسیر طبری جلد دوم صـ۴۵۴ پر علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ

● تفسیر جواہر طنطاوی جلد اوّل صـ۲۰۸ پر علامہ استاد الشیخ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ

● تفسیر فتح القدیر جلد اوّل صـ۴۳۷ پر علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ

● تفسیر معالم التنزیل جلد اوّل صـ۱۹۱ بہامشہ خازن پر علامہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ

- تفسیر بیضاوی صث۲ پر امام قاضی ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر شیرازیؒ
- تفسیر قاسمی جلد سوم صث۲۴۶ پر علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ
- تفسیر ابن کثیر جلد اول صث۲۷۱ پر امام جلیل عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیرؒ
- تفسیر نیشاپوری جلد دوم صث۲۶ پر امام نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ
- تفسیر خازن جلد اول صث۱۹۱ پر علامہ علاؤ الدین بن محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

مندرجہ بالا مفسرین تقریباً ایک جیسے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ یہاں تفسیر سراج منیر کی عبارت کا مفہوم نقل کیا جاتا ہے اسی کو مذکورہ بالا مفسرین کا ترجمان سمجھ لیا جائے۔

- امام علامہ شربینی زیر بحث آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: (وللرجال علیھن درجۃ) یعنی مردوں کو عورتوں پر حقوق میں فضیلت حاصل ہے حالانکہ حصول لذت میں دونوں برابر ہیں۔ اگر مرد عورت سے تلذذ حاصل کرتا ہے تو عورت بھی مرد سے تلذذ حاصل کرتی ہے۔ لہذا حصولِ تلذذ پر فضیلت کا دارمدار نہیں۔ بلکہ مرد کو عورت پر فضیلت قوام ہونے کے باعث اور عورت کی مصلحتوں پر خرچ کرنے کے باعث حاصل ہے

اور فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرد کے حقوق کا تعلق عورت کی ذات سے ہے جبکہ عورت کے حقوق کا تعلق مرد کی ملکیت اور اخلاق سے ہے۔ یعنی مہر نان ونفقہ اور عورت کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فضیلت کی وجہ جہاد کی اہمیت ہے۔ بعض نے میراث میں مرد کے حصہ کی زیادتی کو وجہ فضیلت قرار دیا ہے بعض نے دیت اور بعض نے عقل کے کمال کو فضیلت کا سبب بتایا ہے۔

- تفسیر قرطبی جلد سوم صث۱۲۴ پر علامہ ابی عبداللہ محمد بن احمد انصاری فرماتے ہیں کہ عقل مند پر، مردوں کی عورتوں پر فضیلت مخفی نہیں ہے اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اور کوئی فضیلت نہیں ہے تو کم از کم اس سے تو انکار ممکن نہیں کہ عورت مرد سے پیدا ہوئی ہے اور مرد عورت کی اصل ہے نیز مرد کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ عورت مرد کی اجازت

کے بغیر خرچ نہیں کر سکتی۔ نفلی روزے بھی مرد کی اجازت کے بغیر نہیں رکھ سکتی۔ اور مرد کے بغیر حج بھی نہیں کر سکتی۔

● تفسیر روح المعانی جلد اوّل صفحہ ۱۳۵ پر علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اس آیت کریمہ میں مرد کے حق کی زیادتی بیان کرنا مقصود ہے۔ مرد کے حقوق اس لئے زیادہ ہیں کہ انکا تعلق عورت کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیثِ پاک میں ہے کہ نکاح غلامی کی مثل ہے۔ عورت نکاح کے بعد مرد کی غلامی میں آجاتی ہے۔ یا مرد کا مرتبہ اس لئے بلند ہے کہ اسے شرفِ فضیلت حاصل ہے بسبب اس کے کہ مرد عورت پر قوام ہوتا ہے اس کی نگہداشت اور حفاظت کرتا ہے اور عورتوں کے ساتھ شادی کی اغراض میں بھی شریک ہوتا ہے۔ یعنی عورت بھی اس سے تلذذ حاصل کرتی ہے اور رہن سہن خرچ و خوراک کے انتظامات بھی مرد کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مردوں کو شرف کی خصوصیت اس لئے بھی حاصل ہوتی ہے کہ وہ عورت کی رعایت اور اس پر خرچ کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔

"وللرّجال علیھنّ درجۃ" میں لفظِ "درجہ" قابلِ غور ہے۔ اس کے متعلق علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ درجہ سیڑھی کے اس ڈنڈے کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اوپر چڑھا جاتا ہے اور جو ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوتے ہیں۔ یہاں درجہ سے مقام و مرتبہ مراد ہو گا۔ اسطرح آیت کا معنی یہ ہوگا کہ مرد کا مقام عورت کے اوپر اور اس کے مقام سے بلند ہے۔

● تفسیرِ مظہری جلد اوّل صفحہ ۲۹۹ پر قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ خلاصۂ تحقیق یوں بیان فرماتے ہیں۔ "وللرّجال علیھنّ درجۃ"۔

اس آیت میں مرد کے حقوق کی زیادتی اور مرد کی فضیلت مراد ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو البتہ عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے عورتوں پر مرد کا حق رکھا ہے اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے قیس بن سعد سے اور امام احمد نے معاذ بن جبل سے

اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

● تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ ۳۵۴ پر امام علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ مرد کے اختیارات کی وسعت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ عورت کو مرد کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ مرد کو ہی طلاق دینے کا اختیار ہے۔ اور طلاق سے رجوع کا اختیار بھی مرد ہی کو ہے خواہ عورت انکار بھی کرے تو اس کے انکار سے رجوع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

● تفسیر البرہان جلد دوم ص ۲۲۰ پر علامہ سید ہاشم البحرانی تحریر فرماتے ہیں کہ روایت ہے حضرت ابی جعفر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟ حضور علیہ السلام نے اس کو فرمایا: عورت پر ضروری ہے کہ وہ خاوند کی فرمانبرداری کرے اور نافرمانی نہ کرے اور خاوند کے گھر سے خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی چیز صدقہ نہ کرے۔ مرد کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ خاوند سے اپنے وجود کو نہ روکے خواہ پالان کی پشت پر ہی کیوں نہ ہو۔ اور گھر سے مرد کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔ اور اگر گھر سے مرد کی اجازت کے بغیر نکلی تو آسمان و زمین اور رحمت و غضب کے ملائکہ اس پر اس وقت تک لعنت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ واپس گھر نہیں آجاتی۔"

تو پھر اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! مردوں پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا اس کے والد کا۔ پھر سوال کیا لوگوں میں سے عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا اس کے خاوند کا۔ تو عورت نے عرض کی جب خاوند کے حق کا یہ حال ہے تو عورت کا خاوند پر اسی قسم کا کیا اور کتنا حق ہوگا۔؟ آپؐ نے فرمایا: مرد اور عورت کے حقوق کا تناسب ایک فیصد کا ہے۔ یعنی مرد کے حقوق کے مقابلہ میں عورت کے حقوق بہت کم ہیں۔

تو سائلہ نے عرض کی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا

ہے میرا مالک کبھی بھی کوئی مرد نہ بن سکے گا۔"

علامہ سید ہاشم کی تحقیقی رائے کے بعد اہلِ تشیع کی دوسری مشہور تفسیر کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ کیونکہ اپنے مذہب سے بے خبر کچھ نام نہاد شیعہ علامے، عورت کی حکمرانی کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور مناظروں کے چیلنج بھی کر رہے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہر چیلنج کے بعد وہ روپوش ہو جاتے ہیں۔ اور میدانِ مناظرہ میں وارد ہونا قبول نہیں کرتے۔ یہ حوالے ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔

● تفسیر اثنا عشری جلد اوّل ص ۴۰۷ پر علامہ حسین بن احمد الحسینی الشاہ عبد العظیمی فرماتے ہیں۔ "وللرجال علیھن درجۃ" وبرائے مرداں باشد بر زناں زیادتی در حقوقِ واجبہ، یا مراد بہ درجہ شرف وفضیلت مرداں است بر زناں، زیرا مرداں کارگذار زناں و سرپرست آناں وشریک آنہا در غرضِ از دواج ومخصوص ہستند مرداں بہ فضیلت رعایت وانفاق، یا بہ مزیت عقل وکمالِ ایمان وضعفِ میراث، یا بہ طلاق ورجعت، چہ سررشتہ طلاق بہ دست مرداں است "

تبصرہ! عدم بہرہ زناں بہ احکام اسلام:

۱۔ عقل کامل ۲۔ ایمان تمام ۳۔ حزم ۴۔ جہاد ۵۔ تدبیر در امورِ مدنی ۶۔ جمعہ ۷۔ جماعت بر مرداں ۸۔ خطبہ ۹۔ اذان اعلامی ۔

۱۰۔ قلت در عبادت ۱۱۔ عدد از دواج ۱۲۔ نبوت ۱۳ امامت ۱۴۔ ولایت

۱۵۔ اقامۂ شعائر ۱۶۔ اختیار طلاق ۱۷۔ تنصیف ارث ۱۸۔ تنصیفِ شہادت

۱۹۔ عدم تبرج (منکشف شدن) ۲۰۔ استشارہ ۲۱۔ قضاوت ۲۲۔ تعلیم کتابت،

۲۳۔ نزول عزف ۲۴۔ تشییع جنازہ ۔

"واللہ عزیز حکیم" وخدا تعالٰے غالب است بر ہمہ کہ مزیت فضل میدہد۔

مرداں را بر زناں ، دانا است بہ حکم و مصالح احکام ایمان در منہج ۔ زنِ معاذ بن جبل از حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سوال نمود ، یا رسول اللہ! حق زناں بر مرداں چیست؟ فرمود! سخن زشت بہ روی زنان مگویند و ایشاں را نرنجانند و بہ ملاطفت یا انہا زندگانی کنند ۔ بر چہ خورند ایشاں را نیز بدہند و آنچہ پوشند نیز بآنہا دہند و مہاجرت از ایشاں نکنند ۔ در کتاب کافی از حضرت باقر علیہ السلام مروی است کہ زنی خدمت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم عرض کرد ، حق زوج بر زوجہ چیست؟ فرمود : اطاعت شوہر خود کنند و بہ او نافرمانی ننماید ، و ہیچ چیز از مال او صدقہ ندہد مگر بہ اذن او ، و روزہ مستحب نگیرد مگر بہ اذن او ، و نفس خود را از او منع نکند اگرچہ بالائے شتر باشد و از خانہ بیروں نرود مگر بہ اذن او ، پس اگر بہ اجازت بیروں رود ، ملائکہ آسمان و زمین و ملائکہ رحمت و غضب بر او لعنت کنند تا باز گردد عرض نمود کیست کہ حقش عظیم تر باشد بر زن؟ فرمود : شوہر او ۔ گفت حق زن نیز چنیں است؟ فرمود نخیر ، حق مرد بر زناں صد و حق زن بر مرد یکی است ۔ زن گفت : بخدا قسم ہرگز شوہر ننمایم ۔ و نیز آں حضرت فرمود اگر جائز بود یکی از شما را امر کنم بہ سجدہ ، ہر آئینہ امر می کنم زناں کہ سجدہ شوہراں خود نمائید ۔"

علامہ حسینی نے انتہائی تفصیل سے عورت کی سربراہی کے عدمِ جواز کے دلائل ذکر کئے ہیں اور مرد کی چوبیس خصوصیات بھی بیان کی ہیں جو مرد کی فضیلت کے ثبوت کے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں ۔ امید ہے عورت کی سربراہی کے جواز کے قائلین شیعہ علماء اپنے ہم مسلک مفسرین کی تحقیق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں سے نکلنے اور راہ حق کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے ۔

مذکورہ بالا دلائل کے بعد عورت کی سربراہی کے جواز کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی خوفِ الٰہی ہو گا وہ اللہ تعالے کے ان واضح احکامات کے بعد سوچ

بھی نہیں سکتا کہ اس کی کوششیں منشاء الٰہی کے خلاف ثابت کرنے کے لئے صرف ہوں۔ اور وہ احکام الٰہی کو غلط رنگ دینے کی مذموم کوشش کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائی کا سزاوار بن جائے مذکورہ دونوں آیتیں جنکی تشریح میں بیشمار مفسرین کے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں مرد کی فضیلت پر نص قطعی ہیں۔ ان نصوص قرآنی کے ہوتے ہوئے فاضل پر مفضول کی حکمرانی، بالادستی اور فضیلت محض چرب زبانی عقلی اور فلسفی دلائل، الفاظ کے ہیر پھیر، اور مطالب و معانی میں خائنانہ تصرف اور غلط حوالوں اور مشاہدات اور عبارتوں کی قطع و برید سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا یقیناً دین سے دوری اور ایمان سے مہجوری ہوگی۔

امید ہے کہ عورت کی حکمرانی کا جواز ثابت کرنے والے نام نہاد مفکرین اور روشن خیال اپنے اس مردود نظریئے سے توبہ کر کے یہ ثابت کر دیں گے کہ انکا مقصد صرف جلب زر نہیں بلکہ ان کو فکر آخرت بھی ہے۔ اور چار روزہ زندگی کے عیش و عشرت کے لئے وہ متاع ایمانی کو داؤ پر نہیں لگانا چاہتے۔

مرد کی فضیلت کے دلائل آپ ملاحظہ فرما چکے۔ مفسرین کرام نے امارت (ملکی سربراہی) کو مرد کے لئے ہی جائز قرار دیا ہے اور عورت کو اسکا نا اہل ٹھہرایا ہے۔ ان دلائل میں عورت کی سربراہی کے عدم جواز کے لئے عورت کے مرتبہ و مقام میں مرد کی بہ نسبت کمی، مرد کا عورت پر حاکمیت، عورت کے عقل و دین کا نقص، حصہ میراث اور شہادت میں کمی، گھر سے باہر نکلنے پر پابندی اور پردہ وغیرہ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اسی بنیاد کو مستحکم کرنے کے لئے ہم آئندہ صفحات میں پردہ کے دلائل ذکر کریں گے تاکہ پردہ کی حقیقت اور اس کے احکام معلوم کر لینے کے بعد یہ معلوم ہو سکے کہ عورت جب سربراہ ملک ہوگی تو اس وقت وہ پردہ برقرار رکھ سکے گی یا نہیں۔ اور اگر پردہ برقرار نہیں رکھ سکتی تو وہ کس قدر گنہگار ہوگی۔ اس گناہ اور احکام الٰہی سے بغاوت کے باوجود بھی عورت سربراہ ملک بن سکتی ہے یا نہیں۔

احکام پردہ اور ملکی سربراہی

پردہ کے موضوع پر بے شمار کتب موجود ہیں۔ جن میں پردہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور کثیر دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ چونکہ ہماری کتاب کا مستقل موضوع پردہ نہیں بلکہ یہاں ہم احکام پردہ سے عورت کے ان احوال پر مختصر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ کیا احکام پردہ ملکی سربراہی کے لیے مانع بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اور عورت امارت کی صورت میں احکام پردہ پر عمل کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر پردہ برقرار نہیں رکھ سکتی تو وہ مطیعہ اور قانتہ ہو گی یا احکام الٰہی کی باغیہ اور فاسقہ ہو گی؟

یہ ملحوظ رہے کہ عورت کی امارت کے عدم جواز پر پردہ منفرد دلیل نہیں بلکہ یہ عدم جواز کے کثیر دلائل میں سے ایک دلیل ہے یہ وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی تاکہ کوئی روشن خیال یہ غلط تاثر دینے کی کوشش نہ کرے کہ اگر کوئی عورت پردہ دار ہو تو وہ امامت کی اہل ہو گی۔ عورت بہر حال امامت کے لئے نااہل ہے اور اس کی نااہلی کی کثیر بنیادی وجوہات ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں آیات قرآنی بھی پیش کر چکے ہیں پردہ کو بطور دلیل اور اس کے احکامات کو اس لیے ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ معاملہ مزید منکشف ہو سکے اور عامۃ المسلمین کو معلوم ہو سکے کہ عورت کی امارت کی صورت میں کتنی خرابیاں لازم آ سکتی ہیں اور کتنے اسلامی احکام مجروح ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر شہاب نے بھی اپنی کتاب کے ص ۳۶ پر "اسلام میں پردے کا تصور" کے عنوان سے پردہ کے انکار پر کافی طویل بحث کی ہے

جو دس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی پوری عبارت نقل کرنے کی تو ہماری کتاب میں گنجائش نہیں اور قارئین کو بھی اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں اتنی عامیانہ باتیں تحریر کی گئی ہیں اور ایسی مثالیں دی گئی ہیں جن کی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں، اس لیے ہم اس کے مضمون کے بعض اہم اقتباسات اور ان کے جوابات پر اکتفا کریں گے۔ پروفیسر کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"موجودہ دور کے مختلف اسلامی ممالک میں عورتوں کے ساتھ متضاد برتاؤ کیا جا رہا ہے بعض ممالک جن میں ترکی، مصر، تیونس، لیبیا، الجزائر اور مراکش شامل ہیں، ان میں عورتیں عملاً مردوں کے مساوی حقوق رکھتی ہیں انہیں آزادی ہے کہ وہ جو کام کرنا چاہیں وہ کر سکتی ہیں اور اس مقصد کے لیے گھر سے باہر جانے کے لیے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن دوسرے بہت سے ممالک جن میں ہمارا ملک پاکستان بھی شامل ہے، میں صورت حالات بڑی حد تک مختلف ہے۔ ان ممالک میں عورتوں کے اسلامی حقوق کی بات تو کی جاتی ہے لیکن عملاً وہ ان حقوق سے محروم ہیں۔ انہیں زیادہ تر گھروں میں بند رکھا جاتا ہے اور جب کبھی انہیں گھروں سے باہر جانے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ اپنا تمام جسم ایک برقعہ سے ڈھانپ لیتی ہیں، اس پابندی کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ اسلامی احکامات کے تحت نافذ کی جاتی ہے" (منصب حکومت اور مسلمان عورت ص۳۷)۔

یہ ہے پروفیسر شہاب کی دیانت داری کی ادنیٰ جھلک اور طریقہ استدلال کی ندرت یعنی ترکی، مصر، تیونس، لیبیا، الجزائر اور مراکش والے جو کچھ کریں وہ سند جواز اور دلیل شرعی ہے اور قرآن پاک جو کہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیا اسلام میں ایسی بھی کوئی دلیل شرعی ہے جو حکم قرآنی کے برعکس چند ممالک کے لوگوں

کے عمل پر منحصر ہو، کیا اچھا ہوتا کہ پروفیسر شہاب اسی خود ساختہ قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے کہہ دیتا کہ چونکہ روس، چین، تھائی لینڈ، کوریا، جاپان وغیرہ جیسے بڑے ممالک کے لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے اس لیے دلیل شرعی یہی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کو تسلیم نہ کیا جائے اور وجود الٰہ کی کوئی حقیقت نہیں، ورنہ اتنے لوگ کیوں انکار کرتے۔ اس طرح ایک ملحد سے تو مسلمانوں کی جان چھوٹتی اور اسلام کے لبادہ میں اسے گمراہی پھیلانے کا موقعہ تو نہ ملتا۔ کتنے افسوس کی بات ہے ایک طرف واضح حکم الٰہی ہے لیکن اس میں شک ڈالنے کے لیے پروفیسر چند ممالک کے لوگوں کے عمل کا ذکر کر رہا ہے حالانکہ جن ممالک کا ذکر پروفیسر نے کیا ہے۔ ان میں تمام لوگوں کا پردے سے محروم ہونا سراسر جھوٹ اور زبردست قسم کا بہتان ہے لیکن اگر پروفیسر یہ عذر لنگ پیش کرنا چاہے کہ میری مراد یہ تھی کہ اتنے اسلامی ممالک کے مسلمانوں کا عمل اجماع امت کا فائدہ دے رہا ہے۔ کیا یہ پاکستان، افغانستان، ایران، عراق، اُردن، شام، سوڈان، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، اومان، صومالیہ، جنوبی یمن، شمالی یمن، عدن، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، ملائیشیا، الجیریا، نائیجر، مالدیپ، نائیجیریا، برونئی، سینیگال، لبنان اور کتنے دیگر اسلامی ممالک پروفیسر کو نظر نہ آئے کہ ان ممالک کے مسلمانوں کے عمل کو وہ اہمیت دیتا یہ پروفیسر کی قطعًا لایعنی بات ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں دلائل شرعیہ میں سب سے پہلا اور فیصلہ کن مقام قرآن پاک کو حاصل ہے دوسرے نمبر پر سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جب ارشاد ربی یا حدیث مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام موجود ہو تو عام مسلمانوں کے عمل کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا پردہ کے متعلق اتنے واضح اور مؤکد احکام ربانی موجود ہیں کہ ان کے باوجود پردہ کا انکار کھلم کھلا قرآن پاک کا انکار ہے اور قرآن پاک کا منکر مسلمانوں میں سے نہیں

ہو سکتا۔ پردہ کے متعلق آیت قرآنی اس کا ترجمہ اور اقوال مفسرین ملاحظہ ہوں۔

پردہ کی پہلی قرآنی دلیل

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ○

ترجمہ :۔ اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ (بضرورت شرعیہ گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے (منہ) پر لٹکائے رہیں ـــــــــــ (سورہ احزاب آیت ۵۹)

تفسیر فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۰۴ پر علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔ جلابیب، جلباب کی جمع ہے اور جلباب دوپٹے سے بڑے کپڑے کو کہتے ہیں۔ علامہ جوہری فرماتے ہیں کہ جلباب، ملحفہ، کو کہتے ہیں اور ملحفہ لباس سے زائد چادر جو اوپر اوڑھی جائے بعض نے جلباب کا معنی قناع کیا ہے یعنی برقعہ جس سے منہ اور پورا جسم ڈھانپا جا سکے اور بعض نے جلباب کا معنی "ایسا کپڑا جس سے عورت کا تمام بدن ڈھانپا جا سکے" کیا ہے۔ یہی معنی صحیح البخاری میں ام عطیہ کی حدیث سے ثابت ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں سے اگر کسی کو جلباب میسر نہ آئے کہ وہ اپنے آپ کو ڈھانپ سکے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا چاہیئے کہ دوسری بہن اسے اپنے ساتھ اپنی چادر میں ڈھانپ لے۔ امام واحدی فرماتے ہیں کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰے کے اس حکم کا مفہوم یہ ہے کہ عورتیں اپنے منہ اور سر کو ڈھانپیں صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں، حسن فرماتے ہیں کہ آدھا منہ ڈھانپے اور قتادہ فرماتے ہیں کہ سر کا کپڑا ماتھے پر اٹھا دیں اور

کے اوپر ملحقہ باندھے اور نچلی طرف کا کپڑا ناک کے اوپر باندھے آنکھیں کھلی رہنے میں حرج نہیں، لیکن منہ کا اکثر حصہ پردے میں رہے۔

تفسیر روح المعانی ج ۸ صـ ۸۸-۸۹ پر علامہ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی نے بھی کئی قول نقل کئے ہیں۔ سیدنا ابن عباسؓ نے جلباب کا معنی یہ کیا ہے "ہر وہ کپڑا جو اوپر سے لے کر نیچے تک ڈھانپ دے" ابن جبیر فرماتے ہیں کہ جلباب سے مراد برقعہ ہے بعض نے اس کا معنی ملحفہ کیا ہے یعنی جس میں پورا جسم لپٹا ہوا ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورت کپڑوں کے اوپر جو کپڑا لپیٹتی ہے اس کو جلباب کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ کپڑا مراد ہے جس سے عورت کے پہنے ہوئے کپڑے وغیرہ ڈھانپے ہوئے ہوں۔ کئی اور اقوال علامہ نقل کرتے ہیں اور آخر پر اپنی تحقیقی رائے کا اظہار کرتے ہیں، فرماتے ہیں حاصل معنی یہ ہے کہ آیت میں عَلَيْهِنَّ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے "علی جمیع اجسادھن" یعنی جلابیب کو اپنے پورے جسم کے اوپر اوڑھے رکھیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ منہ اور سر کا ڈھانپنا ضروری ہے کیونکہ دور جاہلیت میں عورتیں جس چیز کا پردہ نہ کرتی تھیں وہ تو چہرہ ہی ہوتا تھا لہٰذا اگر چہرہ ننگا رہے تو پردے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پردے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ ابن جریر اور ابن منذر نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدۃ السلمانی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اپنی اوڑھنی اٹھائی جو انہوں نے اپنے اوپر لپیٹ رکھی تھی تو اس سے پردہ کیا اور پورے سر کو ڈھانپا حاجبین تک اور پورے چہرے کو بھی ڈھانپ دیا صرف بائیں آنکھ بائیں طرف کے سوراخ سے ظاہر رکھی۔ سدی بھی یونہی فرماتے ہیں۔ ابن عباس اور قتادہ فرماتے ہیں کہ سوہ

جو پردے کا کپڑا ڈالا جائے اسے آنکھوں کے قریب پیشانی پر باندھ دیا جائے اور نیچے کی طرف کا کپڑا ناک کے اوپر باندھا جائے دونوں آنکھیں کھلی رہیں تو کوئی حرج نہیں، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حبر الامہ سے روایت کی ہے کہ سارا چہرہ ڈھکا ہوا ہونا چاہیئے صرف ایک آنکھ ظاہر ہو۔

تفسیر بیضاوی ص۳۴۹ پر علامہ بیضاوی بھی اس آیت کا معنی یہی کرتے ہیں کہ پورے چہرے اور پورے جسم کا ڈھانپنا ضروری ہے۔

تفسیر جلالین ص۳۱۷ پر علامہ سیوطی و محلی فرماتے ہیں کہ جب عورتیں کسی حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلیں تو زائد کپڑے سے وہ اپنے جسم اور چہرے کو مکمل ڈھانپ لیں۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

تفسیر خازن جزء ۵ ص۲۷۷ پر امام علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادیؒ

تفسیر مظہری جلد ۷ ص۳۸۳ پر علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ۔

تفسیر سراج منیر جلد ۳ ص۲۷۱ پر علامہ امام شربینیؒ۔

تفسیر ثعالبی جلد ۳ ص۲۳۷ پر علامہ عبدالرحمٰن ابن محمد بن مخلوف الثعالبی۔

مذکورہ بالا تفاسیر کی تائید کرتے ہوئے چہرے اور پورے جسم کو زائد چادر یا برقعے سے ڈھانپنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ متعدد تفاسیر کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ علماءِ مفسرین صحابہ کرام اور تابعین نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ پورے جسم کا ڈھانپنا اور چہرے اور سر کا ڈھانپنا ضروری ہے۔ جلباب کے متعدد معنی کئے گئے ہیں، لیکن مقصد سب کا متحد ہے وہ درمیانی قسم کی چادر ہو یا اوڑھنی برقعہ ہو یا اسی قسم کا کوئی اور کپڑا مقصد پورے جسم اور چہرے کو ڈھانپنا ہے یونہی ایک آنکھ ظاہر ہو یا دونوں اس سے مقصد

صرف راستہ دیکھ سکنے کی سہولت ہے اس مقصد کے لئے آج کل استعمال ہونے
والے برقعے جن میں آنکھوں کے مقام پر جالی لگی ہوتی ہے زیادہ بہتر ہیں آپ
ملاحظہ فرما چکے کہ تمام مفسرین کرام نے " یدنین علیھن من جلابیبھن "
کا معنی یہی لیا ہے کہ عورت اپنے "تمام جسم کو ایک زائد کپڑے سے ڈھانکے بغیر گھر
سے باہر کسی حاجت کے لیے نہ نکلے جبکہ پروفیسر شہاب کا قول بھی آپ نے دیکھا وہ
اپنی کتاب میں حکم پردہ کا اس طرح انکار کرتا ہے " اور جب کبھی انہیں گھروں سے
باہر جانے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ اپنا تمام جسم ایک برقعہ سے ڈھانپ لیتی
ہیں۔ اس پابندی کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ اسلامی احکام کے تحت
نافذ کی جاتی ہے " پروفیسر کو سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۵ تو نظر آگئی کیونکہ وہاں
جو صفات مردوں کی مذکور ہیں وہی عورتوں کی مذکور ہیں اس طرح پروفیسر
کو یہ موقعہ ہاتھ آیا کہ وہ مردوں اور عورتوں کی مساوات رتبی کے لئے یہ بتائے
کہ رب کریم نے مردوں کو اور عورتوں کو ایک جیسی صفات سے یاد فرمایا اس میں کیا
شبہ ہے کہ مرد روزہ رکھتا ہے تو عورت بھی روزہ رکھتی ہے، مرد نماز پڑھتا ہے
تو عورت بھی پڑھتی ہے مرد مسلمان ہوتا ہے تو عورت بھی مسلمان ہوتی ہے
یونہی ایمان، فرمانبرداری، صدق، صبر، عاجزی، صدقہ، ذکر الٰہی، حفظِ فروج
یہ ایسی صفات ہیں، جن میں مرد اور عورت مشترک ہیں اور کسی کو انکار کی مجال
بھی نہیں لیکن مرد کی بعض وہ خصوصیات ہیں جن میں وہ منفرد ہے اور عورت
میں وہ نہیں پائی جاتیں۔ جیسے جہاد کی اہلیت، ملکی سربراہی کی اہلیت نکاح
و طلاق کی ملکیت۔ عورت کی نافرمانی کی صورت میں اسے سزا دینے کا اختیار،
امامت کی اہلیت وغیرہ، کیا سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۵ میں جو صفات عورت
اور مرد کے درمیان مشترک ہیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مرد کی کوئی صفت

اور خاصہ باقی نہیں جو مرد کو عورت سے ممتاز کر سکے۔ آخر قرآن پاک میں "والمجاھدین والمجاھدات" کیوں ذکر نہ ہوا، یہ پروفیسر کی وہ شاطرانہ چالیں اور ریت کے گھروندے ہیں جو ہوا کے ایک جھونکے کو برداشت کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے ہمیں تو غرض اس بات سے ہے کہ موضوع و مقام کا تقاضا تو تھا کہ پروفیسر پردہ کی نفی میں دلائل ذکر کرتا، سورہ احزاب کی اس کو آیت ۳۵ تو نظر آگئی، لیکن اسی سورت کی آیت نمبر ۵۹ کیوں نظر نہ آئی جس میں اللہ تعالٰے نے مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہے — "اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ (بضرورت شرعیہ گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے (منہ) پر لٹکائے رہیں"

(سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۹) اللہ تعالٰی کے واضح ارشاد کے باوجود پردہ کا انکار اور اس کے متعلق بے سروپا باتیں کرنا کونسی دیانت داری ہے۔ پروفیسر نے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ کو پھر یہاں نقل کیا ہے لیکن دیانت داری وہی جو اس کے روحانی پیشوا رحمت اللہ نے ظاہر کی تھی۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ اور ان عورتوں کا ایسا ہی حق ہے جیسے مردوں کا ان پر دستور کے مطابق — یہ آیت کا وہ حصہ ہے جسے طارق اور پروفیسر لکھتے ہیں لیکن اگلا حصہ جو کہ مرد کی فضیلت ظاہر کرتا ہے اسے نہ لکھ کر بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آیت کا اگلا حصہ یہ ہے۔

وللرجال علیھن درجۃ — اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ اس کے علاوہ وہ اسی مضمون میں عورتوں کو بلا ضرورت شرعیہ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کا ذکر کر کے پروفیسر نے بطور دلیل سورۂ نساء کی آیت ۳۲ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں ہرگز اس قسم کا کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ بلکہ آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَاهْجُرُوهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ — جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر وہ نافرمانی کرتی ہیں تو انہیں نصیحت کرو اور ان کو خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو — یعنی ان سے اپنا بستر علیحدہ کر لو۔ اس میں گھر میں بند رکھنے کا حکم کہاں موجود ہے یہ محض پروفیسر کی نیت کا فتور یا اس کی جہالت ہے۔ حالانکہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم سورہ احزاب کی آیت ۳۳ میں بایں الفاظ دیا گیا ہے "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى" — ترجمہ:- اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور نہ بے پردہ ہو پرانی جاہلیت کی بے پردگی کی طرح — آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جس شخص کا قرآن پاک کے ساتھ یہ رویّہ ہو اس سے کس چیز کی امید کی جا سکتی ہے — عورتوں کی محبت نے اسے دیوانہ ہی نہیں بنایا بلکہ بے دینی اور الحاد کو فروغ دینے کا سودا اس کے سر میں یوں سمایا ہے کہ اسے اتنی بھی تمیز نہیں رہی کہ میں جو حوالہ دے رہا ہوں اس کا میرے مدعا سے کوئی تعلق اور واسطہ بھی ہے یا کہ نہیں۔

پردہ کی دوسری قرآنی دلیل

پردہ کے متعلق آپ پہلی دلیل ملاحظہ فرما چکے اب قرآن حکیم سے دوسری دلیل نقل کی جاتی ہے۔ ارشاد ربی ملاحظہ ہو۔

قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ط

(اے محبوب) آپ مسلمان مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

ذالك ازكى لهم ط ان الله خبير بما يصنعون ۝

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ ان کے سب کاموں سے خبردار ہے۔

وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن
اور ایمان والی عورتوں کو فرمائیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت
ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا و لیضربن بخمرھن
کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس سے خود ظاہر ہے اور اپنے سر پر اوڑھے ہوئے
علیٰ جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او
دوپٹوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں
آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او
پر یا اپنے باپ دادا پر یا شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر
اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخوٰتھن او نسائھن او
یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر یا اپنی مملوکہ
ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال
باندیوں پر یا اپنے خدمتگاروں پر ان مردوں میں سے جنہیں عورتوں کی کچھ خواہش نہ ہو یا ان
او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورٰت النساء ولا یضربن
لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم کی باتوں پر مطلع نہیں ہوئے اور وہ اپنے پاؤں سے اس طرح
بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن ط وتوبوا الی اللہ
نہ چلیں کہ ان کی وہ زینت (لوگوں کو) معلوم ہو جائے جسے وہ چھپائے رکھتی ہیں اور اے
جمیعًا ایہ المومنون لعلکم تفلحون ○ (سورۂ نور آیت ۳۰-۳۱)
مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم مراد کو پہنچ جاؤ۔

مندرجہ بالا آیات میں احکام ربانی اتنے واضح اور تفصیلی ہیں کہ ان کے بعد کسی تفصیل یا قیل وقال کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن افسوس کہ ہمیں واسطہ ہی ایسے افراد سے پڑا ہے جن کا مقصد ہی شرعی احکام کو متنازع بنانا اور شکوک

جلابیبھن اوران آیات میں ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن
اور دوبار اسی ایک ہی آیت میں یہ حکم فرمایا ۔ ولا یبدین زینتھن یہ
احکام پردہ ہیں جن کا تعلق عورت سے ہے۔ اور پرد فیسر کا مرد کے لیے بھی
پردہ ثابت کرنا کتنی بڑی جہالت ہے۔ کیونکہ مرد کے جسم میں عورت کا حکم
ناف سے گھٹنوں تک کے حصے کو حاصل ہے اور اسی کا ستر (پردہ) فرض ہے
جبکہ آزاد عورت کا پورا جسم عورت کا حکم رکھتا ہے اور اس پورے کا چھپانا فرض ہے
یونہی باندی کے جسم میں عورت کا حکم مرد کی طرح ہے لیکن باندی کا پیٹ اور
پیٹھ بھی عورت ہے اب باندی جس کی عورت گھٹنوں سے ناف تک اور پیٹ
اور پیٹھ ہے اس کے علاوہ باقی جسم کا اس کو پردہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ پھر مرد
کے لئے کیسے پردہ ثابت کیا جا سکتا ہے جس کے پورے جسم میں گھٹنوں سے ناف
تک کا حصہ ہی عورت ہے پر دفیسر کے اس قول سے اس کی دیانت داری اور
تجاہل کا حال پوری طرح منکشف ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہم قارئین کی
بصیرت کے لیے مندرجہ بالا آیتوں کے متعلق ائمہ مفسرین کی آراء اور تحقیق نقل
کرتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو۔

تفسیر فتح القدیر جلد ۴ صـ۲۲ پر علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں
اللہ تعالیٰ نے دونوں مقامات پر حفظ فرج سے پہلے غض بصر کا حکم اس لیے دیا
ہے کہ نظر وسیلہ ہے عدم حفظ فرج پر اور وسیلہ متوسل الیہ سے مقدم ہوتا ہے
اور یغضضن من ابصارھن کا معنی وہی ہے جو یغضوا من ابصارھم
کا ہے پس اس سے استدلال کیا گیا ہے عورتوں کو ان چیزوں کو دیکھنے کی حرمت
پر جن کا دیکھنا انہیں حرام ہے۔ اسی طرح ان پر فروج کی حفاظت واجب ہے
جیسے مردوں پر واجب ہے۔

شبہات پیدا کر کے انکار کا راستہ صاف کرنا ہوتا ہے انہی آیات کا ترجمہ پروفیسر اپنی کتاب میں لکھ کر اپنی طرف سے ایسا تبصرہ کرتا ہے جسے دیکھ کر یقیناً آپ شرم محسوس کریں گے کہ اسلام کے نام لیواؤں میں ایسے مار آستین بھی موجود ہیں جنہوں نے ارشادات ربانی کو غلط رنگ دینے کی قسم اٹھا رکھی ہے اور روشن خیالی کے نام پر اپوا جیسی تنظیمیں اور پروفیسر اور طارق جیسے افراد اپنے ضمیر و باطن کی سیاہی سے اسلام کی صبح جانفزا کو شب تار میں بدلنے کے درپے ہیں۔ یہی وہ پرانے الفاظ ہیں جن کو ڈھال بنانے والوں نے ہمیشہ اسلام کے حصن حصین کی بنیادوں میں آزادی فکر، روشن خیالی، بحالی حقوق، تحفظ حقوق نسواں وغیرہ کے خود ساختہ عنوانوں کے ذریعے نقب لگائی اور اس وعید الٰہی کا مصداق بن گئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ
بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلنے کو ان کے لئے دنیا اور
عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ
آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ ——— (سورۂ نور آیت ۱۹۔)
تم نہیں جانتے۔

پروفیسر شہاب کی عبارت ملاحظہ ہو۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں پردے کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو دیا گیا ہے (منصب حکومت اور مسلمان عورت ص ۳۹)

حالانکہ آپ بھی ملاحظہ فرما چکے کہ آیات میں مرد کو صرف غض بصر اور حفظ فرج کا حکم دیا گیا ہے اب غض بصر (نگاہ نیچی رکھنا) حفظ فرج (زنا سے بچنا) ان دو جملوں سے پردہ کا حکم کیسے مستفاد ہوا، عورت کو تو پردے کا حکم يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

تفسیر طبری جز ۱۸ صفحہ ۱۱۷/۱۱۸ پر علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم (ولا یبدین زینتھن) یعنی عورتیں غیر محرموں پر اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ زینت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خفی (۲) ظاہر ــ زینت خفی عورت کی پازیبیں کنگن، بالیاں اور گلے کے ہار ہیں۔

زینت ظاہری ـــــ تو اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کپڑوں کی زینت کو زینت ظاہرہ کہا جاتا ہے۔ علامہ طبری ابن حمید سے ..... بیان کرتے ہیں انہوں نے ہارون بن المغیرہ سے انہوں نے حجاج سے انہوں نے ابی اسحاق سے انہوں نے ابی الاحوص سے وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ زینت کی دو قسمیں ہیں زینت ظاہرہ سے مراد کپڑے ہیں اور زینت خفی سے مراد پازیبیں، کنگن، بالیاں وغیرہ ہیں۔ ایک روایت حضرت ابراہیم سے اور دو روایتیں مختلف اسناد سے حضرت عبداللہ سے نقل کی گئی ہیں۔ انہوں نے بھی زینت ظاہری لباس کو قرار دیا ہے اور زینت خفی زیورات کو کہا ہے۔

تفسیر روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۱۴۰ پر علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ (وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن) میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان مقامات کو نہ دیکھیں جن کا دیکھنا ان کو جائز نہیں جیسے مردوں اور عورتوں کی عورت ہے۔ زواجر میں علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ جیسے مرد کا عورت کو دیکھنا حرام ہے یونہی عورت کا مرد کو دیکھنا حرام ہے خواہ وہ دیکھنا بلا شہوت ہو اور فتنے کا خوف بھی نہ ہو۔ ہاں اگر عورت اور مرد محرم ہوں نسبی لحاظ سے یا رضاعی لحاظ سے یا مصاہرۃ کی وجہ سے تو ان صورتوں میں ناف سے گھٹنوں تک یعنی عورت کے علاوہ دیکھنا جائز ہوگا۔ ابوداؤد نے حدیث بیان کی ہے ترمذی نے اُسے بیان

بھی کیا ہے اور اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے اور سنن نسائی اور سنن بیہقی میں بھی اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے حضرت ام سلمہ سے روایت ہے فرماتی ہیں، میں اور میمونہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھیں کہ حضرت ابن ام مکتوم حاضر دربار رسالت ہوئے تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس سے پردہ کرو، تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ تو نابینا ہے دیکھ نہیں سکتا، حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم بھی نابینیاں ہو، تم بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ ان لوگوں نے اسی حدیث پاک سے استدلال کیا ہے جو غیر محرم کی کسی چیز کو بھی دیکھنا عورت کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔

تفسیر خازن جزء ۵ ص۵۷ پر علامہ خازن فرماتے ہیں کہ و لا یبدین زینتھن سے عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زینت غیر محرموں پر ظاہر نہ کریں اور زینت خفیہ کا تعلق ان مقامات سے ہے جہاں زیور پہنے جاتے ہیں۔ غیر محرم کو ان مقامات کو دیکھنا جائز نہیں اور عورت کو ان مقامات کا ظاہر کرنا جائز نہیں زینت ظاہری کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں حضرت سعید بن جبیر، ضحاک اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کپڑے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں سرمہ انگوٹھی اور ہاتھ پر لگا ہوا رنگ مراد ہے۔ علامہ خازن فرماتے ہیں کہ زینت ظاہرہ کا حکم یہ ہے کہ اس مقام کو اجنبی کے لیے بوقت ضرورت دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ اجنبی کو شہوت یا فتنے کا خوف نہ ہو، اور اگر مرد کو شہوت یا فتنے کا خوف ہو تو آنکھیں بند کر لے، ایسی صورت میں اسے عورت کے کسی مقام کو بھی دیکھنا جائز نہیں۔ نماز میں منہ اور ہاتھ عورت کھلے رکھے گی۔ عورت کا تمام بدن عورت ہے۔ (ولیضربن بخمرھن) کا مطلب علامہ خازن

یوں بیان کرتے ہیں عورتیں اپنے دوپٹے لٹکائے رکھیں (علیٰ جیوبھن)
یعنی گریبان کے مقام پر اور وہ گردن ہوتی ہے اور سینے پر یعنی دوپٹے سے اپنے
بالوں کو گردنوں کو، بالیوں اور سینوں کو ڈھانپے رکھیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے علامہ خازن کے خیالات کی تائید کی ہے۔

تفسیر ابن کثیر جزء ۳ صـ ۲۸۳ پر علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عورتوں کو اپنے
شوہروں کے علاوہ اجنبی مردوں کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اسی وجہ سے اکثر
علماء یہی فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے اجنبی مردوں کو دیکھنا حرام ہے خواہ وہ
دیکھنا شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے۔

تفسیر جواہر جزء ۱۲ صـ ۱۱ پر علامہ طنطاوی فرماتے ہیں کہ عورت پر
بالوں، گردن، سینے، کانوں وغیرہ کا چھپانا بھی ضروری ہے۔

تفسیر قرطبی جلد ۶ صـ ۲۲۷ پر علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حفظِ
فروج سے پہلے غضِ بصر کا حکم اس لیے دیا ہے کیونکہ آنکھیں دل کے لئے تلاش
کرتی ہیں جیسے بخار موت کا پیشرو ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ نظر ابلیس کے حصّوں
میں سے ایک حصہ ہے جس نے آنکھ نیچی رکھی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ ایمان
کی مٹھاس پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب عورت سامنے
آرہی ہو تو شیطان اس کے سر پر بیٹھ جاتا ہے اور دیکھنے والے کے لیے اسے
خوبصورت بنا دیتا ہے جب دیکھنے والے کی طرف اس کی پیٹھ ہو جائے تو
شیطان اس کی سرینوں پر بیٹھ جاتا ہے اور دیکھنے والے کے لیے اسے خوبصورت
کر دیتا ہے پس حکم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین اور مومنات کو ہر وہ چیز جس
کا دیکھنا ان پر حرام ہے اُسے دیکھنے کی بجائے نظر بس نیچی رکھیں

احکام القرآن جلد ۳ صـ ۱۳۶۷ پر علامہ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ اجنبی

کو دیکھنا حرام ہے خواہ وہ عورت ہو یا مرد کیونکہ جس کو شرعاً دیکھنا جائز نہیں اس کو دیکھنے کو " زنا " کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جب ابن آدم پر اللہ تعالیٰ نے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے تو وہ اسے ضرور پائے گا اور وہ یوں کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے ناجائز چیز کو، ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہوتا ہے۔ پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا، زنا کی طرف چلنا ہوتا ہے۔ نفس تمنا کرتا ہے اور چاہتا ہے اور فرج اس کی تصدیق کرتا ہے یا اُسے جھٹلا دیتا ہے جیسے مرد کے لیے حلال نہیں کہ وہ عورت کو دیکھے یونہی عورت کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ مرد کو دیکھے۔

تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۹۴ پر علامہ رازی فرماتے ہیں کہ حفظ فرج سے پہلے غض بصر کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ نظر ہی تو دل کے مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتی ہے اور وہی زنا اور بدکاری تک انسان کو پہنچاتی ہے چونکہ اس کا ابتلاء شدید اور کثیر ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مقدم رکھا ہے اور نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔

حاشیہ شیخ زادہ جلد ۳ ص ۴۲۳ پر علامہ محی الدین شیخ زادہ فرماتے ہیں کہ پردہ کے حکم سے منہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ عورت کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ آگے تحریر فرماتے ہیں۔ والاظھران ھذا فی الصلوٰۃ لافی النظر فان کل بدن الحرۃ عورۃ ۔ یعنی زیادہ ظاہر یہ ہے کہ منہ اور ہتھیلیاں کھلے رکھنے کا حکم نماز سے تعلق رکھتا ہے لیکن دیکھنے کی صورت میں جائز نہیں کیونکہ آزاد عورت کا تمام بدن عورت ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ عورت کو منہ اور ہاتھوں کا بھی پردہ کرنا ضروری ہے۔

تفسیر ابی السعود جز ۳ ص ۱۷۱ پر علامہ ابی السعود (ولا یبدین زینتھن) کی تفسیر یوں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد زیورات وغیرہ ہیں جن سے زیبائش کی جاتی ہے مقامات زیبائش کو ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمانے میں مبالغہ فرمایا ہے یعنی زینت کے مقامات کو ظاہر کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

تفسیر زاد المسیر ج ۶ ص ۳۱ پر علامہ جوزی فرماتے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں زینتھن میں زینت ظاہری مراد ہے اور وہ کپڑے ہیں اور عورت کی ہر چیز عورت کے حکم میں ہے حتیٰ کہ ناخن بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورتوں کے جسم کے کسی حصے کو بھی بغیر عذر شرعی کے دیکھنا حرام ہے۔

تفسیر بیضاوی ص ۲۹۵ پر علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ منہ اور ہاتھ کا پردہ نہ کرنے کا حکم یعنی ان دو مقامات کا حکم پردے سے استثناء نماز کے لیے ہے۔ عام حالت کا اس پر اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ آزاد عورت کا تمام بدن عورت ہے۔

تفسیر جلالین ص ۲۹۷ پر علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو منہ اور ہاتھ کو اجنبی دیکھ سکتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فتنہ کے خوف کے باعث اجنبی کا عورت کے ہاتھ اور منہ کو دیکھنا حرام ہے اور یہی قول باب کی موافقت کے باعث قوی ہے۔

پردہ کی تیسری قرآنی دلیل

عورتوں کو گھروں سے بلا عذر شرعی نکلنا جائز نہیں

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور نہ بے پردہ ہو پرانی جاہلیت کی بے پردگی کی طرح

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ط

اور نماز پڑھتی اور زکوٰۃ دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔

(سورہ احزاب آیت ۳۳)

عورتوں کے جس طرح پہلے بیاں ہو چکا ہے کہ پروفیسر شہاب نے گھروں سے نکلنے کی ممانعت کا انکار کیا ہے اور اس کے لیے عامۃ المسلمین کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے واھجروھن فی المضاجع کا حوالہ دیا ہے جو درحقیقت اس کی بد دیانتی یا جہالت کا بیّن ثبوت ہے۔ گھروں سے نکلنے کی ممانعت کا حکم مندرجہ بالا آیت کریمہ میں دیا گیا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں جو سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ کا ایک حصہ ہے دو حکم نہی عن المنکر پر مشتمل ہیں اور تین امر بالمعروف ہیں۔

۱۔ گھروں سے بلا عذر شرعی نہ نکلنے کا حکم۔

۲۔ پردے کا حکم اور بے پردگی کی ممانعت۔

یہ دو حکم نہی عن المنکر پر مشتمل ہیں جبکہ

۱۔ اقامت صلوٰۃ ۲۔ ایتاء زکوٰۃ

۳۔ اطاعت اللہ اور اطاعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

یہ تین احکام امر بالمعروف ہیں۔ اس آیت پر مفسرین کی تحقیق نقل کی جاتی ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم کتنی اہمیت کا حامل ہے اور آج کے روشن خیال تاریک باطن جو اس پابندی کو غلط اور حقوق نسواں کے خلاف قرار دے رہے ہیں، کس قدر احکام الٰہی کے منکر اور قانون الٰہی کے باغی ہیں، یہ بھی کم سانحہ نہیں کہ ملک پاکستان جس کا وجود اسلام کا مرہون منت ہے اس میں اگر ایک راشی اور فاسق مجسٹریٹ کی عدالت کے آداب بجا نہ لائے جائیں تو توہین عدالت ہو جاتی ہے۔ جو قابل سزا جرم ہے۔ حکومت کے خلاف کوئی بات کر دی جائے تو ڈیفنس رولز آف پاکستان حرکت میں آجاتا ہے اور ایسا کرنے والے کو باغی اور غدار قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن اسی ملک میں احکام خداوندی کا اگر مذاق اڑایا جائے یا انکار کیا جائے تو نہ کوئی قانون حرکت میں آتا ہے اور نہ کسی پر بغاوت اور غداری کا الزام عائد ہوتا ہے۔ ورنہ ایسے لوگوں کو جنہوں نے احکام الٰہی کا انکار اپنا مشغلہ اور تفریح طبع کا سامان بنا رکھا ہے۔ ان کو بغاوت اور غداری کا مرتکب قرار دے کر شرعی سزائیں دی جاتیں تو ایسے منکرین کو کبھی جرأت نہ ہوتی اور اسلامی تعلیمات بازیچہ اطفال نہ بنتیں۔ مفسرین کی تحقیقی آراء ملاحظہ ہوں۔

تفسیر زاد المسیر جلد ۶ صـ ۳۷۹ پر علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہے عورتوں کے لئے کہ وہ وقار اور سکون سے گھروں میں رہیں اور گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

تفسیر قاسمی جزء ۱۳ صـ ۲۴۸ پر علامہ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں (وقرن فی بیوتکن) عورتیں گھروں میں رہیں اور گھروں سے نہ نکلیں۔

تفسیر خازن جلد ۳ صـ ۴۶۷ پر علامہ خازن فرماتے ہیں (وقرن فی بیوتکن)

یعنی گھروں کو لازم پکڑو اور کہا گیا ہے کہ یہ وقار سے امر کا صیغہ ہے یعنی ہو جاؤ تم وقار والی اور سکون والی (ولا تبرجن تبرج) کہا گیا ہے کہ تبرج کا معنی ، تکسر (ٹوٹ ٹوٹ کر چلنا) تغنج (ادائیں دکھانا) تبختر (ناز سے چلنا) ہے۔ یعنی جاہلیت کے دور کی عورتوں کی طرح ناز و ادا سے لٹکتی مٹکتی نہ چلو :
بعض نے کہا ہے کہ تبرج کا معنی ، اظہار زینت ہے اور خوبیوں کا مردوں کے لئے ظاہر کرنا ہے۔

تفسیر کشاف جلد ۳ صـ ۵۳۷ پر علامہ زمخشری فرماتے ہیں فکان المعنی ولا تحدثن بالتبرج جاھلیۃ فی الاسلام تتشبھن بھا باھل جاھلیۃ الکفر۔ آیت کا معنی یوں ہوگا کہ بے پردگی سے اسلام میں تم جاہلیت پیدا نہ کرو جس سے تم مشابہ ہو جاؤ جاہلیت کفر کے ساتھ ، اس سے بڑھ کر وعید اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار بے پردہ عورتوں کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ تبرج کا معنی پہلے بیان ہو چکا ہے ناز و انداز سے مٹک لچک کر چلنا اور مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا جسمانی خوبیوں کا اظہار کرنا۔

کیا کوئی درد مند مسلمان ان نقیبان بے حیائی اور بے غیرتی سے پوچھے گا جو عورتوں کی بے پردگی کا جواز مہیا کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں اور صرف پردہ کے خلاف ہی ان کا زورِ قلم صرف نہیں ہو رہا بلکہ وہ تو مسلمان خواتین کو ہاکی کھیلنے کا جواز بھی مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسے غیرت و ضمیر سے تہی دستوں نے شاید اپنی کاشتہ فصل کا نتیجہ سیف گیمز کی صورت میں دیکھ نہیں لیا ہمرزمین پاکستان جو خدائے بزرگ و برتر کے احکامات کو عملی صورت میں جاری وساری کرنے کے لئے حاصل کی گئی تھی اسی سرزمین پر سیف گیمز کے نام پر چند دن ابلیس کا راج رہا ہر گھر میں ٹی وی

برہنگی عورتوں کی تصویریں کھیل کود کے مناظر دکھائے جاتے رہے اس وقت نہ ارباب اقتدار کی غیرت بیدار ہوئی اور نہ ہی لاکھوں تماشائیوں میں سے کسی کو خیال آیا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ کہاں ہو رہا ہے؟ کون کر رہا ہے؟ خدائے واحد ولاشریک کے بندے، نبی الانبیاء کے امتی، امام شامل اور خلیل شبلی کے بھائی محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم کے ہم مذہب، عیلام، طرغوت، باربروسہ، بیبرس، ابونواس، عمیر بن حزام، ہوازن، ابدالی، غزنوی اور رعلدیم کی غیرتوں کے امین بے پردگی اور بے حیائی کے منتظم اور داعی تھے۔ آخر یہ دن بھی چرخ کہن نے دیکھنے ہی تھے کہ غیر مسلموں کی بھی پردہ پوشی کرنے والے جن کی شرافت وحیا، دیانت وامانت سے متاثر ہو کر ان کے جانی اور مذہبی بدترین دشمن بھی سکوت بیت المقدس کے وقت ان کے فراق میں رونے پر مجبور ہو گئے ان کو اپنی فوجوں کی فتح کی خوشی نہ تھی، انہیں غم تھا ان کے سامنے اندھیرا تھا وہ اپنے ہی دشمنوں کی شکست پر زار وقطار رو رہے تھے انہیں مسلمانوں کی غلامی، آزادی سے زیادہ عزیز کیوں تھی۔ اس کا جواب ان کے نالہ وشیون میں آہ وزاری میں سرد آہوں سے یوں مل رہا تھا۔ اے اجنبی قوم، تمہاری شرافت ودیانت نے تمہارے حسنِ سلوک اور پاکبازی نے تمہاری شرم وحیا اور غیرت نے ہماری عداوت کو محبت میں بدل دیا۔ نفرت کی جگہ مودت نے لے لی۔ کاش! صلیبیوں کی یعنی ہماری، ہمارے ہم وطنوں کی، ہمارے بھائیوں کی، ہمارے اتحادیوں کی فوجیں غالب نہ آئیں اب ہماری عزتوں کا پاسبان کون ہو گا، ہمارے بھائی ہماری فوج کے سپاہی درندوں کی طرح ہماری عزتوں کے چیتھڑے بکھیر دیں گے۔ وہ آسمانی گدھوں کی طرح ہماری غیرتوں کو نوچیں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی فتوحات، جن کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی ان میں ایک بھی سپاہی

نے کسی کی عزت نہیں لوٹی، کسی کی عزت پر بری نگاہ نہیں ڈالی، ان کی فتح کے جشن بے حیائی کے میلوں کی صورت میں نہیں منائے جاتے تھے بلکہ نمازوں، سجدوں، خیر خیرات اور جنگی مشقوں کی صورت میں منائے جاتے تھے۔

سیف گیمز میں وہی قوم ایک نہیں سات ملکوں کی بے غیرتی کا مرکز بنی ہوئی تھی، شہدائے تحریک پاکستان کے خون سے غداری کرنے والوں کو ذرہ بھر خیال نہ آیا کہ اس سرزمین کی آزادی کے لئے کتنے باغیرت جیالوں کا اور کتنی عفت مآب ماؤں، بہنوں کا خون بہہ چکا ہے اور محض اس لیے بہا، کہ ان کے سامنے ایسے ملک کا تصوّر تھا جس میں قرآن کی حکمرانی ہوگی۔ خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی عملداری ہوگی۔

اگر انہیں یہ ادنیٰ شبہ بھی ہوتا کہ یہ سب کچھ سیاسی نعرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور وہاں وہی انگریز کا متروکہ قانون نافذ رہے گا اور انگریز کی معنوی اولاد بے شرمی و بے حیائی کو پروان چڑھانے میں مصروف ہوگی تو ایک بھی مسلمان قربانی دینے کو تیار نہ ہوتا۔ سیف گیمز میں خواہ پاکستانی عورتوں نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی لیکن ان کے سر ننگے تھے، گردنیں ننگی تھیں، گریبان بے پردہ تھے ان کو سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (لابسات عاریات) کی روشنی میں کسی طرح بھی باپردہ نہیں کہا جاسکتا، کیا پاکستان کے مسلمانوں کی غیرت جواب دے گئی ہے، کیا آئندہ ایسا ہوتا رہے گا، سرعام مسلمانوں کی عزتوں کے جنازے نکلتے رہیں گے اور دیوثی و بے حیائی کے نقیب ان کی وکالت کرتے رہیں گے۔

ملک میں موجود دینی جماعتیں کیا کر رہی ہیں، انہیں سیاست کے علاوہ کوئی کام نہیں جو اتنی بڑی برائی کو روکنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کرسکتے۔

اقتدار میں آکر انہوں نے کیا دین کی خدمت کرنی ہے یہ برائی تو سینکڑوں افراد کے احتجاج سے بھی رک سکتی تھی لیکن لاکھوں افراد پر مشتمل دینی تبلیغی اور دینی سیاسی جماعتوں نے نہی عن المنکر کا کیا فریضہ انجام دیا۔ ایسی جماعتوں کو اپنا قبلہ درست کرنا چاہیئے، سیاست بازی کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انہیں ہر وقت اور ہر حالت میں انجام دینا چاہیئے اسی میں ان جماعتوں کی صداقت اور مقبولیت کا راز پنہاں ہے۔ ورنہ ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے گا۔ کہ ان کو دین کا درد نہیں بلکہ اقتدار کا لالچ ہے اور پھر دینی اور سیکولر جماعتوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

ایسی مذہبی دینی تبلیغی سیاسی جماعتوں کے اراکین ان جماعتوں کے صدور سے کیوں نہیں پوچھتے ان کا محاسبہ کیوں نہیں کرتے جو برائی کو دیکھ کر خاموش رہتے ہیں اور اپنی چار اینٹوں کی مسجدوں کی تزئین میں مصروف رہتے ہیں۔

آج اگر جمہوریت کو خطرہ لاحق ہو تو وہ ہزاروں افراد کو ساتھ لے کر سڑکوں پر نکل آئیں گے لیکن مسلمانوں کی غیرت کی نیلامی پر چراغاں ہوتا رہا آتش بازی کے گولوں اور پھلجڑیوں نے مسلمانوں کی خوابیدہ غیرت کو شرافت کی شب دیجور کو روشنی فراہم کرنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن انہیں بھی اعتراف کرنا پڑا۔ ع کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ انہیں جاگنے کی قسم ہے۔

آخر یہ جماعتیں کب اسلام کے کام آئیں گی اور کب وہ اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیں گی جب پانی سر سے گزر چکا ہو گا۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صـ۴۸۲ پر علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں (وقرن فی بیوتکن) یعنی گھروں کو لازم پکڑو اور بغیر حاجت شرعی کے گھروں سے باہر نہ نکلو اور حوائج شرعیہ سے ایک حاجت مسجد میں نماز پڑھنا بھی ہے بشرطیکہ وہ اس

شرط کے مطابق ہو جس شرط سے مشروط کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں نماز ادا کرنے کی اجازت فرمائی تھی۔ وہ حدیث پاک یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو بشرطیکہ وہ اس حال میں مسجدوں کو جائیں کہ ان پر کسی قسم کی خوشبو نہ لگی ہوئی ہو بلکہ خوشبو نہ لگانے کے باعث ان سے مخصوص بو آرہی ہو جو خوشبو نہ لگانے کی صورت میں انسان سے آتی ہے لیکن اس کے علاوہ ایک روایت میں یہ حکم ہے کہ عورتوں کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں کہ وہ ان میں ہی نماز ادا کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خواتین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ مرد ہم سے فضیلت اور جہاد فی سبیل اللہ کے باعث آگے بڑھ گئے ہیں تو ہم کونسا عمل کریں جس کی وجہ سے ہم مجاہدین فی سبیل اللہ کی فضیلت کو پا سکیں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

تم میں سے جو گھر میں بیٹھ گئی تو وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے عمل کا اجر حاصل کرلے گی۔ یعنی عورت کا گھر میں یوں بیٹھ جانا کہ وہ گھر سے بغیر حاجت شرعی کے ہرگز باہر نہ نکلے تو اس کا یہ عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت، عورت ہے! (یعنی عورت کا پورا جسم عورت ہے اور عورت کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان کے وہ اعضاء جن کو شرم کی وجہ سے چھپایا جاتا ہے اور عورت کا پورا جسم کو چھپانا فرض ہے) جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے جھانکتا ہے جب تک وہ گھر کے اندر رہتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زیادہ قریب رہتی ہے۔ اس کا گھر میں رہنا اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضامندی کا سبب ہے ایک اور حدیث پاک جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

اسی کو بزار اور ابو داؤد نے بھی نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز اس کے پوشیدہ مکان میں زیادہ بہتر ہے گھر کے اندر نماز پڑھنے سے اور گھر کے اندر نماز پڑھنا حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ حجرہ بالاخانہ کو کہتے ہیں بیت گھر کا وہ مکان جو حجرہ سے خاص ہوتا ہے اور مخدع وہ کوٹھڑی جو مکان در مکان ہوتی ہے یعنی عورت جتنی ہی پوشیدہ جگہ نماز پڑھے گی وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

(ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى) کی تشریح حضرت مجاہد یوں فرماتے ہیں۔ عورت کا گھر سے نکلنا اور مردوں کے سامنے چلنا تبرج الجاهلية ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جب عورت گھر سے نکلے اور ناز و انداز سے چلے پھرے اسی کو تبرج جاہلیت اولیٰ کہا گیا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

حضرت مقاتل بن حیّان فرماتے ہیں۔ تبرج کا معنی یہ ہے کہ عورت دوپٹے کو صرف سر پر ڈالے اور اس کو باندھے نہیں جس کے باعث اس کے گلے کے ہار کانوں کی بالیاں اور گردن وغیرہ ظاہر ہوں اسی حالت کو تبرج سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تفسیر قرطبی جلد ۷ صفحہ ۱۸۰ پر علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ابن عطیہ نے فرمایا کہ جاہلیت اولیٰ سے وہ جاہلیت مراد ہے جو اسلام سے پہلے کفر میں تھی یعنی ہمارے ہی زمانہ میں کفر کا وہ دور جس کے بعد اسلام کی ابتداء ہوئی چونکہ وہ جاہلیت ہمارے دور اسلام سے ملی ہوئی ہے لہٰذا اس کی عادات سے ہمیں اختلاف کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔ کیونکہ کفار میں غیرت نہیں تھی اور ان کی عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔

علامہ قرطبیؒ اپنی تحقیق یوں بیان فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد ان عورتوں کی مخالفت ہے جو ناز و انداز سے چلتی تھیں اور اپنی جسمانی خوبیوں

کو مردوں پر ظاہر کرتی تھیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے نا جائز افعال سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے عورتوں پر لازم ہے کہ وہ گھروں میں ہی رہیں اور اگر کوئی ضرورت ایسی آپڑے جس کے باعث انہیں گھروں سے باہر نکلنا پڑے تو زیب و زینت سے بچتی ہوئی مکمل پردہ کر کے گھر سے باہر نکلیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ثعالبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس آیت کو پڑھتی تھیں تو اتنی روتی تھیں کہ آنسوؤں سے ان کی اوڑھنی گیلی ہو جاتی تھی۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ رونا ایام جمل میں جو آپ نے سفر کیا تھا اس کی ندامت کے باعث ہوتا تھا۔

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عرض کیا گیا کہ آپ حج اور عمرہ کیوں نہیں کرتیں جیسے کہ اور امہات المؤمنین کرتی ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں گھر میں رہوں، راوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم آپ عمر بھر گھر سے نہ نکلیں حتیٰ کہ آپ کا جنازہ نکلا۔

تفسیر مراغی جزء ۲۲ ص۶ پر علامہ احمد مصطفیٰ المراغی فرماتے ہیں کہ یہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا، لہٰذا وہ گھروں میں رہیں اور بغیر حاجت شرعی کے گھروں سے نہ نکلیں۔

احکام القرآن جلد۵ ص۲۲۹ پر علامہ ابی بکر رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور گھروں سے نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔ تبرج کا معنیٰ یہ ہے کہ عورتیں گھروں سے نکل کر مردوں کے سامنے چلیں، مردوں کے سامنے چلنے کو ہی امام ابی بکر تبرج جاھلیۃ قرار دے رہے ہیں ــــ چہ جائیکہ مردوں کے سامنے بے پردہ ہو کر کھیلیں

اور اپنے جسم کے مخصوص حصوں کی نمائش کریں واضح ہوا کہ عورتوں کا صرف مردوں کے سامنے چلنا ہی جاہلیت کفر کی رسم ہے اور اسی کو جاہلیت اولی کہا گیا ہے۔ حقیقت ہے کہ باحیاء اور عفت مآب خواتین کے لئے مردوں کے سامنے چلنا انتہائی مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے آجکل تو آزادی نسواں کے علمبردار ان بے پردہ عورتوں کی وکالت کر رہے ہیں جو کھیل کے میدان میں گھوڑوں کی طرح دوڑتی اور کرتب دکھاتی ہیں۔ اسمبلیوں میں پہلوانوں کی طرح کولھے مٹکا مٹکا کر چلتی اور مردوں سے بحث و تمحیص کرتی ہیں اور فن خطابت کے جوہر دکھاتی ہیں

تفسیر روح البیان جلد ۷ صفحہ ۱۶۹ پر علامہ حقی فرماتے ہیں (وقرن فی بیوتکن) آرام پکڑو، اپنے گھروں میں۔ اے نبی کریم علیہ السلام کی بیویو! اپنے گھروں کو لازم پکڑ اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، یہ خطاب خواہ حضور علیہ السلام کی بیویوں کو ہے لیکن اس میں اور عورتیں بھی داخل ہیں۔ حدیث پاک میں ہے " عورتوں کی بہترین مساجدان کے گھر کی گہرائی میں ہے "۔ یعنی گھر میں بھی وہ جگہ جو سب سے زیادہ مخفی ہے اس میں عورت کو نماز پڑھنی چاہیئے عورت کے لئے یہ زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

تفسیر روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۶ تا ۱۲ پر علامہ سید آلوسی نے اس آیت پر تفصیلی بحث کی ہے جسے من وعن لکھنا تو بہت مشکل ہے کیونکہ اس کتاب میں اس قدر گنجائش نہیں اس لیے جستہ جستہ مقامات کا مفہوم تحریر کیا جا رہا ہے ملاحظہ ہو۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں ــــــ اور ابن ابی عبلہ نے پڑھا (واقررن) الف وصل اور راء اولی کے کسرہ کے ساتھ تمام قرأت جو اس لفظ قرن سے متعلق ذکر کی گئی ہیں ان سب کی صورت میں لفظ قرن سے مراد امہات المومنین

رضی اللہ عنھن کو گھروں میں رہنے کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہی امر مطلوب ہے تمام عورتوں سے۔ ترمذی اور بزار نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک عورت چھپانے والی چیز ہے پس جب اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب تک وہ گھر کی گہری جگہ میں ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ عورت کا گھر سے نکلنا (بلا عذر شرعی) حرام ہے لیکن کبھی وہ کبیرہ گناہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسے عورت کا قبروں کی زیارت کے لیے گھر سے نکلنا جبکہ فساد کا خطرہ زیادہ ہو، یونہی عورت کا مسجد کو جانا خوشبو لگا کر یا بن سنور کر جبکہ وقوع فتنہ قطعی اور یقینی ہو ان دونوں صورتوں میں عورت کا گھر سے نکلنا گناہ کبیرہ ہو گا۔ لیکن اگر فتنہ ظنی ہو یعنی فتنہ کا صرف گمان ہو تو اس صورت میں گناہ کبیرہ نہیں ہو گا بلکہ حرام ہو گا۔ جن صورتوں میں گھر سے نکلنا جائز ہے وہ یہ ہیں۔ حج، زیارت والدین، بیمار پرسی، فوت شدہ رشتہ داروں کی تعزیت اور اس کی مثل کاموں کے لئے نکلنا چند شرائط کے ساتھ مشروط جائز ہے۔

مذکورہ دلائل اور کلام مجید کے واضح حکم اور ارشادات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے باوجود پرد فیسر کا یہ قول کتنا حقیقت سے دور اور جہالت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

> ان آیات سے ان علماء کا نقطۂ نظر بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے جو عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے کے قائل ہیں، اس قسم کا کوئی حکم قرآن مجید میں موجود نہیں بلکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر ان کے لیے پردے کے

احکامات نازل کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ اگر
قرآن مجید کی ایک اور آیت (سورۃ النساء ۳۴) کو سامنے رکھا جائے
تو گھروں میں بند رکھنا عورتوں کی سزا قرار پاتا ہے۔ اس بارے
میں قرآن مجید میں ارشاد ہے جن عورتوں سے تمہیں جھگڑے
کا خدشہ ہے تو انہیں ان کے بستروں پر الگ کر دو اور گھروں
سے باہر جانے سے روک دو لیکن اگر وہ اطاعت کریں تو ان کے
خلاف کارروائی نہ کی جائے۔ ——— (سورۃ النساء ۳۴)

پروفیسر کی عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی وہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے کے متعلق لکھ رہا ہے کہ علماء کا یہ نقطۂ نظر غلط ثابت ہوا اس کی تفصیل عرض کی جا چکی ہے جو آیت قرن فی بیوتکن اور متعدد احادیث سے واضح ہوئی ہے پروفیسر نے سورۃ النساء کی آیت ۳۴ کا معنی یہ لکھ کر "اور گھروں سے باہر جانے سے روک دو"، آیت قرآنی پر کتنا ظلم کیا ہے۔ پروفیسر اس آیت کے کسی حصّہ کا یہ ترجمہ نہ ثابت کر سکتا ہے اور نہ ہی مذکورہ آیت میں ایسے الفاظ ہیں جن کا یہ ترجمہ ہو سکے۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس نے قرآن پاک پر نہ صرف ظلم کیا ہے بلکہ اپنی جہالت اور سفاہت کا کھلا ثبوت فراہم کیا ہے اور ایسی جرأت کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی اور نہ ہی کوئی مسلمان قرآن پاک پر اتنی جرأت کر سکتا ہے پروفیسر نے انہی صفحات میں یہ گلریزی بھی کی ہے کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ بے باکانہ گفتگو کی اجازت دی گئی ہے حالانکہ قرآن پاک میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے ارشاد ربی ملاحظہ ہو۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفاً

ترجمہ: تو (بے پردہ مردوں سے بضرورت) بات کرنے میں (ایسا) نرم لہجہ اختیار نہ کرنا

کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ طمع کرنے لگے اور دستور کے مطابق (اچھی) بات کرنا۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۲)

اس آیت سے واضح ہوا کہ عورت کو غیر محرموں کے ساتھ نرم اور شیریں گفتگو نہیں کرنی چاہیئے جیسے کہ خاوند کے ساتھ کی جاتی ہے اور نہ ہی بے باکی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس طرح بدی کی خواہشات کو تقویت حاصل ہوتی ہے دوسری دلیل ملاحظہ ہو۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط (سورۂ نور آیت ۳۱)

ترجمہ:۔ اور وہ اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں کہ ان کی وہ زینت (لوگوں کو) معلوم ہو جائے جسے وہ چھپائے رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو واضح حکم فرمایا ہے کہ وہ یوں نہ چلیں زمین پر پاؤں پٹختے ہوئے کہ ان کی خفیہ زینت ظاہر ہو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں، زمین پر قدم زور سے مارنے سے ان کے پاؤں میں پہنے ہوئے زیورات بجیں گے تو لوگ ان کے ان خفیہ زیورات کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہاں اس حکم میں بنیادی خرابی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ عورت کا اپنی طرف مردوں کو متوجہ کرنا ہے۔ اب وہ توجہ زیورات کی آواز سے جیسے حاصل ہوتی ہے آجکل وہ بالخصوص اونچی ایڑھی کی جوتیوں سے بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتی ہے۔ بہرصورت بنیادی مقصد یہ ہے کہ عورت جب باپردہ ہو کر گھر سے نکلتی ہے تو اسے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے جس سے اس کے پردہ میں خلل واقع ہو۔ ان دو آیات سے پروفیسر کا تمام استدلال دریا برد ہو چکا ہے جب اللہ تعالیٰ کو عورت کے پہنے ہوئے زیورات کی آواز پیدا ہونا ناپسند ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے تو عورت کو کسی سے گپ شپ، تبادلۂ خیال یا بحث و تمحیص کی آزادانہ کیسے اجازت دی

جا سکتی ہے اور یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کو کیسے پسند ہو سکتا ہے۔ علاّمہ زمخشری فرماتے ہیں کہ جب عورت کو زیورات کے آواز کے اظہار سے منع کیا گیا اور یہ زیورات کے اظہار پر پابندی عائد کئے جانے کے بعد حکم الٰہی صادر ہوا تو معلوم ہوا کہ مقام زیورات یعنی جسم کے جن حصوں پر وہ زیورات پہنے جاتے ہیں ان کا اظہار تو سخت ترین ممنوع ہے اور جب زیورات کے آواز کے سنانے سے منع کیا گیا تو عورت کو اپنی آواز کسی غیر محرم کو سنانا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے لہٰذا عورت کی آواز پر یہ پابندی اور ممانعت بطریق اولیٰ ہو گی، علاّمہ زمخشری فرماتے ہیں کہ یہ تمام احکامات حرام کاری سے بچنے کے لئے حفاظتی تدابیر کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں، علاّمہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس ممانعت میں ہر وہ چیز داخل ہو گی جس کا تعلق عورت کی زینت خفیہ سے ہے اور جس کے رو بہ عمل ہونے سے زینت خفیہ کے ظاہر ہونے کا امکان ہو اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو گھر سے نکلتے وقت عطر اور خوشبو لگانے سے منع فرمایا کیونکہ جب وہ خوشبو مردوں کو پہنچے گی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوں گے جو خرابی پازیبوں کی جھنکار یا گھنگروؤں کی جھنکار سے پیدا ہوتی ہے وہی خرابی عطر کی خوشبو سے پیدا ہو گی اور وہی خرابی عورت کی اپنی آواز سے نہ صرف پیدا ہو گی بلکہ نقطۂ عروج پر ہو گی اور بالخصوص ایسی حالت میں جب یہ تکلم و تخاطب اپنی کج اداؤں کے ساتھ ہو۔ حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے اور عورت جب عطر لگائے اور پھر مردوں کی محفل سے گزرے تو وہ یوں اور یوں ہے یعنی زانیہ ہے۔

ابو داؤد روایت کرتے ہیں حضرت ابی اسید انصاری سے انہوں نے

سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جبکہ آپ مسجد سے باہر تھے اور مرد عورتوں کے ساتھ راستہ میں خلط ملط ہو گئے تھے تو حضور علیہ السلام نے یہ صورت حال دیکھ کر عورتوں کو فرمایا تم پیچھے ہو جاؤ یہ تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم راستے کو بند کر دو، تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم راستے کی ایک جانب چلو یعنی راستے کے درمیان چلنا عورتوں کے لئے جائز نہیں اس کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ یوں لگ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں کے ساتھ اٹک جاتے تھے لیکن آجکل اختلاط کی صورت حال یہ ہے کہ جہاں بھی آپ دیکھیں عورتیں مردوں کے ساتھ پیوست نظر آتی ہیں۔ ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو غیر محرموں کے ساتھ بلا ضرورت و مجبوری گفتگو جائز نہیں اور اگر بحالت مجبوری گفتگو کرنی بھی پڑتی ہے تو وہ سخت لہجہ میں کرے تاکہ مرد کے دل میں طمع پیدا نہ ہو اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مل کر چلنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ دفتروں میں مردوں کے شانہ بشانہ مصروف کار ہوں یا ہسپتالوں میں ڈاکٹروں اور نرسوں کا یوں اختلاط کہ تمیز کرنا مشکل ہو جائے کہ یہ غیر محرم ہیں یا میاں بیوی، اور فلمی ستاروں اور ٹی وی فنکاروں کی تو بات ہی نرالی ہے۔ وہاں تو ان چیزوں کا تصوّر بھی گناہ سمجھا جاتا ہے، آجکل تو بڑے بڑے سیاسی لیڈروں اور قانون کے ماہروں بلکہ حکومت کی طرف سے وفاقی سطح پر قانون و آئین کے محافظوں کی ستاریاں ملک کو چھوڑ کر غیر اسلامی ممالک تک اپنی فنکاریوں کا لوہا منوا رہی ہیں اور ایسے غیرت باختہ اشخاص کو مملکت اسلامیہ پاکستان میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز کیا جا رہا ہے اور ان دیوس والدین کو بے غیرتی کا صلہ دیا جا رہا ہے۔

پردہ کی چوتھی قرآنی دلیل

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ——— (سورۃ احزاب، ۵۳)

اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لئے بہت ہی پاکیزگی کا سبب ہے۔

تفسیر روح المعانی جلد ۸ ص۲۷ پر علامہ آلوسی فرماتے ہیں (ذٰلکم) ظاہر یہی ہے کہ یہ اشارہ ہے سوال من وراء حجاب کی طرف اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشارہ ہے کسی کے گھر والوں کی اجازت کے بغیر داخل ہونے یا کسی کے گھر بیٹھ کر باتوں میں مشغول ہونے کی ممانعت اور سامان پردے سے پیچھے مانگنے کے حکم کی طرف (اطھر لقلوبکم وقلوبھن) یعنی بہت پاکیزگی شیطانی خیالات سے جو مرد کے دل میں پیدا ہوتے ہیں عورت کے متعلق یا عورت کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مرد کے متعلق، کیونکہ مرد اور عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا تعلق اور فتنے کا سبب ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ نظر ابلیس کے تیروں میں سے زہریلا تیر ہے۔ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ ان سے اگر کسی نے سامان مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگیں یعنی پردے کا خیال رکھیں۔

تفسیر روح البیان جلد ۷ ص۲۱۴ پر علامہ حقی بھی فرماتے ہیں کہ نظر ہی وہ وسیلہ ہے جو فتنے کا باعث بنتی ہے اور ایک دوسرے کو دیکھنے سے ہی تعلق پیدا ہوتا ہے جب عورتیں اور مرد غیر محرم کو دیکھنے سے اجتناب کریں اور عورتیں پردہ کریں تو برائی

کے اسباب ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

نیز علامہ حقی فرماتے ہیں کہ یہ حکم فاسئلوھن من وراء حجاب کا صحابہ کرام کو دیا جا رہا ہے۔ ایک طرف اُمہات المومنین ہیں جن کے تقدس اور پاکی کے لیے اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور مسلمانوں کی مائیں ہیں، دوسری طرف اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے جب ان کو پردہ کا حکم دیا گیا تو عام آدمی کی کیا حیثیت ہے، اگر غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ صحابہ کرام مومنین تھے اور ازواجہ امہاتھم کے حکم کے تحت ازواج مطہرات تمام مومنین کی مائیں ہیں اور یہ رشتہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہی قائم فرمایا ہے۔ حالانکہ اولاد کا ماں سے پردہ نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ بھی اللہ تعالےٰ نے ذکر فرمادی ہے کہ یہ پردہ دلوں کی پاکیزگی کا سبب ہے اسی لئے یہ حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہاں قلوب طاہرہ تھے ان کی مزید طہارت اور پاکیزگی مطلوب تھی تاکہ طہارت کی آخری منازل طے ہو جائیں لیکن یہاں ناپاکی میں ڈوبے ہوئے دل ہیں، ان کی تو پاکیزگی مطلوب ہوگی۔ واضح ہے کہ پاکیزہ کو پاکیزہ تر کرنے سے زیادہ ضرورت ناپاک۔ کو۔ پاک کرنے کی ہے۔ لہٰذا یہ حکم امہات المومنین اور صحابہ کرام سے کہیں زیادہ آج کے مسلمانوں پر متوجہ ہوگا۔ تاکہ نجاست و غلاظت سرکشی و تمرد، میں ڈوبے ہوئے دل پاک ہو سکیں، شرم و حیا، شرافت و غیرت کا ماحول وجود پذیر ہو سکے، بے حیائی، بے پردگی، بے غیرتی، دیوثی، عریانی کا قلع قمع ہو جائے۔

عورت کی سربراہی کے جواز کے قائلین کی مغالطہ آرائی کا جواب

عورت کی امارت کے جواز کے قائلین کا تمام تر انحصار واقعاتِ غزوۂ احد اور حکمِ پردہ کے نزول سے پہلے کی روایات پر ہے۔ غزوۂ احد میں صحابیات نے مردوں کے ساتھ چند انتہائی مشکل اوقات میں لڑائی میں حصہ بھی لیا اور زخمیوں کی تیمارداری کا کام بھی انجام دیا۔ پانی وغیرہ کا انتظام اور زخمیوں کو میدانِ جنگ سے منتقل کرنے کی خدمات بھی انجام دیں۔ عورت کی امارت کے جواز کے قائلین ان دلائل سے ہی عورتوں کے لئے ہر قسم کا جواز ثابت کرنے کیلئے کوشاں نظر آتے ہیں ــــــ

جواب ــــ سورۂ احزاب مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں جن واقعات کا ذکر ہے یعنی غزوۂ احزاب، بنی قریظہ اور نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اسکا نزول ۵ھ میں ہوا۔

بنابر تفسیر روح المعانی جلد ۸ صـ۲۷ حضرت ابن سعد نے حضرت انس سے تخریج کی ہے کہ پردہ کے احکام ۵ھ کو نازل ہوتے۔ اور صالح بن کیسان سے تخریج کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ احکامِ پردہ پانچ سن ہجری کے ذی القعدہ کے مہینے میں نازل ہوتے یوں ہی سورۂ نور کا نزول غزوۂ احد کے بعد شروع ہوا جو پانچ ہجری تک جاری رہا۔ یوں یہ دونوں سورتیں جن میں احکاماتِ حجاب ہیں غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئیں ــ لہذا غزوۂ احد کے واقعات سے استدلال اور احکامِ حجاب سے پہلے کی احادیث کو سندِ جواز بنانا علمی دیانت و امانت کے منافی ہوگا۔

کیونکہ اگر یہی طرزِ عمل اپنایا جاتے اور شراب وغیرہ کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کے بعض واقعات اور بعض صحابہ کے عمل سے جوازِ شراب وغیرہ کا استدلال کیا جائے تو احکامِ اسلام کی کوئی قطعی اور یقینی حیثیت ہی باقی نہ رہے۔

نمبر ۲ ـــ ایسی خواتین جنکو قرآن پاک کی اصطلاح میں "قواعد" کہا گیا ہے کیونکہ انمیں شہوت کا غلبہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے انکے احکامات جوان عورتوں سے مختلف ہیں۔ آیاتِ حجاب نازل ہونے کے بعد اگر کوئی شخص پردہ کے احکامات کے خلاف صحابیات کا عمل ثابت کردے تو پھر انکے دلائل کو قابلِ التفات سمجھا جائے گا۔ لیکن ایسا کبھی بھی کوئی شخص ثابت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ "قواعد" کی چند مثالیں اگر مل بھی جائیں تو ان سے جوان عورتوں کے لئے کسی ممنوع فعل کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

محترمہ فاطمہ جناح کے متعلق مولانا مودودی صاحب نے "قواعد" کے تحت احکاماتِ پردہ میں نرمی کا ذکر کیا ہے تو پروفیسر شہاب نے اس پر جاہلانہ استہزاء کیا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ "قواعد" کے حق میں احکام کا جو اختلاف ہے انکا تعلق امارت سے نہیں ہے بلکہ انکا تعلق پردہ کے احکام سے ہے۔ کیونکہ شرائطِ امامت کا تعلق جنس عورت سے ہے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھی ہو۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جوان عورت کی امارت کی صورت میں ایک خرابی کا مزید اضافہ ہو جاتے گا اور وہ خرابی بے پردگی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ عورت کئی وجوہات کی بناء پر امارت کی اہل نہیں اور وہ وجوہات جنس عورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابوالاعلیٰ مودودی پر ہونے والے اعتراضات کا جواب تو انکے معتقدین اور جماعتِ اسلامی کے لوگ بہتر طور پر دے سکتے ہیں لیکن یہاں ہم بھی مختصر جواب اس لئے ذکر کرتے ہیں کیونکہ پروفیسر کے اس اعتراض کا تعلق کسی شخص سے تعلق نہیں رکھتا ـــ بلکہ ارشاداتِ الٰہی کو زیر و زبر کر لے کی بھونڈی کوشش بھی ہے۔ جس کو بے نقاب کرنا ہم پر بھی فرض ہے۔

پردہ کی پانچویں قرآنی دلیل

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

(سورۃ نور آیت ۶۰)

ترجمہ:۔ "اور بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (چہرہ ڈھاپنے کے) کپڑے اتار رکھیں اس حال میں کہ وہ اپنی زینت کو دکھاتی نہ پھریں اور اس سے (بھی) بچنا انکے لیئے بہتر ہے اور اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

آیتِ مذکورہ میں لفظِ قواعد قابلِ غور ہے۔ اس کی تشریح اور احکام کے لیئے مفسرین کرام کی تحقیق ملاحظہ ہو:۔

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ قواعد ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جو اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں بڑھاپے کی وجہ سے۔ اور انکو حیض آنا بھی بند ہو جاتے۔ اور انہیں نکاح کی خواہش بھی نہ رہے۔ علامہ احمد بن محمد صاوی فرماتے ہیں کہ قواعد قاعد کی جمع ہے۔ قواعد وہ ہیں جنکا حیض بند ہو جاتے اور شہوت مر جانے کے باعث انہیں نکاح کا طمع بھی باقی نہ رہے۔

علامہ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں کہ قواعد سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بڑھاپے کے باعث حیض اور اولاد سے رک جائیں۔ قواعد کے متعلق اللہ تعالے کا حکم ہے کہ اگر ایسی بوڑھی عورتیں زائد کپڑے اتار دیتی ہیں یعنی جلباب برقعہ یا بڑی چادر جو سارے جسم کو ڈھانپنے کا کام دیتی ہے تو یہ انکے لیئے گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ زائد کپڑے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے یہ نہ ہو کہ اس کے بعد وہ اپنی زینت لوگوں

کو دکھانا شروع کر دے۔ اور اگر بوڑھی ہونے اور اس اجازت کے باوجود وہ جلباب اتارنے سے بچے تو انکے لیئے یہ زیادہ بہتر ہے ۔

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۵ پر اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو (والقواعد من النساء) ابوداؤد اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس سے تخریج کی ہے فرماتے ہیں " وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن " منسوخ ہے اور اس سے استثناء کیا گیا ہے " القواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا " سے بوڑھی عورتیں مستثنیٰ ہو گئیں ۔

ابن منذر ابن ابی حاتم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس سے تخریج کی ہے والقواعد من النساء کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس عورت پر گناہ نہیں کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے کرتی اور دوپٹہ میں ، اور جلباب کو اپنے اوپر سے اتار رکھے بشرطیکہ وہ تبرّج نہ کرے ۔ کیونکہ تبرّج (زیب وزینت کا مظاہرہ) کو اللہ تعالےٰ ناپسند فرماتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد اس کا مظہر ہے ؛ " فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرّجات بزینة " ،

ابو عبید نے اپنی کتاب فضائل میں اور ابن منذر اور ابن انباری نے اپنے مصاحف میں اور بیہقی نے سنن میں تخریج کی ابن عباس سے کہ آپ اس آیت کو یوں پڑھتے تھے ———— ان یضعن ثیابھن " ، اور فرماتے تھے کہ ثیاب سے مراد جلباب ہے ۔ تخریج کی ہے عبدالرزاق اور فریابی اور عبد بن حمید اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی اور بیہقی نے سنن میں ابن مسعودؓ سے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے متعلق " فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن " ، فرماتے ہیں کہ ثیاب سے مراد جلباب اور رداء ہے ۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جلباب اوڑھنی سے بڑے کپڑے کو کہتے ہیں اور رداء کا معنیٰ چادر ہے ۔

امام خطیب شربینی تفسیر سراج منیر جزء ۲ ص ۶۴۰ پر اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں (والقواعد من النساء) قواعد سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بیٹھ جائیں اولاد اور حیض سے بڑھاپے کے باعث اور انکی اولاد ہونا اور حیض آنا بند ہو جاتے اس کا واحد قاعد بغیر ھا کے ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مردوں سے بیٹھ جائیں۔ اور یہ معنی اللہ تعالے کے اس ارشاد کا ہے (اللاتی لا یرجون نکاحًا) یعنی بڑھاپے کے باعث مردوں کا ارادہ نہ رکھیں۔ ربیعہ فرماتے ہیں کہ قواعد سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں جنکو مرد دیکھ کر نفرت کرے۔

پس ایسی عورتیں جن میں ابھی حسن وجمال باقی ہو اور وہ محل شہوت ہوں تو ایسی عورتیں اس آیت کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی اور ان کو قواعد بھی نہ کہا جاتے گا فلیس علیھن جناح یعنی ان پر گناہ نہ ہوگا اس معاملہ میں ان یضعن ثیابھن " کہ وہ اپنے کپڑے اتار رکھیں جنکا تعلق ظاہر سے ہے۔ اور اصل کپڑوں کے اوپر اصل کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں مردوں کے سامنے، جیسے جلباب یا رداء یا قناع دوپٹے کے اوپر والے کپڑے مراد ہیں۔ لیکن دوپٹے کا اتار رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ دوپٹے کے اتر جانے سے تو وہ مقامات بے پردہ ہو جائیں گے جنکا پردہ ضروری ہے۔

غیر متبرجات بزینۃ " یعنی جلباب یا رداء کے اتار رکھنے سے ان کا مقصد اظہارِ زینت نہ ہو کیونکہ زینتِ خفیہ کے متعلق اللہ تعالے نے فرمایا ہے: "ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن " کہ زینتِ خفیہ خاوندوں کے علاوہ کسی کے لئے ظاہر کرنا جائز نہیں ______ یا ان کا کپڑے اتار رکھنے سے انکا ارادہ بے پردگی کا نہ ہو۔ تبرج کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تبرج کا معنی یہ ہے کہ عورت اپنا ان خوبیوں اور حسن کو ظاہر کرے جس کا چھپانا اس پر لازم ہے۔ اللہ تعالے نے

جائز (وضع ثیاب) کو ذکر کرنے کے بعد مستحب کا ذکر فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ بوڑھی عورت بھی زائد کپڑے نہ اتارے بلکہ مکمل پردہ رکھے۔

اس آیت میں بوڑھی عورتوں کے لیئے ایک رخصت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ بوڑھی عورتیں جو ناقابل اولاد ہیں اور نہ ہی انہیں حیض آتا ہے انکی شہوت مر چکی ہے اور انہیں شادی کی تمنا باقی نہیں رہی نہ ان میں حُسن و جمال باقی ہے اور نہ ہی انکی طرف مرد توجہ کرتے ہیں، ایسی عورتیں پردے کے لیئے استعمال ہونے والے زائد کپڑے اتار کر رکھ سکتی ہیں۔ یہ ان کے لیئے جائز ہے۔ لیکن اگر ایسی بوڑھی عورتیں زائد کپڑے نہ اتاریں تو یہ ان کے لیئے زیادہ بہتر اور پرہیزگاری کا باعث ہو گا۔ اس میں انکو اجر و ثواب زیادہ ملے گا۔

عورت کے متعلق مشیتِ ایزدی و منشاء ربانی اس آیت سے کسطرح واضح ہو رہی ہے خود اللہ تعالےٰ نے بوڑھی ضعیف عورتوں کو زائد کپڑے اتار رکھنے کی اجازت دی، لیکن ساتھ ہی یہ واضح فرما دیا کہ میری رضا اور خوشی اسی میں ہے کہ بوڑھی عورتیں اس اجازت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے پردہ پوشی کی حالت برقرار رکھیں یہی انکے لیئے بہتر ہے۔ یہ احکام تو بوڑھی عورتوں کے بارے میں ہیں۔

لیکن جوان عورتیں جنکی بے پردگی کے باعث معاشرے میں ہزاروں خرابیاں رونما ہوتی ہیں کیا کوئی عقلمند اس آیت کی روشنی میں یہ سمجھ سکتا ہے کہ انکو اللہ تعالےٰ نے بے حجابانہ پھرنے، ہاکی اور کبڈی کھیلنے، ملوں اور کارخانوں، ہسپتالوں اور شفا خانوں میں تار گھر اور ڈاکخانوں میں مردوں کے ساتھ مل جل کر بے پردہ کام کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ کیا اب بھی روشن خیالوں کو اس پر اصرار رہے گا کہ ہاکی اور کبڈی کھیلنے ہائی جمپ یا لانگ جمپ لگانے سے بے پردگی نہیں ہوتی اور نہ ہی اظہارِ زینت ہوتا ہے۔ کیونکہ بقول پروفیسر صاحب " کھیل کود میں تو ان غریبوں کے منہ پر مٹی پڑی ہوتی ہے " مٹی پڑنے سے مقاماتِ زینت کی بے پردگی کا جواز ثابت کرنا اتنی بڑی بددیانتی

اور ارشاداتِ ربانی کا ایسا کھلا انکار ہے جس کے بعد ایسا قول کرنے والے شخص کی بے ایمانی ثابت کرنے کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایسی عورتیں جو جوان ہوں یا جن میں حُسن یا شہوت باقی ہو انکو کسیطرح بے پردہ رہنے کی اجازت نہیں۔ پروفیسر کا یہ قول بھی انتہائی مردود شر انگیز اور قابلِ نفرت ہے کہ "پردہ کا حکم صرف گھر سے باہر جانے کی صورت میں ہو گا۔ گھر میں عورت اپنی سہولت کے مطابق جو لباس چاہے پہن سکتی ہے"۔ گھر کے احکام کو کیسطرح مقید نہ کرنا اور بلا قید گھر کے معاملے میں یہ حکم دے دینا سراسر قرآن عظیم کی مخالفت ہے۔

کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالے نے اُن تمام لوگوں کا ذکر فرما دیا ہے جن سے پردہ ضروری نہیں اور جن کے سامنے اظہارِ زینتِ ظاہری جائز ہے جس کی وضاحت کے لئے سورۃ نور کی آیت ۳۰، ۳۱ دیکھیں۔ لیکن گھر میں ملازم یا ایسے افراد جنکا ذکر اس آیت میں موجود نہیں ان میں سے بھی کچھ لوگ گھر میں ہو سکتے ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں کہ جن افراد کے سامنے اظہار زینت جائز نہیں گھر میں بھی ان سے پردہ لازم ہو گا۔ البتہ ایسے افراد گھر میں نہ ہوں تو چہرہ اور ہاتھوں کا پردہ ضروری نہیں ہو گا۔ لیکن ستر عورت ہر حال میں لازم ہے۔ اور نئی تہذیب اور ماڈرن لوگوں کیطرح گھر میں بے پردگی کا لباس ہرگز جائز نہیں ہو گا۔

اس آیت اور اس کی تفسیر سے ہمارا دعوٰی مدلّل اور مبرھن ہو چکا ہے کہ بوڑھی عورتوں کے پردہ کے احکامات جوان عورتوں سے مختلف ہیں۔ ایسی عورتیں میدانِ جنگ میں اگر کہیں نظر آگئی ہیں تو اس سے جوان عورتوں کے میدان جنگ میں بے حجابانہ جانے کی اجازت ثابت نہیں ہوتی۔ اور ایسے تمام اقوال کوئی حقیقت نہیں رکھتے ____ لہذا ثابت ہوا کہ میدانِ جنگ میں لڑنے کا مرحلہ ہو یا تیمار داری کا، زخمی اٹھانے کا یا پانی

پلانے کا، کسی حالت میں بھی عورت کو بے پردگی کی اجازت نہیں ہے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ پروفیسر کا مس فاطمہ جناح کے سلسلہ میں مولانا مودودی صاحب کے موقف اور اس قول پر کہ فاطمہ جناح ضعیف العمر ہے لہذا جو پردہ کے تحت احکامات جوان عورت کے لئے ہیں وہ اس پر نہ ہوں گے اس حد تک مولانا مودودی کا قول قرآن کریم کی روشنی میں بالکل صحیح ہے اور اس قول کی بنیاد پر مولانا کا مذاق اڑانا پروفیسر کی قرآن کریم سے ناواقفی کی بین دلیل ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عورتوں کے مساجد میں جانے کو ناپسند فرمایا

مالك بن يحيى بن سعيد عن عمرة بنت عبد الرحمن عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء منعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل، قال يحيى بن سعيد فقلت لعمرة او منع نساء بني اسرائيل المسجد قالت نعم.
(موطا امام مالک ص ۱۸۲)

امام مالک یحیٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے ام المومنین نے فرمایا اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا ہوتا جو کچھ کہ آجکل عورتوں نے شروع کر رکھا ہے تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے آپ روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے روک دیا گیا تھا۔ راوی یحیٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے کہا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے روک دیا گیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں۔۔۔

اسی حدیث کی تشریح میں محشی فرماتے ہیں کہ وہ کون سے افعال تھے جن کو حضور علیہ السلام کے بعد عورتوں نے شروع کر دیا تھا۔ جن کی بنیاد پر ام المومنین کو یہ فرمانا پڑا

کہ آجکل کی عورتوں نے جو کام شروع کر دیتے ہیں اگر انکے افعال کو حضور علیہ السلام نے دیکھا ہوتا تو آپ عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت ختم کر دیتے اور انکے مساجد میں آنے کی ممانعت فرما دیتے ۔ فرماتے ہیں وہ افعال یہ تھے کہ عورتوں نے خوشبو لگانی شروع کر دی ہے اور بناؤ سنگار شروع کر دیا ہے اور پردے میں کمی پیدا کر دی ہے اور ان میں سے اکثر عورتیں ناجائز کاموں کیطرف جلدی کرتی ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں عورتیں جسموں پر کمبل، بھاری لباس، جسم لپیٹنے کی بھاری چادریں وغیرہ پردے کے تحفظ کے لئے استعمال کرتی تھیں ۔ آج کل کے روشن خیالوں کے لئے ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد کتنا فکر انگیز اور عبرت خیز ہے ۔

سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے چند سال بعد ہی اتنی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں کہ جنہیں دیکھ کر ام المومنین اس قدر دل برداشتہ ہوئیں کہ انکو اتنے اہم معاملہ میں اظہارِ تاسف کی ضرورت پیش آئی لیکن اگر آج کی عورتوں سے ان عورتوں کا تقابل کیا جائے تو یقیناً ان کے درمیان بعد المشرقین ہو گا۔ خوشبو لگا کر مسجد میں آنے، پردے میں کمی، باریک لباس کے استعمال سے ام المومنین کو اتنے بڑے فیصلے کی خواہش پیدا ہوتی ۔ لیکن آج کی عورتیں جو پرفیوم میں یوں رچی بسی ہوتی ہیں کہ وہ جہاں سے گذر جائیں ماحول بھی اتنا معطر ہو جاتا ہے کہ خاصی دیر تک وہاں کی ہوائیں بھی کسی کے گذرنے کا پتہ دیتی رہتی ہیں اور پھر سر ننگے، کان ننگے، گردنیں بے حجاب اور اتنے چست کپڑے کہ اکثر اعضاء ان کپڑوں سے صاف طور پر اپنے وجود اور ساخت کا پتہ دے رہے ہوتے ہیں۔ آنکھوں کا حسن اور نظر کی تیر اندازی غیر محرموں سے بے حجابانہ بغیر کسی تکلف کے تمام رعنائیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ گفتگو اور میل جول، بڑی بڑی محفلوں میں شرکت اور غیر محرموں کے ساتھ اختلاط الامان والحفیظ ۔

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے بہتر احوالِ امت کو

فرمایا ہے کہ " وازواجہ امھاتھم " رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ماں کا اولاد سے پردہ نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود بھی امہات المومنین کو پردہ کا حکم دیا گیا تاکہ منافقین یا کفار امہات المومنین کو نہ دیکھ سکیں ۔ یا ۔ دوسری وجہ

تقویٰ و طہارت کو بام عروج تک پہنچانا مقصود تھا جسطرح کہ ارشاد ربانی میں وضاحت ہے۔ " ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن " پردے میں تمہارے اور خواتین کے دلوں کی زیادہ پاکیزگی مقصود ہے۔

امہات المومنین کے نقش قدم پر چلنے اور ان مقدس ہستیوں کے اقوال وافعال سے استدلال کرنے کے مدعیوں کو اپنے گریبانوں میں جھانکنا چاہیئے اور اپنے گھر کے حالات کا جائزہ لینا چاہیئے کیا انکی گھریلو ریاست میں یا انکی بیویاں بیٹیاں بھی اسی شرم وحیا کی حامل ہیں کہ قبروں پر جاتے ہوئے بھی انہیں پردے کا خیال دامنگیر ہوتا ہے ۔ ؟ یا کلبوں کی زیب و زینت بننے میں ہی انکی ترقی کا راز پنہاں ہے ۔ اور غیر محرموں کی آغوش ہی انکی آزادی کی شاہراہ ہے ۔ کیا بے حجابی اور بے حیائی میں ہی انکے حقوق کی بازیافت ہے ۔ ؟

کیا رات کے اندھیروں میں نوجوان دوستوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پارکوں اور ویرانوں میں سیر کرنے والی لڑکیوں کے باپ بھی اسلامی شرم وحیا کا نام لینے کی جرأت رکھتے ہیں ۔ ؟

ایسے لوگوں کو بے حیائی کی ترجمانی کے لئے کتابیں لکھ کر اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی ضرورت نہیں وہ روشن خیال ہیں اور انکی اولاد آزاد خیال و آزاد افعال، لہذا ایسے لوگوں کو اپنا کام کرنا چاہیئے اور اپنے مذموم افعال کے لئے اسلام کو بدلنے کے درپے نہیں ہونا چاہیئے ۔

حاصلِ کلام

○ پردے کی مختصر بحث آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوتے

(۱) آزاد عورت باندی اور مرد کے اجسام کے وہ حصے جنکو عورت (چھپانے کی چیز) کا حکم حاصل ہے "عورت" کا معنی ہر وہ چیز جس کے دیکھنے اور دکھانے سے شرم آئے، ستر کا معنیٰ (چھپانا۔ پردہ) ہوتا ہے۔ (المنجد المنتخب، صراح، بیان اللّسان، المعجم الاعظم۔

(۲) آزاد عورت کا پورا جسم عورت ہے۔ صرف ہتھیلیاں اور منہ کی ٹکلی عورت نہیں ہے۔ پورے جسم کا پردہ فرض ہے۔

(۳) عورت کو گھر میں جم کر رہنا چاہیئے اور بلا ضرورتِ شرعی وہ گھر سے نہ نکلے۔ ضرورتِ شرعیہ کی تفصیل یہ ہے۔ حج، عمرہ، زیارتِ والدین، قریبی رشتہ داروں کی بیماری پہ انکی عیادت، اور موت پر تعزیت۔ یہ ہیں ضروریاتِ شرعیہ، انکے علاوہ کاموں کے لیئے عورت کو گھر سے نکلنا جائز نہیں۔

(۴) عورت اگر خوشبو لگا کر یا بن سنور کر گھر سے نکلتی ہے اور فتنہ کا ظاہر ہونا یقینی ہے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر فتنہ یقینی تو نہیں لیکن ظنّی ہے یعنی فتنہ کا گمان ہے تو گھر سے نکلنا حرام ہوگا۔ یہی احکام عورت کے لیئے مسجد کو جانے کی صورت میں ہونگے۔ لیکن عورت بن سنور کر کلبوں میں، ہوٹلوں، سیر گاہوں، شادی بیاہ کی تقریبات یا جلسے جلوسوں اور دفتروں کارخانوں میں جاتی ہے تو فتنے کا احتمال یقینی ہوگا۔ اور ایسے مقامات پر جانا عورت کے لیئے گناہ کبیرہ کا سبب ہوگا۔

(۵) جسطرح مرد کا عورت کو دیکھنا حرام ہے یونہی عورت کا مرد کو دیکھنا حرام ہے۔ اور دونوں کا ایکدوسرے کو دیکھنے کی بجائے نظریں نیچی رکھنا ضروری ہے

اچانک نظر پڑ جانے کا گناہ نہیں لیکن دیکھتے ہی نظریں جھکانا اور دوبارہ نہ دیکھنا ضروری ہے۔

⑥ وہ مقامات حسن پر زیور پہنے جاتے ہیں مع زیور اور پہنے ہوئے کپڑوں کا پردہ فرض ہے لہذا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں کے بغیر عورت کا تمام جسم عورت کے حکم میں ہے لہذا اس کا پردہ اور چہرہ کا پردہ ضروری ہے۔ سر کے بال، کان، گردن، پاؤں وغیرہ سب عورت ہیں اور انکا پردہ بھی لازم ہے۔ جو عورت کان گردن سر کے بال یا پاؤں کو چھپا کر نہیں رکھتی وہ بے پردہ شمار ہوگی۔ اور اس پر بے پردگی کا گناہ ہوگا۔

⑦ قرآن کریم کی آیت " یدنین علیھن من جلابیبھن "، سے ثابت ہوا کہ اگر عورت بضرورتِ شرعیہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو اس کو چہرے کا پردہ کرنا واجب ہے اور ننگے منہ نکلنا شدید ترین گناہ ہے۔ نماز میں بوجہ ضرورت چہرہ اور ہتھیلیاں عورت کھلی رکھے گی۔

⑧ ستر عورت ہر حال میں لازم ہے وہاں کوئی ہو یا نہ ہو اندھیرے میں ہو، یا روشنی میں۔ مکان کے اندر بھی بلا کسی غرض کے ان مقامات کو جنکو عورت کا حکم حاصل ہے کھلا رکھنا جائز نہیں اور یہ حکم مرد و عورت کے لیے یکساں ہے کوئی بھی اپنی "عورت" کو کھلا نہیں رکھ سکتا۔

⑨ اتنا باریک کپڑا جس سے بدن کا رنگ یا بالوں کا رنگ نظر آتا ہو اس کے استعمال سے پردہ کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور ایسے کپڑے میں نماز بھی نہ ہوگی۔

⑩ ایسا کپڑا جس سے بدن کا رنگ تو نظر نہیں آتا لیکن وہ اتنا جسم سے چپکا ہوا ہے کہ عضو کی ہیئت نظر آتی ہے تو یہ بھی بے پردہ کا حکم رکھتا ہے اس کے استعمال سے پردہ کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

(۱۱) اگر عورت خوشبو لگا کر یا بن سنور کر مردوں کے سامنے جاتی ہے تو "زانیہ" ہے۔

(۱۲) وہ بوڑھی عورتیں جو قواعد کے حکم میں داخل ہیں چہرے کا پردہ نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ بھی پردہ کریں اور ننگے منہ گھروں سے نہ نکلیں۔

(۱۳) کوئی عورت کسی غیر محرم کے ساتھ علیحدگی اختیار نہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں تیسرا انکے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ یعنی شیطانی خیالات اس حالت میں آخری نقطے پر ہوتے ہیں۔

(۱۴) غیر مسلم مردوں اور عورتوں سے مسلم عورتوں کا اختلاط بالخصوص ممنوع اور سخت ترین گناہ ہے مسلمان عورتوں کے لئے غیر مسلم عورت بھی مرد کیطرح ہے۔ یعنی غیر مسلم عورت کے سامنے بوقت ضرورت بھی ستر کھولنے سے احتراز کرے۔

(۱۵) بلا ضرورت عورت کا غیر محرموں سے کلام کرنا ناجائز ہے اور کسی ضرورت کے پیش نظر گفتگو کرنے کی مجبوری ہے تو بھی سخت لہجے میں گفتگو کرے، میٹھی اور پیاری گفتگو کرنا جائز نہیں۔

(۱۶) عورتوں کا مسجدوں کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض نے عورتوں کے مسجدوں میں جانے کو ناپسند فرمایا۔ جمہور علماء فتنے کی زیادتی کی وجہ سے اس پر متفق ہیں کہ عورتوں کا مساجد کو جانا ناجائز ہے۔ لہذا عورت کو نماز گھر میں بلکہ انتہائی مخفی یعنی کمرہ در کمرہ میں پڑھنی چاہیئے۔

(۱۷) عورت کا جہاد اس کا گھر میں چپک کر بیٹھنا ہے عورت اگر گھر میں یوں رہتی ہے کہ گھر سے باہر نہیں نکلتی تو اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا اجر ملے گا۔

اچانک نظر پڑ جانے کا گناہ نہیں لیکن دیکھتے ہی نظریں جھکانا اور دوبارہ نہ دیکھنا ضروری ہے۔

(۶) وہ مقامات جن پر زیور پہنے جاتے ہیں مع زیورات پہنے ہوئے کپڑوں کا پردہ فرض ہے لہذا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں کے بغیر عورت کا تمام جسم عورت کے حکم میں ہے لہذا اس کا پردہ اور چہرہ کا پردہ ضروری ہے۔ سر کے بال، کان، گردن، پاؤں وغیرہ سب عورت ہیں اور انکا پردہ بھی لازم ہے۔ جو عورت کان گردن سر کے بال یا پاؤں کو چھپا کر نہیں رکھتی وہ بے پردہ شمار ہوگی۔ اور اس پر بے پردگی کا گناہ ہوگا۔

(۷) قرآن کریم کی آیت " یدنین علیهن من جلابیبهن "، سے ثابت ہوا کہ اگر عورت بضرورتِ شرعیہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو اس کو چہرے کا پردہ کرنا واجب ہے اور ننگے منہ نکلنا شدید ترین گناہ ہے۔ نماز میں بوجہ ضرورت چہرہ اور ہتھیلیاں عورت کھلی رکھے گی۔

(۸) سترِ عورت ہر حال میں لازم ہے وہاں کوئی ہو یا نہ ہو اندھیرے میں ہو، یا روشنی میں۔ مکان کے اندر بھی بلا کسی غرض کے ان مقامات کو جنکو عورت کا حکم حاصل ہے کھلا رکھنا جائز نہیں اور یہ حکم مرد و عورت کے لئے یکساں ہے کوئی بھی اپنی "عورت" کو کھلا نہیں رکھ سکتا۔

(۹) اتنا باریک کپڑا جس سے بدن کا رنگ یا بالوں کا رنگ نظر آتا ہو اس کے استعمال سے پردہ کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور ایسے کپڑے میں نماز بھی نہ ہوگی۔

(۱۰) ایسا کپڑا جس سے بدن کا رنگ تو نظر نہیں آتا لیکن وہ اتنا جسم سے چپکا ہوا ہے کہ عضو کی ہیئت نظر آتی ہے تو یہ بھی بے پردہ کا حکم رکھتا ہے اس کے استعمال سے پردہ کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

(۱۱) اگر عورت خوشبو لگا کر یا بن سنور کر مردوں کے سامنے جاتی ہے تو "زانیہ" ہے۔

(۱۲) وہ بوڑھی عورتیں جو قواعد کے حکم میں داخل ہیں چہرے کا پردہ نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ بھی پردہ کریں اور ننگے منہ گھروں سے نہ نکلیں۔

(۱۳) کوئی عورت کسی غیر محرم کے ساتھ علیحدگی اختیار نہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں تیسرا انکے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ یعنی شیطانی خیالات اس حالت میں آخری نقطے پر ہوتے ہیں۔

(۱۴) غیر مسلم مردوں اور عورتوں سے مسلم عورتوں کا اختلاط بالخصوص ممنوع اور سخت ترین گناہ ہے مسلمان عورتوں کے لئے غیر مسلم عورت بھی مرد کیطرح ہے یعنی غیر مسلم عورت کے سامنے بوقت ضرورت بھی ستر کھولنے سے احتراز کرے۔

(۱۵) بلا ضرورت عورت کا غیر محرموں سے کلام کرنا ناجائز ہے اور کسی ضرورت کے پیش نظر گفتگو کرنے کی مجبوری ہے تو بھی سخت لہجے میں گفتگو کرے، میٹھی اور پیاری گفتگو کرنا جائز نہیں۔

(۱۶) عورتوں کا مسجدوں کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عورتوں کے مسجدوں میں جانے کو ناپسند فرمایا۔ جمہور علماء فتنے کی زیادتی کی وجہ سے اس پر متفق ہیں کہ عورتوں کا مساجد کو جانا ناجائز ہے۔ لہذا عورت کو نماز گھر میں بلکہ انتہائی مخفی یعنی کمرہ در کمرہ میں پڑھنی چاہیئے۔

(۱۷) عورت کا جہاد اُس کا گھر میں چپک کر بیٹھنا ہے عورت اگر گھر میں یوں رہتی ہے کہ گھر سے باہر نہیں نکلتی تو اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا اجر ملے گا۔

(۱۸) عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط حرام اور سخت گناہ ہے اسی لئے عورت کو حکم ہے کہ وہ راستے کے درمیان نہ چلے بلکہ راستے کے ایک طرف چلے، تاکہ اس کا مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو۔

تبصرہ

احکام پردہ ذکر ہو چکے ہیں۔ عورت کی ملکی سربراہی کے عدم جواز میں مرد کی "قوامیت" عورت کے عقل و دین کا نقصان، مرد سے مرتبہ میں کمی، عورت کی امامت صغریٰ اور کبریٰ کے لئے نا اہلی، ملکی سربراہی کی صورت میں احکام پردہ کی خلاف ورزی وغیرہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث پاک میں "لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ" میں فلاح اخروی کا ذکر ہے جو عورت کی سربراہی کی عدم جواز کی نسبتاً کم درجے کی دلیل ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ علماء کرام نے سارا زور اس حدیث پاک پر صرف کر دیا ہے اور جواز کے قائلین نے بھی بلا وجہ اس حدیث پاک کو ہر قیمت پر ضعیف ثابت کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ خواہ اس کے لئے انہیں کتنے جلیل القدر صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنی پڑی ہے اور صحابہ کرام پر اور حدیث کے دیگر راویوں پر کیچڑ اچھال کر انہوں نے اپنی ایمانی دولت کو راکھ کر ڈالا ہے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ علماء کرام ان دلائل پر توجہ دیتے جنکے باعث عورت کی سربراہی بے شمار خرابیوں اور ارشادات ربانی کے انکار کا موجب بنتی ہے اور جس سے پوری عمارت اسلام متزلزل ہو جاتی ہے۔ انہی احکام کو عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی دلیل بنایا جاتا تو نتائج بہت بہتر نکلتے۔

احکام پردہ بیان کئے جا چکے ہیں قارئین کے سامنے شیشہ رکھ دیا گیا ہے اب

خود ہی اندازہ فرمائیں کہ عورت کی سربراہی کی صورت میں کتنے احکاماتِ ربانی کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ کتنی خرابیاں جنم لیتی ہیں اور کتنی سیاہ کاریوں کا دروازہ کھلتا ہے کتنے حقوق پامال ہوتے ہیں آئینِ فطرت کسطرح تاخت وتاراج ہوتا ہے شرافت کی دھجیاں کیسے بکھرتی ہیں، غیرتِ اسلامی کا کیسے جنازہ نکلتا ہے۔ خلاقِ عالم کے تخلیقی مقاصد کسطرح زیروزبر ہوتے ہیں۔ شرم وحیا کا چہرہ کیسے خاک آلود ہوتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور عساکرِ اسلام کس حرماں نصیبی کا شکار ہوتے ہیں ——— کیا یہ سب کچھ امتِ مسلمہ برداشت کرسکتی ہے اور اتنی بڑی قیمت کے عوض بھی عورت کی سربراہی کے جواز کا دعویٰ جاری رکھنے کی جسارت جاری رکھے گی اور قومِ مسلم اپنی متاعِ ایمانی کی تباہی کو خاموشی سے دیکھتی رہے گی۔ مداہنت ومنافقت کا یہ کارواں یوں ہی رواں دواں رہے گا۔ کوہِ صفا کے مبلغ کی آواز پر کیا آج کوئی بھی مسلمان لبیک کہنے والا نہیں۔ بیعتِ رضوان کے جذبات دھندلکوں میں ڈوب گئے ہیں۔ جبل نور کی شعاعیں ماند پڑگئی ہیں۔

کیا آج کوئی بھی "رضینا باللہِ ربًّا و بالاسلام دینًا و بمحمدٍ نبیًّا" کہنے والا نہیں ہے۔ کیا مذہب کے رشتے ٹوٹ گئے ہیں اور عصبیت وجہالت غالب آگئی ہے اور طمع ولالچ نے مسلمانوں کے ضمیر زنگ آلود کر دیئے ہیں۔ یونہی اللہ تعالےٰ اور نبی اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے غداری اور بغاوت جاری رکھنے کا کیا مسلمانوں نے عزمِ صمیم کرلیا ہے کیا کبھی انکو ازل کے وعدے بھی یاد آئیں گے موت اور قبر کی وحشت کا فکر بھی انکے دامنِ دل کو کھینچے گا۔ کبھی انکی آنکھوں سے گمراہی کے پردے اتریں گے۔ کبھی وہ پھر سے دامانِ مصطفیٰ سے وابستگی کا عمل شروع کرسکیں گے۔ یا یونہی گمراہی کی تاریکیوں کو ساتھ لے کر قبر کی تاریکیوں میں گم ہوجائیں گے۔؟

بلقیس کی گردان

آج تک عورت کی سربراہی کے جواز کے دعویداروں کو حدیثِ پاک "لن یفلح قوم" اور "بطن الارض" کو ضعیف کہنے، امام طبری اور امام مالک کا حوالہ دینے اور ملکۂ سبا بلقیس، رضیہ سلطانہ، چاند بی بی، شجرۃ الدّر، ست الملک کی سربراہی کی گردان چڑھانے کے بغیر کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔ دونوں حدیثوں کے متعلق انشاءاللہ تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں ذکر ہو گی۔ لیکن بعض مقامات پر ان احادیث کے متعلق اور خصوصاً "لن یفلح قوم"، کے متعلق ضمناً عرض کیا بھی جا چکا ہے کہ اتنے عظیم محدثین، مفسّرین، فقہاء کیا سب کے سب اسماءالرّجال سے ناواقف تھے۔ جنہوں نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا۔

اور فن اسماءالرجال صرف عورت کی ملکی سربراہی کے جواز کے مدعیوں کو ہی آتا ہے۔ اور وہ چودہ سو سال میں چودہ بھی قابلِ ذکر افراد پیدا نہ ہو سکے جن کا دبستانِ علم وعمل میں کوئی مقام ہوتا۔ کیونکہ ایسے خوشامدی تو ہر دور میں موجود رہے ہیں جو شاہ کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے اس کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ دن کو رات کہے تو وہ جی حضوری تڑپ کر یوں اٹھتے ہیں، شہنشاہِ معظّم! آج تو آسمان پر ستارے کچھ زیادہ ہی چمکدار نظر آرہے ہیں۔ ایسے مرفوع القلم لوگوں کی بھیڑ کو کبھی کسی بھی سلیم الفطرت انسان نے کوئی حیثیت دی ہے اور نہ ہی انکا شمار کبھی محققین میں ہوتا ہے۔ بلکہ انکو لوگ سرکاری درباری جی حضوری، مطلب پرست، مفاد پرست کے ناموں سے جانتے پہچانتے اور یاد کرتے ہیں۔

لیکن جس دور سے ہم گذر رہے ہیں اس دور کو ایک خصوصیت یہ بھی

حاصل ہوتی کہ انہی لوگوں کے لبادے میں ملحدین بھی ایسے کام انجام دینے میں شامل ہوگئے۔ ان کے اصلی اور اندرونی مقاصد کے متعلق پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ نادان حکمرانوں کو ان کی ہمنوائی کرکے خوش کر دیتے ہیں اور اسیطرح وہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیئے شاہی سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ آجکل بھی ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں۔ ایمان فروشی کا بازار گرم ہے۔ اور دین فروش دینی حدود وقیود کو پامال کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔

یہی صورت حال رحمت اللہ طارق اور پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی ہے گردش لیل ونہار نے ان کی بصیرت کے ساتھ بصارت بھی چھین لی ہے۔ اور قرآن پاک کی تحریف کو انہوں نے اپنا وطیرہ بنالیا ہے۔ چنانچہ طارق نے تو نملہ (چیونٹی) کو ملکہ قرار دے کر بھی شرم محسوس نہیں کیا۔ آخر کذب وافتراء کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ لیکن جس نظریے کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی گئی ہو اس میں جھوٹ بولنے سے شرم چہ معنی دارد۔

ملکہ سبا بلقیس کا ذکر بطور گردان کیا جاتا ہے اور اس کی واضح مثال آپ کو پروفیسر کی کتاب میں نظر آئے گی۔ پروفیسر نے متعدد مرتبہ بلقیس کا ذکر کرکے اور طارق نے اسی واقعہ کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے عجز و ناکامی کا اعتراف کیا ہے۔ پروفیسر شہاب نے بلقیس کی حکومت کو جمہوری حکومت قرار دیا ہے۔ اور ۳۱۲ قومی اسمبلی کے ممبران کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ بلقیس کی حکومت جمہوری اصولوں پر قائم تھی اور اس کی قومی اسمبلی کے ۳۱۲ رکن تھے اور مملکت کے تمام معاملات مجلس مشاورت کے باہمی مشورے اور کثرت رائے سے طے پاتے تھے۔ حالانکہ یہ

قطعاً غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ کیونکہ وہ مجلس مشاورت جو بلقیس کی تھی وہ قطعاً بے اختیار تھی اور تمام فیصلے بلقیس اپنی صوابدید پر کرتی تھی

اس کی واضح مثال قرآن پاک میں موجود ہے کہ جب بلقیس نے اپنے ملک کے سرداروں کو جمع کیا اور انکے سامنے یہ معاملہ رکھا کہ مجھ پر ایک عزت والا خط ڈالا گیا ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ ہم سلیمان علیہ السلام کی اطاعت اختیار کریں اور ان کی خدمت میں حاضر ہوں، اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ سب سرداروں نے بیک زبان کہا کہ آپ کو ہرگز سلیمان علیہ السلام کے پاس نہیں جانا چاہیئے اور نہ ہی انکی اطاعت اختیار کرنی چاہیئے۔ ہم بڑی قوت کے مالک ہیں اور جنگجو بھی ہیں لہٰذا ہم انکا مقابلہ کریں گے۔

لیکن بلقیس نے اس نام نہاد اسمبلی کی متفقہ رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کیا کہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ بادشاہ جب فاتحانہ انداز میں کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں اسی لیئے میں ان کی طرف تحائف بھیج رہی ہوں۔ پھر اس کے ردِ عمل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد کے تمام واقعات بھی ملکہ بلقیس کی ڈکٹیٹر شپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس نے کسی بھی مسئلہ میں اپنے نام نہاد اسمبلی کے کاغذی گھوڑوں کی رائے پر عمل نہ کیا۔

کیا یہی وہ جمہوریت ہے جس کے لئے پرویز اور طارق اور اس قبیل کے لوگوں کے علاوہ ملک کے سیاسی لیڈر مذہبی رہنما اور نیم سیاسی لوگ نمک کی طرح گل رہے ہیں اور انکو ہر چیز برداشت ہے لیکن جمہوریت کو لاحق ہونے والا خطرہ برداشت نہیں ہے۔ ان کے روزمرہ اخباری بیانات

سے یوں لگتا ہے کہ جمہوریت نہ ہی تو انکی روح بھی چودہ ہڈیوں کے پنجرے میں نہیں رہے گی بلکہ اسی محترمہ کے ساتھ محوِ پرواز ہو جاتے گی۔ اور یوں تختِ سلیمانی کیطرح وہ اپنی ذرّیت کو ساتھ لے کر ہواؤں کے دوش پر فضاؤں کو چیرتی ہوئی وہیں پہنچ جائے گی جہاں سے وہ درآمد ہوئی تھی۔ اللہ تعالٰے یہ دن جلد ہم کو دکھائے۔ کیونکہ یہ ملک کسی بھی لادینی نظام کی تجربہ گاہ کیلئے معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ تو گنبدِ خضرا کے مکین محبوب رب العلمین فداہ ابی وامّی کے نظام کے لئے وجود پذیر ہوا تھا۔

افسوس کہ آجکل مذہبی سیاسی جماعتوں کے اہم اراکین بھی جمہوریت کا راگ الاپتے نہیں شرماتے۔ اور ان کو بھی جمہوریت کے بغیر پل بھر چین نہیں آتا۔ لیکن اصلی سانحہ تو اس سے بھی افسوسناک ہے۔

اور وہ یہ کہ نام نہاد مذہبی جماعتوں کے صدور خود بھی علم یتیم کے مالک ہیں انہیں خود کو بھی معلوم نہیں کہ ہماری منزل کیا ہے دعویٰ کیا ہے اور راستہ کون سا اختیار کیا ہے وہ تو چند سنے سنائے جملے بول دیتے ہیں۔ اور انہیں سے اگر ایک آدھ ایسا بھی ہے جسے کچھ نہ کچھ معلوم تو ہے لیکن پھر بھی وہ مداہنت میں اس لیئے مصروف ہے کہ اسلامی نظام کا وہ راستہ جو خلفائے راشدین نے متعین کیا، اس ملک میں جو اس کی تبلیغ کرتا ہے اخبارات اس کو اہمیت نہیں دیتے اور تشہیری ادارے اسے کوریج نہیں دیتے اسطرح اس کی رفتار میں کمی واقع ہو جاتی ہے جب کہ اس کو سبک رفتاری کی شدید ضرورت ہے رفتار کی تیزی کے شوق نے بھی کچھ لوگوں کو بے راہ کر دیا ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جمہوریت درحقیقت اسلامی نظام ہے یا اسلام کے قریب تر ہے۔ یہ سب باتیں ایک احمق دوست کی خیر خواہی کے مترادف ہیں۔

جمہوریت سے مراد مغربی پارلیمانی نظامِ حکومت ہے جس کی جمہوریت کا اسلامی جمہوریت سے کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مغربی جمہوریت اور اسلامی جمہوریت دو متضاد چیزیں ہیں ان کو گڈمڈ کرنا اسلام سے بدترین دشمنی ہے۔ اسلامی نظام کے لیے خلافت راشدہ کے دور سے بہتر کونسی مثال اور عملی نمونہ ہو سکتا ہے۔ خلفائے راشدین کے نظام کو چھوڑ کر اگر ہم مغربی نظام کی پیروی کرتے ہیں تو کیا یہ اسلام سے دوستی اور محبت ہوگی یا دشمنی اور عداوت، ملکہ بلقیس کی جمہوریت آج کی جمہوریت سے کچھ مختلف نہ تھی۔

اسی حقیقت کا اعتراف پروفیسر نے یوں کیا ہے کہ وہ ایک عورت اپنی اسمبلی کے ۳۱۲ ارکان پر بھاری تھی۔ جمہوریت کے عاشقوں کے لیے ملکہ بلقیس کا عمل یقیناً مسرت کا باعث ہوگا کیونکہ اس نے اسی جمہوریت کا مظاہرہ کر دکھایا جو آجکل کے لوگوں کو مطلوب ہے۔ اور یہی اعتراض ہمارا ہے کہ جمہوریت کی کوئی حقیقت نہیں اور اسی بنیاد پر وزارت تنفیذ و تفویض کی بحث بھی بالکل لایعنی ہے یہ محض لفظوں کا ہیر پھیر ہے خارج میں اسکی کوئی وقعت نہیں۔

عورت کی حکومت سے جنم لینے والی سینکڑوں خرابیوں، خامیوں اور حدود اسلامیہ کی پامالی کے لیے راستہ صاف کرنا کونسی دینداری ہے۔ اصحاب تاویل نے ہمیشہ ایسی فاسد تاویلیں کر کے شریعت کے رخ زیبا کو بے نور کرنے کی کوشش کی۔ یہ تاویلوں کا باب کیوں کھلتا ہے اس کے متعلق تو قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن، اتنی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق احکام شرعیہ کو بدلنے کے لیے اکثر یوں ہوتا ہے اس کے پس منظر میں ذاتی مفادات اور خواہشات کے علاوہ کچھ مذہبی وجوہ بھی ہو سکتی ہیں۔ بہرحال تاویلیں کرنے والوں نے کوئی اور خدمت انجام دی ہے یا نہیں یا اس سے عامۃ المسلمین

کہ کس قدر فائدہ پہنچا ہے اس سے قطع نظر ایک خدمت انہوں نے ضرور انجام دی ہے جس کے اعتراف سے گریز ممکن نہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک اسلام کے کئی نقشے بنا دیئے گئے ہیں۔

یہ دفیسر اور طارق نے ملکہ بلقیس کی فہم و فراست معاملہ فہمی اور تدبر کی تعریف میں انتہائی غلو سے کام لیا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ ملکہ بلقیس کی رائے کتنی ہی مفید کیوں نہ ہوتی اور اس میں امن وامان کی بقا رکتنی ہی مضمر کیوں نہ ہوتی پھر بھی اس کا فیصلہ عورتوں کا فیصلہ تھا۔ اگر ہم شرائط امامتِ کبریٰ کو سامنے رکھتے ہیں تو ان میں ایک شرط شجاعت اور دلیری بھی ہے۔ ۲۱۲ ارکینِ اسمبلی کی رائے شجاعانہ اور قوتِ مردانگی کی مظہر تھی۔ لیکن اس کے برعکس ملکہ بلقیس کی رائے میں وہی کمزوری واضح تھی جس کا خوف ائمہ علم کلام کو دامنگیر رہا اور انہوں نے ملکی سربراہی کے لئے مذکر ہونے اور شجاع ہونے کی شرطیں عائد کیں۔ ملکہ بلقیس کی رائے سے ائمہ علم کلام کی تائید ہوتی ہے اور شرائطِ امامت میں انکی تحقیق اور اصابتِ رائے بے داغ ہو جاتی ہے۔

عورت کی تخلیقی اور طبعی کمزوریوں میں "بزدلی" کا شمار عین حقیقت ہے جس کی ایک مثال ملکہ بلقیس کا فیصلہ بھی تھا۔ ذیل میں طارق اور شہاب کی کتابوں سے ملکہ بلقیس کے متعلق ان کے خیالات اس واقعہ سے استدلال اور من مانی تشریحات، قرآن پاک کی معنوی تحریف ملاحظہ کرنے کے لئے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ملاحظہ ہوں:-

"یہ عورت نہایت ہی فرزانہ، بہادر، فاتح اور جہانبانی کی خفیہ رموز سے آگاہی اور پہچان رکھنے والی تھی۔ اس ملکہ کو ہر گونہ دنیوی ساز و سامان میسر تھا، رعایا خوش حال اور مداح تھی قرآن پاک

نے اسی لافانی ملکہ کے بارے میں فرمایا ہے: قالت ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون (سلیمان ۹۵۰ ق) کے غنیم کے پہنچنے کی خبر پاکر ملکہ نے اپنے اعیانِ مملکت سے کہا "بادشاہ جب کسی بستی پر فاتحانہ در آتے ہیں تو اسے تہہ وبالا کرکے رکھ دیتے ہیں اور پھر وہاں کے باسیوں میں سے عزت داروں کو ذلیل اور رسوا (اور فاتح اوباشوں کو طاقت ور و توانا) بنا ڈالتے ہیں اور یہ ہمیشہ سے ایسا ہی دستور چلا آیا ہے"۔ (نمل ۳۴)

ملکہ سبا نے چونکہ خود بھی ایک زبردست فاتح کی حیثیت سے جنگجو سرداروں اور ملکوں کو فتح کرکے مفتوح اقوام کو عملاً مفلوج کر رکھا تھا۔ لہٰذا اسے شعور تھا کہ ہر فاتح کی یہی نفسیات ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ اپنے ادراک، فکر رسا اور عقل مندی سے اپنی قوم کو یہ کہہ کر بڑی تباہی سے بچالیا کہ وہ جب تاب مقابلہ نہ لاسکیں تو حکمت کی توانائی سے تباہی اور ہلاکت کا سدباب کریں۔

قرآن کا یہ واقعہ اپنے اندر رہنمائی اور عورت کی سربراہی کے گوناگوں انداز رکھتا ہے اور یہ قرآن ہی کا بالغ اسلوب ہے کہ وہ جب کسی کے عمل اور شخصیت کو مدح اور خوبی کے مقام پر ذکر فرماتا ہے تو اس کا منشا ایسے اسلوب میں پنہاں حقائق کا اعتراف کرانا ہوتا ہے۔

اس اصول کے مطابق یہ کہنا کہ عورت کی سربراہی کو خود قرآن پاک نے بھی ہلاکت و تباہی کا موجب گردانا ہے نہ صرف اصولِ عربیت

کے خلاف ہے، وحی الٰہی کے منشاء کو غلط مفہوم پہنا کر اپنے دائرے
سے باہر کھینچ لانا بھی ہے۔

(عورت اور مسئلہ امارت صفحہ ۶۷، ۶۸ مصنفہ رحمت اللہ طارق)

پھر قرآن مجید میں ملکہ سبا کی حکومت کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں
ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی دور میں ایک وقت ایسا آتا ہے
کہ اس دور کی ایک عورت، ملک کے تمام مردوں سے زیادہ ذہین
اور معاملہ فہم ہوتی ہے اور وہ امور مملکت کو مردوں کی نسبت زیادہ
عمدگی سے چلا سکتی ہے اس کی تفصیلات پہلے پیش کی جا چکی ہیں مختصر
یہ کہ اسلامی معاشرے میں مسلمان عورت کا مرتبہ کسی صورت میں
مردوں سے کم نہیں اور جن مناصب حکومت پر مرد کام کرتے ہیں
عورتیں بھی ان پر بخوبی کام کر سکتی ہیں۔

(منصب حکومت اور مسلمان عورت صفحہ ۲۶ مصنفہ پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

قرآن مجید میں ملکہ سبا کا واقعہ بیان ہوا ہے اس کی تفصیلات سے
معلوم ہوتا ہے کہ انکی وسیع وعریض مملکت تھی ملک خوشحال تھا
اس بارے میں ہمارے مفسرین نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے
ملک کا انتظام چلانے کے لئے ایک قومی اسمبلی قائم کر رکھی تھی
جس کے اراکین کی تعداد ۳۱۲ تھی، ملکہ سبا جسکا نام بلقیس تھا،
حکومت اور اسمبلی کی سربراہ تھی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے
انہیں اسلام لانے کی دعوت دی تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام
کا خط ان ممبران اسمبلی کے سامنے رکھا۔ ان ممبروں کو اپنی طاقت
کا غرور تھا۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے لڑائی کرنے

کا مشورہ دیا۔" (سورۃ النمل آیات ۲۹ تا ۳۳)

لیکن قرآن مجید کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت ان تمام ۳۱۲ ممبروں سے زیادہ ذہین تھی۔ اس نے کہا مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام دنیوی بادشاہ معلوم نہیں ہوتے بلکہ وہ اللہ تعالے کے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ انکی اصلی حیثیت جانچنے کے لیئے میں ایک قیمتی تحفہ حضرت سلیمان کو بھیجتی ہوں اگر انھوں نے وہ قبول کر لیا تو واضح ہوجائے گا کہ وہ ایک دنیاوی بادشاہ ہیں اس کے بعد ہم ان کے ملک پر چڑھائی کر دیں گے۔

لیکن حضرت سلیمان نے وہ تحفہ قبول کرنے سے انکار کر کے ثابت کر دیا کہ وہ اللہ تعالے کے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے فوڑا اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد بعض مفسرین کے نزدیک اس نے حضرت سلیمان سے شادی کر لی تھی۔ جب کہ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اُس کے ملک یمن میں رہنے دیا اور وہاں کسے ایک بادشاہ سے اس کی شادی کرادی (ایضًا صہ ۳۴)

بلکہ اس کے مقابلے میں قرآن مجید میں اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنے ملک کے تمام مردوں سے زیادہ عقلمند اور لائق ہوتی ہیں۔ ملکہ سبا حضرت بلقیس ایک عورت تھیں انہوں نے جو مجلس شوریٰ قائم کر رکھی تھی اس کے اراکین کی تعداد تین صد سے زیادہ تھی لیکن قرآن مجید اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ وہ عورت حکمران نہ صرف ان تین صد ارکان سے زیادہ ذہین تھی بلکہ اپنے سارے ملک کی ذہین ترین عورت تھی تو قرآن وحدیث کی ان واضح تعلیمات کا انکار کر کے عورت کو کسطرح ناقص العقل قرار دیا جا سکتا ہے۔" (ایضًا ص ۵۰)

آپ نے طارق اور شہاب کے خیالات ملاحظہ فرمائے ان کے جوابات دینے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ بلقیس کے واقعہ سے متعلق سورہ نمل کی وہ آیات یہاں مع ترجمہ لکھ دی جائیں تاکہ قارئین خود بھی اندازہ فرماسکیں کہ ان دونوں کے دعووں میں کتنی حقیقت ہے اس کے بعد انشاءاللہ مختصراً جوابات بھی لکھ دیتے جائیں گے۔

ملاحظہ ہو!

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ٥

اور سلیمان نے خبر گیری کی پرندوں کی تو فرمایا مجھے کیا ہوا کہ میں (ان پرندوں میں) ہدہد کو نہیں دیکھتا یا وہ (فی الواقع) غیر حاضر ہے۔

لَأُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهٗ أَوْ لَيَأْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ٥

ضرور میں اُسے سخت سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ واضح دلیل لے کر میرے پاس آئے۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ أَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَّقِيْنٍ ٥

تو (ہدہد) تھوڑی دیر ٹھہرا پھر (حاضر ہو کر) بولا میں نے اس جگہ کا احاطہ کیا جس کا احاطہ آپ نے نہ فرمایا اور میں آپ کے پاس (شہر) سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

إِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا

میں نے (وہاں) ایک عورت کو پایا جو اُن پر حکمرانی کر رہی ہے اور (اس کے حال کے لائق) اسے ہر چیز میں سے

عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝

دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝

میں نے اُسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ سب اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے انکی (مشرکانہ) اعمال کو انکے لیے مزیّن کر دیا ہے پس انہیں (سیدھے) راستے سے روک دیا ہے تو وہ راہ نہیں پاتے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝

(شیطان نے انہیں روک دیا) تاکہ وہ سجدہ نہ کریں اللہ کو، جو باہر لاتا ہے آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزیں اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

اللہ ہے کہ اسکے سوا کوئی سچا معبود نہیں (وہ) عرش عظیم کا مالک ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

(سلیمان نے) فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا جھوٹوں میں سے ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝

میرا یہ خط لے جا اسے انکے پاس ڈال دے پھر ان سے منہ پھیر لے اسکے بعد دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝

وہ (ملکہ سبا) بولی اے درباریو یقیناً میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ

بیشک وہ سلیمان کیطرف سے ہے اور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بیشک وہ (خط) اللہ کے نام سے ہے جو نہایت رحمت والا بیحد رحم فرمانیوالا ہے

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝

یہ کہ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور مطیع فرمان ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ ۝

اس (ملکہ) نے کہا اے میرے درباریو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی کام میں قطعی فیصلہ کرنے والی نہیں یہاں تک کہ تم میرے پاس حاضر ہو۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ۝

وہ بولے ہم طاقتور اور سخت جنگجو ہیں اور اختیار تیرے ہی پاس ہے تو غور کر (کے بتا) ہمیں کیا حکم دیتی ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وَّكَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ۝

اس (ملکہ) نے کہا بیشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے معززین کو ذلیل کر چھوڑتے ہیں اور وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُوْنَ ۝

اور میں انکی طرف ایک تحفہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی (میرے) فرستادہ کیا جواب لے کر آتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ

تو جب (اسکا فرستادہ تحفہ لیکر) سلیمان کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا کیا مال سے تم

خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝

میری مدد کرتے ہو تو (یاد رکھو) اللہ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا (میں اس سے خوش نہیں) بلکہ تم ہی اپنے تحفہ پر خوش ہو رہے ہو۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ۝

(اے قاصد) انکی طرف واپس چلا جا اور انہیں بتا دے کہ) ہم ضرور ان پر ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے جنکے مقابلہ کی انمیں طاقت نہ ہوگی اور ضرور ہم اس شہر سے انہیں ذلیل کر کے اس حال میں نکال دیں گے کہ وہ (ہمارے) محکوم ہونگے)۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

(سلیمان نے) فرمایا اے دربار یو تم میں کون ہے جو اسکا تخت میرے پاس اس سے پہلے لے آئے کہ وہ مطیع فرمان ہو کر میرے پاس آئیں۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝

ایک سرکش جن بولا میں وہ تخت آپکے پاس اس سے پہلے لے آؤنگا کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور بیشک میں اس پر ضرور قوت والا امانت دار ہوں۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ

جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اُسے آپکے پاس اس سے پہلے لے آتا ہوں کہ آپکی پلک جھپکے، تو سلیمان نے اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو)

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

فرمایا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بیشک میرا رب بے پرواہ اور بزرگی والا ہے،

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝

سلیمان نے فرمایا اس عورت (کی آزمائش) کیلئے اسکے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ وہ اسے (پہچاننے کیطرف) راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے،

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝

پھر جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا اسیطرح ہے تیرا تخت؟ کہنے لگی گویا یہ وہی ہے اور ہمیں اس واقعہ سے پہلے علم دیدیا گیا تھا اور (اسیوقت) ہم فرمانبردار ہوگئے تھے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

اور اُسے اس چیز نے روکا ہوا تھا جس کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھی بے شک وہ کافروں میں سے تھی۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ

اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جاؤ جب (اس کے بلوریں فرش) کو اس نے دیکھا تو وہ اُسے گہرا پانی سمجھی اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا سلیمان نے فرمایا یہ تو چکنا شیش محل ہے۔ وہ بولی

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور (اب) سلیمان کے ساتھ میں اللہ پر ایمان لائی جو مالک ہے تمام جہانوں کا،

سورۃ نمل کی وہ تمام آیات لکھ دی گئی ہیں جن میں ملکہ بلقیس کا ذکر ہے اور انہی آیات کی تشریح و توضیح کے بہانے طارق نے ملکہ کی تعریف و توصیف میں انتہا کر دی ہے۔ حالانکہ مذکورہ آیات سے واضح ہو گیا کہ قرآن پاک میں ملکہ کی صرف اتنی ہی تعریف موجود ہے اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ وَّلَھَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ۔ میں نے پایا ایک عورت کو جو انکی حکمران ہے اور اُسے ہر قسم کی چیز دی گئی ہے اور اسکا ایک عظیم الشان تخت ہے۔ یہ تعریف کہ اُسے ہر چیز دی گئی ہے اور اسکا ایک بڑا تخت ہے کوئی ایسی تعریف نہیں جس کو اتنا اچھالا جاتے۔

ایسی تعریف تو ایک عام آدمی کی بھی کیجاتی ہے مثلاً فلاں کو اللہ تعالےٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے اور اسکی ایک بہترین کوٹھی یا بنگلہ بھی ہے۔

اور اس سلسلہ کی اہم وضاحت یہ ہے کہ یہ قول ہُدہُد کا ہے اور تعریف کا یہ انداز ہُدہُد کے ذہنی تاثرات کی عکاسی کرتا ہے۔ نہ تو یہ ارشاد اللہ تعالےٰ کا ہے اور نہ ہی سلیمان علیہ السلام نے یہ فرمایا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہُدہُد نے جاہ و جلالِ سلیمانی دیکھا ہوا تھا لہذا تختِ سلیمانی کے سامنے تختِ بلقیس کی کیا وقعت تھی۔ اور ساز و سامان کے سلسلہ میں سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بلقیس کی سلطنت کا کیا تقابل ہو سکتا ہے۔ لیکن ہُدہُد نے ملکہ بلقیس کے معاملات کو اس لیے بڑھا چڑھا کر بیان کیا تاکہ سلیمان علیہ السلام بلقیس کو اہم سمجھ کر اس کے

خلاف فوری کاروائی کا ارادہ فرمالیں اور یونہی ہوا۔ مفسرین نے ہُدہُد کی اس شعوری بالیدگی کا ذکر یونہی فرمایا ہے۔

اس معمولی تعریف کی بنیاد پر طارق نے آسمان کو سر پہ اٹھالیا ہے جیسے اُسے ساحل تمنا نظر آگیا ہو۔ حالانکہ اگر ہُدہُد کے ان تعریفی کلمات کا دوسرا حصہ بھی طارق لکھ دیتا تو سارا معاملہ صاف ہو جاتا اور سب کے سامنے ان تعریفی کلمات کا راز کھل جاتا۔ آیت نمبر ۲۴ ملاحظہ ہو:۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا	”میں نے پایا اُسے اور اس کی قوم کو
يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ	وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے
دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ	اللہ تعالٰی کے۔ اور آراستہ کر دیتے ہیں
الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ	اُنکے لیے شیطان نے انکے (یہ مشرکانہ)
عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۙ	اعمال۔ پس اُس نے روک دیا ہے اُنہیں

(سیدھے) راستے سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے“

یہ تھے ہُدہُد کے مشاہدات جو اس نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے سامنے بیان کئے۔ اور یہ ہُدہُد اور سلیمان علیہ السلام کا مکالمہ تھا جسے قرآن پاک نے نقل کیا ہے۔ بالفرض اگر ہُدہُد نے بلقیس کی تعریف کر ہی دی ہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ عقل مند پر مخفی نہیں کہ تعریف پر تنقیص کا پہلو غالب ہے۔ ہُدہُد کا پہلا جملہ ہے وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ”میں نے ایک عورت کو انکا بادشاہ پایا“ اس خبر میں حیرت و استعجاب کا تذکرہ نقطہ عروج پر ہے۔ اس خبر میں ندرت کا پہلو عیاں ہے گویا کہ ہُدہُد بھی حیران تھا کہ ملک سبا میں عورت سربراہ مملکت ہے۔ عورت کی سربراہی ایک پرندے کو بھی حیران و پریشان کئے بغیر نہ رہ سکی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی عورت کی سربراہی کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔

اور عام طور پر عورتیں ملکوں کی سربراہ نہیں ہوتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہُدہُد کے لیے بھی
عورت کی حکمرانی ایک نئی اور حیران کن بات تھی۔

دوسرا اور تیسرا جملہ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ، وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ
اُسے ہر چیز دی گئی ہے اور اسکا ایک بڑا تخت ہے۔ یہ ہے وہ تعریف جو ہُدہُد
نے ملکہ بلقیس کی کی۔ درحقیقت یہ ملکہ کی دنیاوی شان وشوکت کی خبر ہے۔ جیسے
پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ کوئی انہونی بات نہیں بلکہ ایسی تعریف تو عام امیر لوگوں
کی بھی کی جاتی ہے۔ حالانکہ اس تعریف کے بعد ہُدہُد نے انکے عقائد و اعمالِ مشرکانہ
پر برہمی اور ناپسندیدگی کا بھرپور اظہار کیا ہے کہ میں نے اس کو اور اس کی قوم
کو پایا کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور آراستہ کر دیتے ہیں
ان کے لیے شیطان نے ان کے یہ اعمال (مشرکانہ) اور اسطرح انہیں سیدھی راہ سے
روک رکھا ہے۔ پس وہ اس وجہ سے ہدایت قبول نہیں کرتے،، خیال فرمائیں کہ
ہُدہُد نے کس قدر نفرت کا اظہار کیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احوال حضرت بلقیس کے ایامِ کفر سے تعلق رکھتے ہیں اور ہُدہُد کی
ان خبروں کا تعلق بھی ملکہ بلقیس کے اسی دور سے متعلق ہے۔ ہُدہُد نے دنیاوی شان
وشوکت کی تعریف سے کہیں زیادہ ملکہ اور اس کی قوم سے انکے کفر کے باعث نفرت کا
اظہار کیا ہے۔ طارق نے بلقیس کی ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تدبّر کی جس طرح
بے سروپا تعریف کی ہے وہ قطعاً اسلامی تعلیمات کے مخالف ہے۔ کیونکہ کفر ہی تو
سب سے بڑی بیوقوفی کسادت اور نافہمی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو
یوں بیان فرمایا ہے۔

"كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" کفار چوپایوں کیطرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ،
کافر کو اللہ تعالیٰ تو عام جانور سے بھی زیادہ بےعقل قرار دے رہے ہیں

لیکن انہی کو طارق فہم وادراک کے اعلیٰ مقام تک پہنچانے کے لیے کوشاں ہے کیا یہی اسلامی تعلیمات کی تشہیر اور ترویج ہے جس کے لیے طارق تمام اخلاقی اقدار کی پامالی کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ تفسیر بالرائے طارق کا پسندیدہ مشغلہ ہے اور اس میں وہ اپنے خبثِ باطن کا کھل کر اظہار کرتا ہے۔ آپ اس کی عبارت ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ سورۃ نمل کی آیت ۳۴ کے ترجمہ میں اس نے تفسیر بالرائے یہ کی ہے :-

" اور فاتح اوباشوں کو طاقت ور و توانا "

(۱) یہ ساری آیت ملکہ بلقیس کے قول پر مشتمل ہے (صرف "کذلک یفعلون" ارشادِ ربانی ہے) یہ تجزیہ ملکہ بلقیس کا ہے "جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں اور اس بستی کے رہنے والوں میں سے عزت داروں کو ذلیل کر دیتے ہیں" اور فاتح اوباشوں کو طاقتور و توانا" طارق نے یہاں سے نتیجہ اخذ کر کے اپنی گندی اور ملحدانہ ذہنیت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے ادنیٰ تامل سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ طارق کے الحاد اور زندقہ کا جسطرح ہم نے دعویٰ کیا تھا اس کی تصدیق بار بار اسکی ہی عبارتوں سے ہو رہی ہے۔

فاتحین کو علی الاطلاق اوباش کہنا کتنی ناپاک جسارت ہے کیونکہ عربی زبان کے اصول و قواعد کے مطابق بلکہ ہر زبان کے قاعدہ اور قانون کے مطابق جس وقت کسی مخصوص و متعین موضوع پر گفتگو کی جارہی ہو تو اس کلام کے اشارات اور کنایات کا مرجع وہی متعین لوگ ہی ہوں گے جو زیرِ بحث ہیں۔ چونکہ بلقیس نے یہ مجلسِ مشاورت سیدنا سلیمان علیہ السّلام کے مکتوب پر غور کرنے کے لیے بلائی تھی لہذا اس میں جو گفتگو بھی ہوئی تھی اشارۃً یا کنایۃً اس کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ساتھ ہوتا تھا۔

بلقیس نے اپنا یہ تجزیہ بیان کیا کہ بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب

وہ فاتحانہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے وہ برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معززین کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورتحال سے بچنے کے لیے ہمیں حکمتِ عملی سے کام لینا ہو گا اور سلیمان علیہ السلام سے جنگ سے گریز کرنا ہو گا۔ ملوک کے افراد میں سے بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کو بھی شمار کیا اور انہیں بھی ملک قرار دیا۔ کیونکہ اس وقت تک وہ دولتِ ایمانی سے محروم تھی اور اس نے سلیمان علیہ السلام کو بطور نبی تسلیم نہیں کیا تھا لہٰذا سلیمان علیہ السلام کا مکتوب، ایک بادشاہ کی دھمکی اور وارننگ تھی۔ حضرت بلقیس کو تو ہم اس لئے اس قول پر موردِ الزام، نہیں ٹھہراتے کہ اس وقت وہ حالتِ کفر پر تھی اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے کامل طور پر باخبر نہ تھی۔ یا اس نے سلیمان علیہ السلام کو بطور نبی تسلیم نہیں کیا تھا اسلام میں داخل ہونے کے بعد سابقہ گناہ ختم ہو گئے۔ لہٰذا اس کے اس قول پر اس کا مواخذہ قرینِ قیاس نہیں۔

لیکن آج پندرہویں صدی میں صرف مسلمان ہونے کا ہی نہیں بلکہ محقق و مدقق ہونیکا مدعی اگر ایسا کلام کرتا ہے اور اپنی خانہ زاد تفسیر جس کا ہر لفظ گستاخی، بے ادبی، شقاوت و بدبختی سے عبارت ہے تو اس کی ایسی تحریروں پر اس کا مواخذہ انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس نے تو حالتِ اسلام میں یہ گستاخی کی ہے اور ان خیالات کے اظہار کے باوجود کیا وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟

جیسا عرض کیا گیا کہ جس مقام پر گفتگو کا موضوع متعین ہوتا ہے تو وہاں کسی صراحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس گفتگو کے اشارات و کنایات کا تعلق بھی موضوعِ متعین سے ہوتا ہے۔ تو نعوذ باللہ! طارق نے "فاتح ادباش" کس کو کہا ہے؟ کیا یہاں کوئی تاویل ممکن ہے یا اس سے اعراض ہو سکتا ہے کہ متوقع فاتحین حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے امتی ہی ہو سکتے تھے کیا

طارق کو اتنے جلیل القدر نبی اور آپ کے امتیوں، حامیوں اور جانثاروں کو "اوباش" کہنے کی جرأت ہوئی۔

(۲) طارق نے فاتحین کو جسطرح اپنے عموم اور اطلاق پر رہنے دیا ہے اور اسکو نہ تو مقید کیا ہے اور نہ ہی استثنیٰ کیا ہے۔ اس سے اس کے الحاد کا وہ بھیانک روپ ظاہر ہوتا ہے جس کی نشاندہی ہم کتاب کے مقدمہ میں کر چکے ہیں۔ ملحدین کا مقصد ہی قرآن پاک، حدیث پاک، انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی تضحیک ہوتا ہے۔ وہ اسلام کے ان اساطین کی عزت و حرمت کو کم کر کے بے دینی کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی مذموم مقاصد طارق کی اس تعبیر بالرآتے سے عیاں ہیں۔ کیونکہ دنیا میں بے شمار فاتحین گزرے ہیں ان میں مسلم بھی تھے اور غیر مسلم بھی، اب مسلم فاتحین کو طارق نے مستثنیٰ نہیں کیا بلکہ فاتحین کہہ کر ہر وقت کے فاتحین کو بلاتمیز مذہب اوباش قرار دیدیا۔ حالانکہ دنیا میں مسلم فاتحین کی واضح اکثریت ہے۔

اسطرح طارق نے دوہرا کھیل کھیلا ہے۔ ایک تو فاتحین کی مذمت کی ہے، جنمیں ایسے عظیم مسلمانوں کے نام آتے ہیں جنکی زندگی کے ایک ایک لمحہ پر ہزاروں لاکھوں طارق جیسے برائے نام مسلمان قربان کر دیتے جائیں تو بھی ان کے ایک لمحۂ زندگی کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی۔ اور دوسری طرف جہاد کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ جہاد ہی ایسی چیز ہے کہ اسکا جذبہ جبتک مسلمانوں میں بیدار رہتا ہے تو ملّتِ کفریہ کا سکون برباد رہتا ہے۔ اپنے غیر مسلم آقاؤں کو خوش کرنے کے لیئے طارق نے مجاہدین کی توہین کر کے جہاد کی عظمت اور ضرورت کو، گھٹانے کی مذموم کوشش بھی کی ہے۔

کیونکہ جب تک مسلمان جہاد میں مصروف رہتے ہیں، بزدلی، بے غیرتی اور بے حیائی

انکے قریب بھی نہیں آسکتی۔ لیکن جب ان کو اعلاءِ کلمۃ اللہ سے جان و مال عزیز ہو جاتے ہیں، انکا خون سرد اور میلا ہو جاتا ہے، جبن اور کسل ان پر حاوی ہو جاتا ہے تو پھر انمیں ہر برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ بازوئے شمشیر زن جب رباب کی تاروں سے کھیلنے لگتے ہیں تو پھر ان پر حُسن اور حسیناؤں کی حکمرانی ہو جاتی ہے۔

(۳) ۔ کیا ؟ فاتحین میں فاتح مکہ، فاتح طائف، فاتح بیت المقدس، فاتح مصر، فاتح فارس، فاتح شام، فاتح اندلس، فاتح سندھ، فاتح مکران اور اور فاتح سومنات بھی شامل ہیں یا انکو طارق نے مُستثنیٰ کیا ہے؟ اور کروڑوں کی تعداد میں وہ فاتحین جو لشکروں میں سپاہی سے لیکر کمانڈار کے مناصب پہ فائز رہے انمیں لاکھوں کی تعداد تو صرف صحابہ کرام اور تابعین کی ہے۔

العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ طارق کے بقول یہ تمام نفوسِ قدسی .... بھے عورت کی سربراہی اور عورت کی ناجائز اور ناحق وکالت کر کے طارق نے اپنے ایمان کے خرمن کو کسطرح راکھ کیا ہے اور اس کے لیئے اس نے کیسی کیسی گستاخیاں کی ہیں جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔

یہی فاتحین و مجاہدین ہیں جنکی عزت و عظمت کو اللہ تعالیٰ نے انکے گھوڑوں کی قسمیں یاد فرما کر دوام بخشا ہے ملاحظہ ہو۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ

(ترجمہ) قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینے سے آواز نکالتے ہیں، پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت، پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں پھر اسیوقت دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں،، (سورۃ العادیات)

جن مجاہدین و فاتحین کی یہ شان ہو ان کے متعلق سوقیانہ، ظالمانہ اور جاہلانہ خیالات کا اظہار بدترین ضلالت و گمراہی اور شقاوت و قساوتِ قلبی نہیں تو اور کیا ہے۔ طارق کی دوسری کوشش جہاد کے جذبات پر کاری ضرب لگانا تھا۔ حالانکہ جہاد اللہ تعالیٰ کا وہ پسندیدہ فرض ہے جسکے بدلے میں اللہ تعالےٰ نے مجاہدین کو اُس انعام کی نوید دی جس سے بڑا انعام انسان کے لیئے نہ کوئی ہو سکتا ہے اور نہ ہی ممکن ہے اور وہ نہ ختم ہونے والی زندگی ہے کیونکہ زندگی ہی وہ چیز ہے جو کسی قیمت پر حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کا خرید نا ممکن ہے۔ ارشادِ ربّی ملاحظہ ہو۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ٥

(ترجمہ) جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں اُنہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں، لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔"

(سورۃ بقرہ آیت ۱۵۴)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ٥

(ترجمہ) اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیئے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیئے جاتے ہیں۔

(آلِ عمران آیت ۱۶۹)

جہاد کی فضیلت میں قرآن پاک کی بے شمار آیات نازل ہوئیں اور حدیثِ پاک میں بھی جہاد کے فضائل اور احکام پر مشتمل کثیر احادیث ہیں جن سے جہاد کی عظمتِ شان اور محبوبیّت جھلک رہی ہے۔ جہاد کا ہر پہلو رضائے الٰہی کا سبب ہے۔ ایسے فرض کی شان گھٹانے کے لیے اسمیں مصروف لوگوں پر کسی زاویئے سے طنز کرنا کفر کی ایجنسی اور دلالی نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے تاریک رو و سیاہ باطن لوگوں کا مسلمانوں کی

صفوں میں شامل رہنا دلدوز اور دلخراش سانحہ ہے۔ کاش قومِ مسلم کی عقل بیدار ہو جاتی اور وہ فراستِ مومنانہ کو کام میں لاتے ہوئے منافقین کو بے نقاب کر کے اسلام کو ایسے ناپسندیدہ افراد سے پاک کر دیتے۔

جہاد کی فضیلت پر سورۃ صف کی آیت ۴، ۱۰، ۱۱، ۱۲، کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"بے شک اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اسکی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اسے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی سوداگری بتاؤں جو تمہیں سخت دردناک عذاب سے بچالے۔"

"تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اپنے مال و جان کے ساتھ (کافروں سے) اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔"

"وہ تمہارے گناہ بخش دیگا اور تمہیں داخل فرمائے گا جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے بسنے کی جنتوں میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

طارق کی ہزیانی کیفیت اُس کی اس عبارت سے واضح ہو رہی ہے ؛-

"قرآن کا یہ واقعہ اپنے اندر رہنمائی اور عورت کی سربراہی کے گوناگوں انداز رکھتا ہے۔"

انہی بے سر و پا دعووں کی قلعی کھولنے کے لیے ہم نے قرآن پاک کی وہ تمام آیات درج کر دی ہیں تاکہ قاری کو پوری طرح معاملہ مشرح ہو جاتے۔ قرآن پاک کا ایک لفظ بھی عورت کی امارت کے جواز پر وارد نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی مائی کا لال ایسی کوئی نص دکھا سکتا ہے جس میں عورت کی امارت کا جواز موجود ہو۔ حضرت بلقیس کا

واقعہ قرآن پاک میں ذکر ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن یہ بات ضرور عجیب ہے کہ قرآن پاک میں یہ ایک ہی ایسا واقعہ مذکور ہے جس میں عورت کی سربراہی کا ذکر ہے اسی لیے عورت کی سربراہی کے جواز کے قائلین اسی کی رٹ لگا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ پورے قرآن پاک میں کوئی بھی دوسرا ایسا واقعہ مذکور نہیں جس کو وہ بطور سند پیش کر سکیں۔ اسی واقعہ سے غلط استدلال کرنے پر جب علمی محاسبہ ہوا تو ان لوگوں کی ہزیمت اس حد تک پہنچ گئی کہ طارق نے کسی نہ کسی طرح دوسرا کوئی واقعہ مہیا کرنے کا عزم کر لیا۔ اور بالآخر نملہ (چیونٹی) کو ملکہ قرار دیکر دنیا بھر میں ہدفِ استہزاء بن گیا۔ پروفیسر نے جسطرح اس واقعہ کی گردان کی ہے وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اس کے استدلالات کا رد بھی قرآن پاک سے یہ واقعہ نقل کر دینے سے ہو چکا ہے یہاں اس کی عبارت کے دو اقتباس ذکر کر کے انکی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر کی عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔

"پھر قرآن مجید میں ملکہ سبا کی حکومت کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی دور میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس دور کی ایک عورت ملک کے تمام مردوں سے زیادہ ذہین اور معاملہ فہم ہوتی ہے اور وہ امور مملکت کو مردوں کی نسبت زیادہ عمدگی سے چلا سکتی ہے" ——

"بلکہ اس کے مقابلہ میں قرآن مجید میں اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنے ملک کے تمام مردوں سے زیادہ عقل مند اور لائق ہوتی ہیں۔" (منصب حکومت اور مسلمان عورت ص ۴۶-۵۰)

پروفیسر کی عبارت ملاحظہ ہوئی جس میں اس نے دعویٰ کیا ہے کہ بعض ایسے ادوار بھی آتے ہیں جن میں ایک عورت ملک کے پورے مردوں سے ذہین عقل مند

اور لائق ہوتی ہے۔ پہلے ہی حدیث پاک "ناقصات العقل والدین" کی تحقیق سپردِ قلم کی جا چکی ہے۔ پرویز کے یہ خیالات حدیث پاک سے متصادم ہونیکے باعث مردود اور ناقابل التفات ہیں ــــ پھر بھی ہم ملکہ بلقیس کی دانشمندی کا سطحی جائزہ پیش کریں گے۔

ملکہ بلقیس کی عقل و خرد کو بے مثال قرار دینے کے لیے دوسری دلیل قرآن پاک سے یہ دیجاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے جب بلقیس کا تخت منگوایا تو اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ اس میں کچھ تغیر کر دو کچھ چیزیں اپنے مقامات سے بدل دو تاکہ بلقیس کی عقل کا امتحان لیا جا سکے۔ جب بلقیس حاضر دربار سلیمانی ہوئی تو سیّدنا سلیمان علیہ السّلام نے اس سے پوچھا" اَهٰكَذَا عَرْشُكِ "، کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ "، کہنے لگی یہ تو ہو بہو وہی ہے۔" وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ "، اور ہمیں اس واقعہ سے پہلے علم دے دیا گیا تھا اور (اسی وقت) ہم فرمانبردار ہو گئے تھے۔"

مفسّرین کرام نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ حضرت بلقیس کی مراد یہاں سے سیّدنا سلیمان علیہ السّلام کے معجزات اور نبوّت کا علم تھا۔ لہٰذا بلقیس نے واضح کیا کہ ہمیں آپ کی قوّت کا علم حاصل ہو چکا ہے اور ہم نے اُسے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن یہاں جواب ملکہ نے كَاَنَّهٗ هُوَ سے دیا۔ یہ جواب سوال کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لیے یوں دیا کیونکہ سوال بھی ایسا ہی تھا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ "، کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ سوال چونکہ مبہم تھا اس لئے یہ نہ کہا کہ یہ تو وہی ہے یا نہیں ہے، دوسرا قول یہ بھی ہے کہ جواب میں حضرت بلقیس نے ابہام پیدا کیا تاکہ جواب غلط ہونے کی صورت میں اُسے خجالت نہ اٹھانی پڑے۔ ابہام اور شک پیدا کر کے اس نے اپنی پوزیشن بچانے کی کامیاب کوشش کی اور یہی اس کی عقلمندی تھی جس کی بنیاد پر اس

کی ذہانت فطانت، معاملہ فہمی اور قابلیت کے چراغ جلاتے جا رہے ہیں۔ یہ کوئی ایسا پیچیدہ سوال نہیں تھا جس کی بنیاد پر ملکہ بلقیس کو بے مثل ذہانت کا سرٹیفکیٹ دیا جا سکے۔ یہ تو متوسط درجے کی ذہانت ہے۔ اس کی بنیاد پر ملکہ بلقیس کو ملک کے تمام مردوں سے ذہین، معاملہ فہم اور لائق قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔ دوسرا امتحان اسطرح لیا گیا۔

(۱) سلیمان علیہ السلام نے ایک محل تیار کروایا جسکا فرش شیشے کا بنایا گیا تھا اور شیشے کے نیچے پانی تھا۔ ملکہ سبا سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ

تو جب اس (کے بلوریں فرش) کو اس نے دیکھا تو اُسے گہرا پانی سمجھی اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا، حضرت سلیمان نے فرمایا یہ تو چکنا شیشی محل ہے۔

یہ دوسری آزمائش تھی جس میں حضرت بلقیس کو سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ شیشے کے فرش کو گہرا پانی سمجھ بیٹھی اور پنڈلیوں تک کو بے حجاب کر ڈالا۔

اسطرح اگر پہلے سوال کا جواب ملکہ کی ذہانت کی دلیل سمجھ لو تو دوسرے میں ناکامی نے اسکو درمیانی پوزیشن میں لا کھڑا کیا ہے۔ لہذا اب یہ کہنا قطعاً بے جا و نامناسب ہوگا کہ بلقیس پورے ملک کے مردوں سے فہم و ادراک میں بڑھ کر تھی۔ اسطرح ملکہ بلقیس کی شان میں جتنے خوبصورت الفاظ طارق اور شہاب نے استعمال کیئے ہیں انکی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ دونوں مصنفین نے جسطرح پہلے عورت کو مردوں سے بہتر، تجربہ کار، اور لائق ثابت کرنے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے یہ بھی اسیطرح کی کوشش تھی جسکو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے امتحانی سوالوں نے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیا۔ یہاں تک پروفیسر اور طارق

کے نظریات کا جائزہ پیش کیا گیا۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس واقعہ سے کیا عورت کی سربراہی کا جواز میسر آتا ہے یا نہیں۔

(ا) ۔ سیّدنا سلیمان علیہ السّلام کی شریعت ہو یا کسی اور نبی و رسول کی، شریعتِ محمدّیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتسلیم تمام کے لیے ناسخ ہے لہٰذا سلیمان علیہ السّلام کی شریعت امّتِ خاتم النبیّین کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔ جب تک کسی سابقہ شریعت کی کسی خاص دفعہ کو شریعتِ محمدّیہ میں بھی تحفّظ نہ دیا گیا ہو ایسی تمام دفعات منسوخ ہونگی۔ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سلیمان علیہ السّلام نے بلقیس کی بادشاہت کو ختم نہ کیا بلکہ برقرار رکھا تو یہ ہمارے لیے دلیلِ جواز نہیں بن سکتی۔

(ب) ۔ قرآن عظیم میں اشارۃً یا کنایۃً بھی عورت کی سربراہی کے جواز کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔

(ت) قرآن عظیم ملکہ بلقیس کے ایمان کے بعد کے حالات سے خاموش ہے لہٰذا یہ معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

(ث) ۔ قرآن عظیم میں یہ واقعہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام کی عظمت بیان کرنے کے لیے ذکر فرمایا گیا ہے اسی لیے واقعہ کو اس حد تک اللہ تعالےٰ نے ذکر فرمایا جس کا تعلق سلیمان علیہ السّلام کی عظمت سے تھا۔ اگر ملکہ بلقیس کی شان بیان کرنا مقصود ہوتی تو اس سے آگے کے حالات کا ذکر انتہائی ضروری تھا تاکہ معلوم ہوتا کہ اس کے بعد بلقیس کی امارت اور حکومت کا کیا بنا۔

(ج) ۔ طارق سیاق و سباق، مقامِ مدح و ذم کے لفظوں کو بکثرت استعمال کرتا اور ہمیشہ انکی آڑ لیتا ہے لیکن افسوس کہ اس کی عقل بہت کم اسکا ساتھ دیتی ہے۔ بلکہ طارق اور عقل میں تباین کلی نظر آتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر سیاقِ کلام بلقیس کے فضائل بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ سلیمان علیہ السّلام کے فضائل بیان کرنے

کے یہ ہے جس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے :۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

اور جانشین بنے سلیمان، داؤد کے اور فرمایا اے لوگو ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں بیشک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے۔ (جو ہمیں ملی)

در حقیقت یہاں سلیمان علیہ السلام کی انسانوں، جنوں، پرندوں وغیرہ پر حکومت کی مثالیں اور پرندوں کی بولیاں جاننے کے دعوے کے دلائل دینا اور انکی وضاحت کرنا مقصود ہے۔ اسی وضاحت کے سلسلہ میں ایک مثال نملہ کی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ ہُدہُد کا کلام، جنات پر حکومت، جنات کے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں کارہائے نمایاں انجام دینا۔ ہوا کا آپ کے تابع ہونا، آپ کے عظیم تخت کا ہوا پر اڑنا، چیونٹیوں کا کلام سمجھنا، اور تین میل دور سے چیونٹی کا کلام سُن لینا اور چیونٹی کے کلام کو سُن کر فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا، سلیمان علیہ السلام کا تبسم فرمانا اور پھر سلیمان علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے حضور شکر بجالانا۔ اور شکر ادا کرنے کی طاقت کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا، یہ سب دلیلیں ہیں اس بات کی کہ اس کلام کے سیاق سے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے فضائل، کمالات، معجزات، سلطنت اور جذبہ شکر کا بیان کرنا مقصود تھا۔

واقعہ بلقیس میں ہُدہُد کا کلام کرنا، اور خط لے جانا سچی خبریں لانا، بلقیس کے تخت کا لایا جانا، بلقیس کا شیشے کے فرش کو نہ پہچان سکنا، سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے تحفے کو رد کرنا، اور لڑکوں اور لڑکیوں کو پہچان لینا، اور بلقیس کا قبولِ ایمان، یہ سب قرائن ہیں اور اس حقیقت کو منکشف و مشرح کر رہے ہیں کہ اس سارے

کلام کا مقصد سلیمان علیہ السلام کے فضائل کا بیان ہے۔ لہذا اس میں مقاماتِ مدح کا تعلق بھی سلیمان علیہ السلام سے ہو گا۔ اور طارق کے تمام خانہ زا و مدح کے قاعدے اور قانون سلیمان علیہ السلام ہی کے لیے ہو سکتے ہیں۔ واقعہ بلقیس میں مقصود بالذات بلقیس کی عظمت کا اظہار نہیں ہے اور نہ ہی بلقیس کی کوئی خاص عظمت اس سے ثابت ہوتی ہے لہذا بلقیس کے لئے کسیطرح بھی یہ مقامِ مدح متحقق نہیں ہو سکتا۔

(ح) مفسرین کے مختلف اقوال اس سلسلہ میں موجود ہیں جنکو پروفیسر نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(۱) ملکہ بلقیس سے سیدنا سلیمان علیہ السلام نے شادی کر لی اور اس کو اپنے ملک یمن میں واپس بھیج دیا۔ وہاں ملکہ کو تین محلات جنوں سے بنوا دیئے۔ اور آپ ہر ماہ تین دن کے لیئے اسکے پاس جاتے تھے اور آپکی اس سے اولاد بھی ہوئی۔

(۲) ہمدان کے ایک تبع (بادشاہ) سے اس کی شادی کر دی گئی تھی اور ملکہ بلقیس کا ملک اس نے سنبھال لیا تھا۔

(خ) مذکورہ دونوں صورتوں میں کوئی حتمی اور قطعی رائے موجود نہیں ہے کہ ملکہ کا نکاح کس سے ہوا تھا۔ اگر سیدنا سلیمان علیہ السلام سے ہوا تھا تو اپنے ملک میں اس کی حیثیت کیا تھی۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت پوری روئے زمین پر تھی۔ اور اگر بادشاہ تبع سے نکاح ہوا تھا تو قرین قیاس یہی ہے کہ چونکہ وہ ہمدان کا پہلے ہی بادشاہ تھا لہذا یمن کے امورِ مملکت بھی اس نے سنبھال لیے ہوں گے اور وہ بھی سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ماتحت تھا۔

(د) آج اگر کوئی شخص اس واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرنا چاہے تو اس کیلیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ملکہ کے حالات کا تعین ہو کیونکہ جب اصل ہی مشکوک و مشتبہ ہو تو اس سے استدلال کیسے صحیح ہو گا۔

(د) سیدنا سلیمان علیہ السلام کی زوجیت میں بھی ملکہ بلقیس کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ اسطرح اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ نے اس کو اپنے منصب پر برقرار رکھا تو بھی اسکا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت ہونا لازمی ہے لہذا ایک خود مختار حکمران کی حیثیت اس کی برقرار نہ رہی۔ اس واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال عقلاً، نقلاً باطل ہے لہذا اسے جتنا بھی اچھالا جائے اس سے کم ازکم عورت کی حکمرانی کے جواز کی دلیل کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

علامہ طبری نے اسی واقعہ کی تفصیل میں لکھا ہے کہ بلقیس نے جب اپنے ملک کے سرداروں کو جمع کیا اور انکے سامنے معاملہ پیش کیا تو اپنی رائے یوں دی کہ میں تحائف بھیجتی ہوں اور کچھ لڑکے لڑکیاں ایک جیسے لباس میں ملتی جلتی شکل وصورت کے، اگر آپ نے لڑکوں میں سے لڑکیوں کو پہچان لیا اور ہمارے تحائف بھی واپس کر دیئے یعنی انہیں قبول نہ کیا (کیونکہ نبی کو مال کا طمع نہیں ہوتا بلکہ طمع ولالچ دنیوی بادشاہوں کا شیوہ ہے) تو اس صورت میں " وینبغی لنا ان نترك ملکنا ونتبع دینه ونلحق به" ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنا ملک چھوڑ دیں، آپ کے دین کی اتباع کریں اور آپ کے ساتھ مل جائیں "۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ملکہ بلقیس کو معلوم تھا کہ آپ کی اتباع اختیار کرنے میں ہمیں ملک چھوڑنا پڑے گا۔ جب ملکہ بلقیس پہلے ہی اس حقیقت کو تسلیم کر چکی تھی تو آج تین ہزار سال بعد اس کے ایسے مخلصین کیسے پیدا ہو گئے جو اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی امارت ثابت کر کے پھر اس سے استدلال کرنے کے لیئے حیران و سرگرداں ہیں۔

اس واقعہ کو مفسرین نے چونکہ انتہائی تفصیل سے بیان کیا ہے اس لیے مفسرین کی آراء اور تحقیق کو یہاں درج کرنا طوالت کا باعث ہوگا، بہرحال تمام مفسرین

کی تحقیق کا ماحصل یہی ہے کہ ملکہ بلقیس کی شادی یا اسکی اپنے ملک میں اسلام قبول کر لینے کے بعد ملکی سربراہی کے متعلق کوئی حتمی اور قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس سلسلہ کے بیشتر اقوال قیل سے نقل کئے گئے ہیں۔ جو قول کے ضعف کی نشاندہی کرتا ہے۔ کوئی بھی مفسر یا محقق فیصلہ کن انداز میں کوئی رائے نہیں دے سکا۔ اس لئے عورت کی سربراہی جیسے عظیم متنازعہ مسئلہ کے لیئے مشتبہ احوال غیر یقینی کیفیات اور غیر ثقہ اقوال سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ نتیجتہً آج تک جتنی مغز سوزی کی گئی ہے اس سے جواز ثابت کرنے والوں کو کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

ملکہ بلقیس کی امارت کا یقینی دور جو قرآن پاک میں مذکور ہے وہ اسکی حالتِ کفر کا زمانہ تھا جس سے امرتِ مسلمہ کو استدلال کرنا سراسر گمراہی ہے۔

طارق نے چیونٹی کو ملکہ قرار دیکر تحریف قرآنی کا تاریخی ریکارڈ قائم کیا ہے

رحمت اللہ طارق اور پروفیسر شہاب جس طرح قرآن پاک اور حدیث پاک کی تحریف میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھے، عورت کی سربراہی کے جواز میں لکھی جانے والی کتابوں میں بالآخر طارق نے تحریف کا عالمی تاریخی ریکارڈ قائم کر دیا. جس کے بعد شہاب اس دوڑ میں کافی پیچھے نظر آرہا ہے، لیکن ملحدین کو زیادہ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں شہاب بھی انتہائی مشاق محرّف ہے اس لیے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بھی آئندہ کسی تحریر میں طارق کے اس ریکارڈ کو توڑنے کی ضرور کوشش کرے گا اور ایسا آسان بھی ہے کیونکہ طارق نے نملہ (چیونٹی) کو وادی نمل کی شہزادی قرار دیکر محرّفین میں عالمی اور تاریخی اعزاز حاصل کیا ہے، شہاب، ناقہ، (اونٹنی) کو ملکہ ناقہ قرار دیکر زیادہ بہتر انداز میں تحریف کر کے طارق سے بھی تحریف کا بڑا اعزاز حاصل کر لے گا یا کسی اور جانور کو جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہو گا۔ اسے ملکہ قرار دے ڈالے گا۔ سورہ نمل میں جس وضاحت کے ساتھ نملہ کا ذکر آیا ہے اور آج تک تمام مفسرین نے بالاتفاق اسے چیونٹی ہی قرار دیا ہے۔ ایک بھی مفسر ایسا نہیں ہے جس نے نملہ کا معنی چیونٹی کی بجائے ملکہ نملہ بحیثیت انسان کیا ہو۔ لیکن طارق نے اس بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نملہ کا معنی ملکہ کر کے

نہ صرف اہل اسلام کو بلکہ پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس سے پہلے کہ اس پر تحقیقی گفت گو کی جائے رحمت اللہ طارق کا استدلال اور اس کے استدلال کی حیثیت ملاحظہ ہو، جس کی بنیاد پر اس نے اہل اسلام میں چودہ سو سال گزر جانے کے بعد ایک فتنے کو جنم دینے کی ناپاک ظالمانہ اور جاہلانہ کوشش کر کے اپنی بے دینی کو بے نقاب کر دیا ہے اور ہمارے اس دعوے کو مبنی بر حق ثابت کر دیا ہے کہ یہ تینوں مصنفین (تیسرے پروفیسر یٰسین شیخ ہیں) اور ان کے پیشرو ملحد اور بے دین ہیں اور ان کی فکر ہمیشہ اسلام کو متنازعہ ثابت کرنے پر اور ان کے عمل کی ہر کڑی بدی، فسق و فجور، منافقت اور اسلامی تعلیمات کو ناکارہ اور ظلم و جبر پر مبنی ثابت کرنے کی کوشش سے عبارت ہوتی ہے، عورت کی سربراہی کے جواز کی طارق کو اتنی سخت ضرورت پیش آئی تھی کہ اس نے اتنا بھی نہ سوچا کہ نملہ کو ملکہ قرار دینے کے لیے اسے حوالے کہاں سے ملیں گے کونسی تفسیر اس کی مؤید بنے گی۔ شاید اس نے ملکہ کے لفظ کو یوں ایکسپلائٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ بعض مفسرین جنہوں نے اس چیونٹی کو باقی چیونٹیوں کی ملکہ لکھا ہے طارق اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی عیّاری کو کام میں لاتے ہوئے معاملہ کو ملتبس اور مبہم کر کے اسے انسانوں کی ملکہ (ملکی سربراہ) قرار دے کر عامۃ المسلمین کو دام تزویر میں مبتلا کرنا چاہتا ہے لیکن یہ دھوکہ اس کے بس کا کھیل نہیں، اس معاملہ میں مفسرین نے اتنا واضح لکھا ہے کہ طارق کی تمام مکّاریاں اور جعل سازیاں بے سود ثابت ہوں گی، لیکن جس طرح کہ ہم طارق کی پوری عبارت نقل کر رہے ہیں اس نے کس چالاکی سے وادی نمل پر حوالے نقل کر کے عام قاری کے ذہن پر اپنا علمی رعب و دبدبہ طاری کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ وادی نمل کے وجود سے کس کو انکار ہے اس کے مقام کے تعین پر جتنے حوالے نقل کر دیئے جائیں

ور جتنی ہی انگلش لکھ دی جائے اس سے کیا فرق پڑتا ہے ۔ جعل سازی کا جس طارق کو
پر طولیٰ حاصل ہے اور تحریف کا اگر اسے بے تاج بادشاہ کہہ دیا جائے تو بھی نامناسب
نہیں ہوگا۔

جس طرح علامہ شمر یمنی اور حضرت کعب کا نام استعمال کرنے کی اس نے کوشش
کی ہے وہ بھی کچھ کم عیاری نہیں کیونکہ بات وادی نمل کی نہیں بلکہ نملہ کی ہے جس نے
سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر دیگر نمل کو آگاہ کیا تھا۔ کیا وہ نملہ چیونٹی تھی
یا عورت تھی اور کیا وادی نمل کوئی ملک تھا جس کی وہ سربراہ تھی۔ یا چیونٹیوں کی
وادی تھی جس میں بکثرت چیونٹیاں رہتی تھیں۔ وادی نملہ کی تحقیق اور محل وقوع
پھر دریافت کرنا قطعی طور پر لاایعنی بحث ہے جس کا دعوٰی سے کوئی تعلق نہیں اور
وادی نمل کے ثبوت سے عورت کی سربراہی نہ تو ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی طارق کو اس کا
کوئی مفاد حاصل ہو سکتا ہے۔ طارق کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وادیٔ نمل کی ہوشیار ملکہ

صنعاء اور زمار (ZAMAR) کے درمیان طول و عرض ۳۰.۴۴م۔ اور عرض
بلد ۲۰.۱۴ ایرد یارٔ انیس میں وادیٔ نمل واقع ہے (ملاحظہ ہو WAIT-B-HOTTIS
F.R.G.S کی کتاب میں شامل نقشہ JOURNEY THROUGH THE
YEMEN) اور اسی وادیٔ نمل کے تعارف میں پانچویں صدی ہجری کے جغرافیہ نویس
الہمدانی (۳۳۴ھ م) نے یمن کے اس سلسلۂ کوہ کے حصے کا بیان کرتے ہوئے جو بحر احمر کے
کنارے کنارے یمن سے شام تک چلا جاتا ہے ۔ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ۔ اس
سلسلۂ کوہ جبل المصانع کے ایک جبل کا نام تخلی (TAKHLLA) ہے جس
میں ذیل کے بعض قبائل آباد تھے۔ قیلاب، نمل (NEML) ۔ شمرس اور اردان (ARDAN)

ملاحظہ ہو ہمدانی کی شہرہ آفاق کتاب "صفتہ جزیرۃ العرب" طبع السعادہ مصر ۱۹۵۳ء م ص۱۷۱)

اسی طرح اس طویل سلسلۂ جبال میں "اودیۃ" کے پہاڑوں میں بھی قبائل نمل کا تذکرہ کیا ہے (ص۲۷ و ص۱۹۳) پھر کہتے ہیں کہ ــــ کوہ "نخلی" میں تین قلعے اور متعدد قصبے اور بستیاں آباد تھیں۔ ان قلعوں کے متعدد دروازے تھے۔ ہر دروازہ ایک یا ایک سے زائد قبائل کے داخل ہونے کے لئے خاص تھا کوئی شخص بغیر اجازت کے دوسرے کے دروازے سے نہ گزر سکتا تھا۔ (ص۱۹۷)

اور ان ہی دروازوں میں سے ایک کا نام "البرار" (BARAR GATE) جو اقوام "نمل" اور شرس کے داخلے کے لئے خاص تھا (ص۱۹۷)

ہمدانی اور دالٹر کی تحقیقات کی یوں بھی تائید ہو جاتی ہے کہ مفسرین میں سے جناب کعب احبار تابعی (۶۵۲ء م) کا خیال بھی یہی تھا کہ ــــ وادیٔ نمل سباء کے شہر "مآرب" اور طائف کی وادی "السدیر" کے مابین واقع ہے۔ بلکہ مفسر "الشربینی" امام البقاعی (۱۴۸۰ء م) کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ــــ وھو الذی یمیل الیہ نفسی فانہ ھو معروف عندھم الی الآن بھذا الاسم ــ میرا دل یہی گواہی دیتا ہے کہ وادیٔ نمل اسی علاقے میں واقع تھی کیونکہ لوگ آج بھی اسے ہی "نمل" کے نام سے جانتے ہیں۔

ان ہی قبائل نمل کے مزید تعارف اور مورثِ اعلیٰ کے تعین کے بارے میں مشہور سوانح نگار عمر رضا، کحالہ ــ علامہ القلقشندی (۱۴۱۸ء م) کی تحقیقی کتاب "نھایۃ الادب" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ــــ نمل کے مورثِ اعلیٰ جنوبی یمن کے قحطانی عرب تھے بلکہ بنو حاشد کے خاندانوں کو پکارا ہی نمل کے نام سے جاتا تھا۔

(نہایۃ الارب قلمی ورق ۴ ص۷۱)

کہ یہ لوگ اپنے قبیلے کے نام کی مناسبت سے بستیوں، بازاروں اور وادیوں کو بھی نمل ہی کے نام سے ظاہر کرتے تھے۔ الہمدانی اپنی دوسری جغرافیائی کتاب "الاکلیل" (طبع مصر جلد ۱۰/۱۰۲) کے حوالے سے بھی اسی خیال کا اظہار فرما چکے تھے۔

یہ وادیٔ نمل شمالی جزیرۃ العرب میں کچھ زیادہ شہرت نہ رکھتی تھی جبھی تو سلیمان علیہ السلام (ت ۹۵۰ ق م) کو اس سے پہلے اس کا علم نہ ہو سکا اور جب ملکِ سبا کی طرف رواں ہوئے تو حجاز اور یمن کے مابین اس چھوٹی سی مگر پُرامن مملکت کا سراغ ملا جس پر ایک عورت حکمران تھی جو نہایت ہی فرزانہ، معاملہ فہم، توانا اعصاب اور عقابی نظروں کی مالک تھی، اسی نے سلیمانی افواج کے غیر شعوری ضرر رسانی سے بچنے کے لئے قوم سے کہا تھا کہ۔

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّآ اَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ (سورۂ نمل-۱۸)

اے قومِ نمل اپنے اپنے گھروں میں محفوظ ہو جاؤ (کوئی بھی باہر نکلنے نہ پائے) ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کی فوجیں (دشمن سمجھ کر) تمہیں چور چور کر دیں اور انہیں علم تک نہ ہو۔

یہاں وادیٔ نمل کی ہشیار ملکہ نے جس حکمت عملی اور فراستِ قومی سے اپنی قوم کو محفوظ کیا وحیٔ الٰہی نے اسے مدح کے مقام پر ذکر کر کے اس حقیقت کو حتمی شکل دے دی ہے کہ وحی عورت کسی بھی طرح حکمرانی کی صلاحیت سے محروم نہیں ہو سکتی، قدرت نے اسے بھی ہمہ توانائیوں سے نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ (عورت اور مسئلہ امارت ص ۶۸ تا ۷۰)

آپ طارق کی پوری عبارت ملاحظہ فرما چکے، وادی نمل کا وجود ثابت کرنا

محض ایک تکلّف تھا جس کو طارق نے بلا وجہ اپنے اوپر لازم کیا کیونکہ وادیٔ نمل کا وجود تو قرآن پاک سے ثابت ہے البتہ محل نظر طارق کا یہ دعویٰ ہے جس میں اس نے نملہ کو ملکہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کا یہ دعویٰ سراسر باطل اور انتہائی بے اصل اور قرآن پاک کی کھلی تحریف ہے طارق نے اپنے دعویٰ کے حق میں چند مسلم وغیر مسلم جغرافیہ دانوں کے حوالے دیئے اور وہ بھی وادی نمل کے محل وقوع پر، وادی نمل میں اگر بعد میں کوئی قوم نمل کے نام سے آباد ہوئی یا کسی قوم نے وادی کی مناسبت سے اپنا نام نمل رکھ لیا تو اس سے کسی طرح بھی اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، پہلے ہم سورۂ نمل کی وہ آیات جن میں نملہ کا ذکر ہے مع ترجمہ تحریر کرتے ہیں۔ اس کے بعد مفسّرین کے اقوال درج کئے جائیں گے تاکہ اصل واقعہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ

یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے تو ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو گھس

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ

جاؤ اپنی بلوں میں کہیں کچل کر نہ رکھ دے تمہیں سلیمان اور انکے لشکر اور انہیں معلوم ہی

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ

نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی)، تو سلیمان ہنستے ہوئے مسکرا دیئے اسکی اس بات سے اور عرض

اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ

کرنے لگے میرے مالک مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں، تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ

مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی نیز مجھے توفیق دے کہ میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند

الصّٰلِحِيْنَ ۝ ——————— (سورۂ نمل، آیت ۱۸-۱۹)

فرمائیے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں۔

تفسیر طبری جزء ۱۹ صد ۱۴۲ پر علامہ طبری اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں!

حتیٰ کہ سلیمان علیہ السلام اور آپ کا لشکر وادی نمل پر آگیا تو چیونٹی نے باقی چیونٹیوں سے کہا کہ اپنی بلوں میں گھس جاؤ تاکہ سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں کچل اور مار نہ ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو کہ انہوں نے تمہیں پامال کر ڈالا۔ ابن بشار نے عبدالرحمٰن اور یحییٰ سے اور ان دونوں نے سفیان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے حکم نامی شخص سے اور اس نے عوف سے بیان کیا، عوف نے اس کی تفسیر میں کہا کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے وقت نملہ (چیونٹی) مکھی جتنی بڑی تھی۔

تفسیر قرطبی ج ۷، صد ۱۶۹ پر علامہ قرطبی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ وادی نمل شام میں ہے اور حضرت کعب نے فرمایا کہ طائف میں ہے امام شعبی فرماتے ہیں کہ نملہ کے دو پر تھے جن سے وہ اڑ سکتی تھی، فرماتے ہیں کہ نملہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کثرت سے حرکت کرتی ہے اور آرام کم کرتی ہے۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام طائف کی وادیوں میں سے "سدیر" نامی وادی سے گزرتے ہوئے وادی نمل پر آئے پس ایک چیونٹی کھڑی ہو گئی اور چل پڑی وہ لنگڑی تھی اور ندھے منہ دوڑ رہی تھی جیسے بھیڑیا ہڈیوں میں دوڑتا ہے، پھر اس نے آواز لگائی "یاایھاالنمل" علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے تین میل دور سے اس کی آواز سن لی یہ کہا گیا ہے کہ اس چیونٹی کا نام طاخیہ تھا اور وہ چیونٹیوں کی ملکہ تھی، امام سہیلی فرماتے ہیں کہ وہ چیونٹی جس نے سلیمان علیہ السلام سے گفتگو کی تھی اس کا نام حرمیا، تھا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات سنی تو آپ

ہنس دیئے اور اس کے بعد چیونٹی سے فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کہا کہ چیونٹیو، بلوں میں گھس جاؤ تاکہ تمہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر کچل نہ دے کیا میں نبی اور عادل نہیں ہوں، کیا میں کسی جاندار کو بلا وجہ کچل سکتا ہوں، یا میرا لشکر خوف خدا نہیں رکھتا کہ وہ چیونٹیوں یا جانداروں کو پامال کرتا پھرے تو چیونٹی نے عرض کی کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ "وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ" انہیں معلوم ہی نہ ہو اور لاعلمی کی حالت میں وہ ہمیں کچل دیں ورنہ مجھے معلوم تھا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں عادل ہیں، لہٰذا ہمیں آپ سے کوئی خطرہ نہ تھا ہمارے وجود چونکہ چھوٹے ہیں آپ کا اتنا بڑا لشکر ہے انہیں پتہ بھی نہ چلتا اور ہمارا صفایا ہو جاتا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ چیونٹی کو بھی معلوم تھا کہ اللہ کے نبی عادل ہوتے ہیں اور وہ چیونٹی کا قتل بھی گوارہ نہیں کرتے۔ طارق نے نملہ کو ملکہ (ملکی سربراہ) بنا ڈالا، اور اس نے اپنی پوری قوم کو کہا کہ سلیمان علیہ السلام آ رہے ہیں گھروں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ ہزاروں انسان ان کے پاؤں تلے کچلے جائیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

قارئین۔ آپ طارق کی ذہنی پراگندگی ملاحظہ فرمائیں کیا یہ بھی ممکن ہے کہ انسان پاؤں کے نیچے کچلے جائیں اور کچلنے والوں کو علم بھی نہ ہو اور مسلمان ہو کر یہ عقیدہ ایک نبی کے متعلق رکھنا کیا صحیح ہے کہ نبی لوگوں کو کچل دیا کرتے ہیں تاریخ انسانیت میں کسی نبی نے کیا کبھی ایسا کیا ہے کہ بلا وجہ راستے میں بسنے والے لوگوں کو پاؤں تلے وہ خود یا ان کا لشکر روند گیا ہو۔ نبیوں کے حضور میں تو چرند پرند بھی اپنی شکایتیں لے کر آتے ہیں ہر جاندار یہی جانتا ہے کہ اللہ کا نبی عادل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں، طارق نے نملہ کو انسان بنا کر نعوذ باللہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام پر ظلم کا الزام لگانے کی کوشش کی ہے

تفسیر کشاف ج ۳ ص ۳۵۵ پر علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ وادی نمل شام میں ہے

اور اس وادی میں بہت چیونٹیاں ہیں۔

تفسیر فتح القدیر ج ۴ صـ ۱۳۰ پر علّامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ نملہ بھی پرندوں کے زمرے میں ہے کیونکہ اکثر و بیشتر اس کے پَر نکل آتے ہیں اور وہ اڑنا شروع کر دیتی ہے لہٰذا آپ کا یہ قول " وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ " کہ ہمیں پرندوں کی بولی کا علم دیا گیا ہے اس طرح آپ نملہ (چیونٹی) کا کلام بھی سمجھتے تھے کیونکہ وہ بھی پرندوں میں شامل ہے۔ علّامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ مساکن سے مُراد وہ جگہیں ہیں جہاں چیونٹیاں رہتی ہیں۔

تفسیر تنویر المقیاس صـ ۲۹۷ پر علامہ ابی طاہر محمد بن یعقوب تحریر فرماتے ہیں وادی نمل شام میں ہے آپ اس وادی سے گزرے جس وادی میں چیونٹیاں ہیں۔ نملہ لنگڑی تھی اور اس کا نام منذرہ تھا۔ اس چیونٹی نے اور چیونٹیوں کو کہا۔ اے چیونٹیو! اپنے ٹھکانوں میں گھس جاؤ۔ مسکن سے مراد چیونٹی کا بِل ہے۔

تفسیر کبیر ج ۶ صـ ۴۳۹ پر علّامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ وادی نمل شام میں ہے اور اس میں چیونٹیاں بہت ہیں قالت نملۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ چیونٹی نے کلام کیا، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ اس میں عقل اور کلام کرنے کی قوت پیدا فرما دے۔

تفسیر ابی السعود ج ۶ صـ ۲۷۸ پر علامہ ابی السعود محمد بن محمد العمادی فرماتے ہیں کہ وادی نمل شام میں ہے اور اس میں بہت چیونٹیاں ہیں، یہ حضرت مقاتل نے فرمایا، اور حضرت کعب فرماتے ہیں کہ وادی نمل طائف میں ہے، چیونٹی کے کلام کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں کہ وہ چیونٹی میں کلام کرنے کی قوت اور عقل اور سمجھ پیدا فرما دے وہ چیونٹی لنگڑی تھی اور تین ٹانگوں پر چلتی تھی۔

تفسیر روح المعانی ج ۷ صـ۱۷۴ پر علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ چیونٹی کا کلام کرنا سید سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

تفسیر بحر المحیط ج ۷ صـ۵۹ پر علامہ ابو حیانؒ اندلسی۔

تفسیر خازن جزء ۵ صـ۱۱۴ پر علامہ صوفی خازنؒ۔

تفسیر معالم التنزیل علی حاشیہ خازن جزء ۵ صـ۱۱۴ پر علامہ بغویؒ۔

تفسیر قاسمی جزء ۱۳ صـ۶۲ پر علامہ محمد جمال الدین قاسمیؒ۔

تفسیر در منثور جلد ۵ صـ۱۰۴ پر علامہ جلال الدین سیوطیؒ۔

تفسیر مظہری ج ۷ صـ۱۰۶ پر علامہ قاضی محمد ثناء اللہؒ پانی پتی۔

تفسیر زاد المسیر ج ۶ صـ۱۶۰ پر علامہ ابن جوزیؒ۔

تفسیر جلالین صـ۳۱۸ پر علامہ سیوطیؒ و محلیؒ۔

تفسیر مدارک علی حاشیہ خازن ج ۳ صـ۳۸۰ پر علامہ نسفیؒ۔

تفسیر الفتوحات الالٰہیہ ج ۳ صـ۳۰۴ پر علامہ جملؒ۔

تفسیر ثعالبی ج ۳ صـ۱۵۸ پر علامہ ثعالبیؒ۔

تفسیر کشف الاسرار ج ۷ صـ۱۸۷ پر علامہ میبدیؒ۔

تفسیر فی ظلال القرآن ج ۵ صـ۲۶۳۲ پر علامہ قطب شہیدؒ۔

تفسیر بیضاوی صـ۴۰۸ پر علامہ بیضاویؒ۔

حاشیہ شیخ زادہ ج ۳ صـ۴۸۸ پر علامہ محی الدین شیخ زادہؒ۔

خلاصۃ التفاسیر ج ۳ صـ۳۵۷ پر علامہ فتح محمد۔

تفسیر روح البیان ج ۶ صـ۳۲۳ پر علامہ اسمٰعیل حقیؒ۔

تفسیر ابن عربی ج ۲ صـ۱۹۷ پر علامہ محی الدین ابن عربیؒ۔

تفسیر صاوی ج ۳ صـ۱۷۸ پر علامہ صاویؒ۔

تفسیر مراغی ج ۱۹ صنہ ۱۳ پر علامہ مصطفےٰ المراغی۔

تفسیر اثنیٰ عشری ج ۱۰ صنہ ۲۶ پر علامہ حسین بن احمد حسینی

مفردات امام راغب صنہ ۵۲۶ پر علامہ راغبؒ اصفہانی۔

کنزالایمان صنہ ۴۵۰ پر علامہ امام احمد رضا خانؒ بریلوی۔

خزائن العرفان علیٰ حاشیہ کنز الایمان صنہ ۵۴۰ پر علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی۔

تفسیر ضیاء القرآن جلد ۳ صنہ ۴۳۷ پر علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری۔

ترجمہ قرآن صنہ ۶۲۷ پر علامہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ۔

قاموس قرآن ج ۷ صنہ ۱۱۴ پر سیّد علی اکبر قریشی

البیان ترجمہ قرآن صنہ ۴۹۰ پر علامہ سیّد احمد سعید کاظمیؒ۔

مذکورہ بالا تمام مفسرین نے کوئی شک و شبہ ظاہر کئے بغیر نملہ کو چیونٹی ہی قرار دیا ہے اور ان کے علاوہ بھی کوئی مفسر یا عالم ایسا نہیں جس نے نملہ کا معنی چیونٹی کے علاوہ کوئی اور کیا ہو۔ کس قدر افسوس ہے کہ آج تک اس آیت کی تحریف کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی سیکڑوں سال ہزاروں مفسرین کروڑوں علماء گزر چکے ہیں سب نے نملہ کا معنی چیونٹی ہی کیا ہے، لیکن آج علم و فن میں یکتائی کے چند دعویدار قرآن پاک کے ایک اہم ترین واقعے کی ایسی ظالمانہ تحریف کرکے حکمت ربّی کا مذاق اڑا رہے ہیں اور قدرت ربّی کا انکار کر رہے ہیں۔ ادنیٰ تامل سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نملہ ہرگز عورت نہیں تھی۔

۱۔ کیونکہ اگر وہ عورت ہوتی تو اس واقعہ میں کونسی نئی بات تھی جس کی وجہ سے یہ واقعہ قرآن پاک کی زیب و زینت بنتا۔ نملہ کا معنی عورت کرنے سے اس واقعہ کی ندرت اور اہمیّت ختم ہو جاتی ہے۔ ہزاروں انسان ہر روز

ہزاروں انسانوں کو خبریں دیتے رہتے ہیں اس طرح نملہ کا بھی اپنی قوم کو سلیمان علیہ السلام کی آمد کی خبر دے دینا کوئی عجیب بات نہ تھی۔

۲۔ انسان کافی بڑا وجود رکھتا ہے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے ہم جنسوں کے پاؤں تلے کچلا جائے اور کچلنے والوں کو علم بھی نہ ہو۔

۳۔ انبیاء کرام علیہم السلام عادل ہوتے ہیں ان کی طرف ظلم کی نسبت کفر ہے۔ کیا طارق یہی ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس ملک کے لوگوں کو سلیمان علیہ السلام اور آپ کا لشکر پاؤں تلے روند کے صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالتا، کیا یہ ظلم ایک نبی سے متوقع تھا۔

۴۔ نملہ اگر عورت تھی اور وہ اپنی قوم کو تدبر و معاملہ فہمی کے باعث ہلاکت سے بچانا چاہتی تھی تو اس نے ان کو گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جانے کا حکم کیوں دیا، چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ ان کو کہتی کہ بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش ہو جاؤ اور اپنی جانیں بچاؤ، کیونکہ انسانی بستی سے گزرتے ہوئے یہ تو ممکن نہیں کہ اُسے دیکھا نہ جا سکے اور پھر جس بستی میں بسنے والے نظر نہ آئیں وہاں تو تجسّس اور تفتیش کے جذبات زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔

۵۔ اگر نملہ چیونٹی نہیں تھی عورت ہی تھی تو سلیمان علیہ السلام کو اس کے کلام پر ہنسی کیوں آئی۔

۶۔ بقول طارق اگر نملہ ایک چھوٹی سی ریاست کی ملکہ تھی تو اس کے بعد جبکہ وہ نملہ اور اس کی پوری قوم اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ گئی، تو سیّدنا سلیمان علیہ السلام وہاں سے اس کو اور اس کی قوم کو اپنے حال پر چھوڑ کر چلے گئے یا ان پر اسلام پیش کیا یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی نبی خلق خدا کو اسلام کی دعوت نہ دے اور ان کو کفر کی حالت میں رہنے دے اور اگر آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ

کیسے ممکن ہوئی کیونکہ وہ تو گھروں میں چھپ گئے تھے۔

۷۔ کیا نملہ اور اس کی قوم مسلمان ہوئے تھے یا نہیں اگر وہ مسلمان ہوئے تھے تو اس کی کیا دلیل ہے اور اگر انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا تو انہوں نے سیّدنا سلیمان علیہ السلام کو خراج دینا قبول کیا تھا یا نہیں۔

بہر حال، اگر طارق کے پاس ایسی کوئی وضاحت ہے تو اسے بیان کرنی چاہیئے تاکہ حق واضح ہو سکے۔ کیا یہ کہنا بے جا ہو گا کہ صرف اور صرف عورت کی سربراہی کو اسلام کے مطابق اور جائز ثابت کرنے کے لئے طارق اور شہاب نے کس ذہنی پراگندگی اور دماغی فتور کا مظاہرہ کیا ہے۔ کلام اللہ کو محض اس لئے بدلنے کی کوشش کی تاکہ انہیں دنیا میں چند امراء کی سرپرستی حاصل ہو سکے، یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان بھی تورات و انجیل کے احکامات چند ٹکوں کی لالچ میں بدلتے تھے اور آج کے نام نہاد اسکالر اور محقق بھی وہی کچھ کر رہے ہیں۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ، کیا اسی قماش کے لوگوں کی کارستانیوں کی قلعی کھولنے کے لئے نازل نہیں ہوئی، لاکھوں کروڑوں علماء امت کو محض اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے تاریک باطن، کور مغز اور بے فکرے وغیرہ جیسے غلیظ خطابات سے یاد کرنا گمراہی و فسادت قلبی کا ایسا مظاہرہ ہے جسے امت مسلمہ کے چند بدترین سفاک بھی انجام نہ دے سکے انہوں نے چند انسانوں کو قتل کیا اور روسیاہی مول لی، لیکن یہ لوگ قرآن وحدیث کے قاتل بن کر شقاوت مول لے رہے ہیں۔

کاش! انہیں اپنے جرم کی سنگینی کا علم ہو جاتا اور اسلام میں ایسی راہیں کھولنے کی کوشش نہ کرتے جو آئندہ چل کر گمراہی کی شاہراہیں بن سکتی ہیں، ایسی بدعتوں کو امت مسلّمہ میں رواج نہ دیتے جو مجمع السیّأت ہوں، طارق نے ایک چیونٹی کو عورت قرار دے کر ”نہایت ہی فرزانہ، معاملہ فہم، توانا اعصاب اور عقابی نظروں

کی مالک" تک کہہ ڈالا، اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ کہ "یہاں وادی نمل کی ہشیار ملکہ نے جس حکمت عملی اور فراست قومی سے اپنی قوم کو محفوظ کیا وحی الہٰی نے اسے مدح کے مقام پر ذکر کر کے اس حقیقت کو حتمی شکل دے دی ہے کہ وحیِ عورت کسی بھی طرح حکمرانی کی صلاحیت سے محروم نہیں ہو سکتی، قدرت نے اسے بھی ہمہ توانائیوں سے نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔"

طارق کی عبارت پر غور سے اس کے ذہنی توازن کا پوری طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس فکر رسا اور نظر صائب کا مالک ہے۔ عقابی نظر توانا اعصاب اور فرزانہ وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کر کے اس نے کذب صریحی کو بیت عنکبوت میں ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی اور خصوصاً "وحیِ عورت" کا جملہ تو اپنے اندر اغلاق واختلاط کا طوفان سمائے ہوئے ہیں، اور سب سے آخر پر قابل توجہ جملہ" قدرت نے اسے بھی ہمہ توانائیوں سے نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیا" ہے جس کے ہر ہر حرف سے فسق وضلالت کی زہر ٹپک رہی ہے۔ نعوذ باللہ۔ کیونکہ طارق کا خود ساختہ معیار اور توانائی عورت کو عطا نہ ہو تو عبارت یوں بنے گی۔ قدرت نے اسے ہمہ توانائیوں سے نوازنے میں بخل سے کام لیا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی طرف ایسے الفاظ کی نسبت جو ذو وجہتین ہوں کیا جائز ہے؟

لیکن تقدیس وتکریم ذات الہ العالمین سے زیادہ اہم اور مقدم تو طارق کی نظر میں عورت کا سماجی مرتبہ ومقام ہے۔ لہٰذا اسے کیا پرواہ کہ اس کا قلم ذات باری کی طرف کن قبیح لفظوں کو منسوب کر رہا ہے، اس کی اسی فرعونی فکر کی کئی مثالیں کتاب کے اوّل میں بھی ذکر ہو چکی ہیں۔ مسلمان خواتین کو عقل وخرد سے کام لینا چاہیئے ان کے نام پر ایسے دشمنان دین اسلام پر اپنے دانتوں کی تیزی کا تجربہ کر رہے ہیں اور ہدف تنقید مسلمان عورت بن رہی ہے۔

عورت کے بعض فطرتی نقائص کا ثبوت

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ

کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں (اپنے لئے) اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے

بِالْبَنِيْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ

تمہیں بیٹوں کے ساتھ، اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

جسکی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرطِ رنج سے) سیاہ ہو

كَظِيْمٌ ۝ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ

جاتا ہے۔ کیا وہ (ایسی اولاد جنے گا) جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں

فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ (سورہ زخرف۔ آیات ۱۶-۱۷-۱۸)

اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعیٰ ظاہر نہیں کر سکتی۔

کفار نے ملائکہ کو اللہ تعالےٰ کی بیٹیاں کہا جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی اولاد سے پاک ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب یہ ارشاد فرمایا کہ جس چیز کی یعنی بیٹیوں کی نسبت تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے حالانکہ اگر وہی بیٹی تمہارے گھر پیدا ہو اور اس کی اطلاع تم کو دی جائے تو تمہارا چہرہ یہ خبر سن کر غم کے باعث سیاہ ہو جاتا ہے اور دل غم سے بھر جاتا ہے تو ادنیٰ چیز اس نے اپنے لیے خاص کر لی ہے اور اعلیٰ چیز تمہیں دے دی ہے یعنی یہ کتنی جاہلانہ بات ہے کہ اللہ تعالےٰ کے لیے اولاد ثابت کی جائے اور پھر یہ جہالت در جہالت ہے

جب عورت دلیل دینے کا ارادہ کرے تو اکثر یوں ہوتا ہے کہ وہ دلیل کو اپنے حق میں استعمال نہیں کر سکتی بلکہ وہی دلیل اس کے خلاف ہو جاتی ہے یہ اسباب عورت کے لیے بہت بڑے نقص کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس کا اللہ تعالیٰ کی اولاد کے طور پر ثابت کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

تفسیر کشاف ج ۴ ص ۲۴۳ پر علامہ زمخشری۔

تفسیر قاسمی ج ۱۳ ص ۳۳ پر علامہ محمد جمال الدین قاسمی۔

تفسیر ثعالبی ج ۴ ص ۱۲۳ پر علامہ ثعالبی۔

تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۵۴۹ پر علامہ شوکانی۔

تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۰۳ پر علامہ خازن۔

مندرجہ بالا مفسرین کی تحقیق وہی ہے جو علامہ رازی کی نقل کی جا چکی ہے۔

تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۱۵ پر علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ تخریج کی ہے فریابی، عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے آپ اَوَ مَن يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں سے مراد یہ ہے کہ تم نے لڑکیوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بنا دیا ہے یہ تمہارا عجیب فیصلہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عبد بن حمید تخریج کرتے ہیں کہ اس آیت میں عورتیں مراد ہیں، کیونکہ عورتوں اور مردوں کی کیفیت میں فرق ہوتا ہے اور عورت کا میراث کا حصہ اور شہادت میں کمی اور انہیں گھر بیٹھنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم اور ان کو خوالف کا نام دیا جانا وغیرہ اس کے نقص (مرتبہ میں کمی) کی دلیلیں ہیں۔

عبدالرزاق عبد بن حمید ابن جریر ابن منذر نے حضرت قتادہؓ سے تخریج کی ہے "اَوَ مَن يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ" کے متعلق حضرت قتادہ نے فرمایا کہ کفار نے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں ثابت کرنے کی کوشش کی حالانکہ اگر ان کو بتایا جائے

کہ ادنیٰ چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ نعوذ باللہ اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو وہ اپنے لئے لڑکیاں کیوں پسند فرماتا کیونکہ وہ تو ادنیٰ ہیں لڑکے ان کی نسبت اعلیٰ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے لیے لڑکے کیوں نہ خاص کرتا یہاں عورت کے مرتبے کی کمی صاف طور پر معلوم ہو رہی ہے۔ اس سے اگلی آیت میں بالکل واضح طور پر عورت کے "فطری نقائص کا ذکر فرما دیا" اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ" یعنی کیا اللہ تعالیٰ ایسی اولاد جنے گا جو زیوروں میں پروان چڑھتی ہے یہاں سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عورت کا زیب و زینت کے لیے زیورات کا استعمال اس کی مجبوری اور اس کے تخلیقی نقصان کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے زیورات کے بغیر عورت ادھوری اور نامکمل معلوم ہوتی ہے اس لیے یہ اس کا فطرتی نقص ہے دوسرا نقص اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا "وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ" اور وہ مباحثہ کے وقت صاف بات نہیں کر سکتی، بحث میں اپنا مدعا بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۴۱۹ پر علامہ فخر الدین رازی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُ فِي الْحِلْيَةِ" میں عورت کا نقص بتانا مقصود ہے اور وہ نقص یہ ہے کہ عورت زیورات میں پلتی ہے اور اس کی ذات ناقص ہوتی ہے کیونکہ اگر اس کی ذات میں نقصان نہ ہوتا اور وہ کامل ہوتی تو اسے زیورات کی محتاجی نہ ہوتی، بناؤ سنگھار اس کی مجبوری ہے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عورت کے نقص حال کو اس طرح بیان فرمایا "وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ" یعنی جب عورت جھگڑنے اور بحث کرنے کی محتاج ہو تو وہ واضح بیان نہیں کر سکتی اور یہ نقص اس کی زبان کے ضعف کے باعث اور عقل کی کمی اور کند ذہنی کے باعث ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

کہ ان کی بیٹی پیدا ہوئی ہے تو ان کے منہ غم کے باعث کالے ہو جاتے ہیں وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ کے متعلق یہاں مراد یہ ہے کہ عورت جب اپنے حق میں دلیل دینا چاہتی ہے تو اکثر یوں ہوتا ہے کہ وہی دلیل اس کے خلاف دلیل بن جاتی ہے یعنی اپنی دلیل کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی کامل صلاحیت نہیں رکھتی۔

مذکورہ آیت سے عورت کی مرد سے مرتبہ میں کمی عورت کے جسمانی نقص اور ذہنی نقص کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس کے بعد یہ دعویٰ کہ عورت مردوں سے لائق اور ذہین ہوتی ہے اور مرتبہ میں مرد کے برابر ہوتی ہے سراسر منشاء الٰہی اور ارشادات ربانی کا کھلا انکار اور مخالفت ہے کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ احکام الٰہی کا منکر بنے کیونکہ انکار ارشادات ربّانی کے باوجود کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ عورت کی سربراہی کے جواز کے مدعیوں کی عقل و دانش پر افسوس ہے کہ وہ چند روزہ زندگی کی عیش و عشرت اور مال و زر کے حصول کے لیے اپنی اخروی زندگی کی فکر نہیں کرتے اور آیات قرآنی، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اور ان کی غلط تشریحیں کر کے دوزخ کا ایندھن بن رہے ہیں اور قوم کو تباہی بربادی اور بے دینی کے راستے پر ڈالنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ حدیث پاک ناقصات العقل والدین کا انکار کرنے والوں کے لیے عورت کی نقص عقل کی یہ قرآنی دلیل ہے۔ امید ہے کہ اس آیت کو پڑھ لینے کے بعد طارق اور اس کے ہم مسلک حدیث پاک کے انکار سے باز آجائیں گے۔

مسلمان عورتوں کی حکمرانی کیا شرعی احکام کو تبدیل کرسکتی ہے

عورت کی سربراہی کے جواز کے مدعیوں نے احکام قرآنی، احادیث مصطفوی، اقوال ائمہ مفسرین وائمہ محدثین اور چودہ سو سالہ طویل بے مثال اجماع امت کو مسترد کرنے کے لئے جہاں جھوٹی من گھڑت روایات پیش کی ہیں اور قرآن کریم کی تحریف اور احادیث کا انکار اور ضعیف قرار دینے کی مذموم مساعی کی ہیں۔ وہاں انہوں نے دیانت و امانت کے برعکس غلط حوالے بھی دیئے ہیں اور عامۃ المسلمین کو دھوکہ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے انہوں نے عبارات کے ترجموں اور مطالب و مفاہیم بیان کرنے میں بھی بدترین خیانت کا مظاہرہ کیا ہے ان تمام دعوؤں کے ثبوت ہم بکثرت فراہم کرچکے ہیں اور آئندہ صفحات میں بھی انشاء اللہ فراہم کریں گے اب جس موضوع پر ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ چند ایسی عورتوں کا ذکر ہے جو اپنے وقت میں حکمران بنیں، ایسی عورتوں کے حوالے دیکر جواز کے مدعی یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ میں جب چند عورتیں حکمران رہ چکی ہیں اور ان کے دور امارت میں قوم پر ہلاکت نازل نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث پاک لن یفلح قوم ضعیف اور من گھڑت ہے کیونکہ اگر حدیث صحیح ہوتی تو قوم پر ہلاکت نازل ہوئی ہوتی اس سلسلہ میں چند عورتوں کے نام ذکر کئے جاتے ہیں، جن میں شجرۃ الدر، ست الملک، فاطمہ یمانی، ترکان خاتون

رضیہ سلطانہ، چاند بی بی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں ۔ یہ ان مسلمان عورتوں کے نام ہیں جو امّت خیر الانام سے شمار کی جاتی ہیں، سابقہ امم سے ایک ہی نام مطلع پر ملکہ بلقیس کا موجود ہے جو کہ کرکٹ کی گیند کی مانند تسلسل سے استعمال ہوتا ہے اور وہ اس لیے کہ اس کا ذکر خوش قسمتی سے قرآن پاک میں موجود ہے اس کے متعلق ہم مختصر تحقیق لکھ چکے ہیں، ایک بالکل اچھوتی اور نامور شہزادی جس کے وجود اور بادشاہت سے پہلی بار طارق نے پردہ اٹھایا ہے یعنی شہزادی، نملہ، جس کا نام بھی نملہ تھا پوری قوم کا نام بھی نمل تھا اور وادی کا نام بھی نملہ تھا اور ملک کا نام بھی نمل تھا ۔ اس نادر اور ہمہ صفت موصوف شہزادی کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے ۔ اب ہمیں ان چند مسلمان خواتین کا ذکر کرنا ہے جن کے اوصاف بیان کرنے میں طارق اور شہاب نے انتہائی فراخدلی اور فیاضی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن ان کے انجام سے قارئین کو بے خبر رکھا ہے۔ ان خواتین کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے چند تمہیدی کلمات درج کرنا ضروری ہے

ا ۔ حدیث پاک لن یفلح قوم، میں جس فلاح کا ذکر ہے اس سے مراد بالخصوص فلاح اخروی ہے۔

ب ۔ نص قرآنی اور احادیث مصطفوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے ثابت ہونے والے مسائل قطعی ہوتے ہیں اور وہ کسی حال میں بھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔ ان کے متعلق مسلمانوں کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی ثواب دید کے تحت انہیں بدل دیں۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ

ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؁ ———— (سورۃ احزاب آیت ۳۶)

ترجمہ:۔ اور نہ کسی مسلمان مرد اور نہ کسی مسلمان عورت کو یہ حق ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ایک کام کا فیصلہ فرمادیں تو ان کے لیے اپنے (اس) کام میں کوئی اختیار ہو، اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو بیشک وہ کھلی گمراہی میں بہک گیا۔

یہ تو آٹھ دس عورتیں ہیں اگر ہزاروں عورتیں بھی حکمرانی کرچکی ہوتیں تو اس سے قرآن وحدیث پر نقض وارد نہیں کی جاسکتی تھی اور نہ ہی ان کا عمل اسلام میں جواز پیدا کرسکتا ہے بلکہ ایسی تمام عورتیں اور ان کی رعایا سخت گناہ گار اور احکام شرعیہ کی مخالفت کے مرتکب ہوئے۔

ج۔ جن علماء نے ان عورتوں کی سربراہی کو جائز سمجھا اور احکام شریعت کی مخالفت کی وہ بھی ویسے ہی گناہ گار ہوئے جیسے اور لوگ، علماء کا عمل بھی شریعت کے احکام کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا اور یقیناً ایسے علماء کو علماء سوء ہی کہا جائے گا جنہوں نے شرعی احکامات جانتے ہوئے بھی شریعت سے روگردانی کی۔

د۔ کفر، نفاق، فسق، عصیان کے متعلق لاتعداد ایسے احکامات ربانی موجود ہیں جن میں ان کے مرتکبین کو عدم فلاح کی وعید سنائی گئی ہے۔ لیکن کفر ونفاق کے باوجود وہ لوگ زندہ بھی ہیں اور دنیا میں عیش وعشرت کی زندگی بھی گزار رہے ہیں لہٰذا کیا یہ کہنا جائز ہوگا کہ وہ فلاح پاگئے ہیں؟ اور فلاح کی نفی کے باوجود ان کو کچھ بھی نہیں ہوا، اسی قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر سوچا جائے تو مسئلہ واضح ہوجاتا ہے یعنی جن لوگوں سے فلاح کی نفی منصوص ہے اگر وہ زندہ باقی ہیں تو جن کے متعلق حضور علیہ السلام نے عدم فلاح کی وعید ارشاد فرمائی ہے اس حدیث کے منکرین کیوں چاہتے ہیں کہ ان پر فوری طور پر ایٹم بم گر جائے یا وہ زمین میں

دھنسا دیئے جائیں یا ان کی شکلیں مسخ ہو جائیں یا ان کا ملک ریزہ ریزہ ہو جائے لہٰذا جیسے قرآن پاک کی صداقت ہر حال میں بے غبار ہے یونہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی شک و شبہ سے بالاتر ہیں، فلاح اور عدم فلاح کا خصوصی تعلق آخرت سے ہے۔ ذیل میں فلاح اور عدم فلاح کے متعلق آیات قرانی نقل کی جاتی ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ فلاح اور عدم فلاح کا خصوصی تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ــــ (سورہ بقرہ آیت ۵)

اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ـــــــــ (سورہ شمس آیت ۹)

بیشک کامیاب ہوا جس نے اسے پاک کیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ (سورہ اعلیٰ آیت ۱۴-۱۵)

بے شک کامیاب ہوا جو پاکیزہ ہو گیا، اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی۔

مذکورہ آیات میں فلاح کا ذکر ہے اور ان لوگوں کو مفلحین قرار دیا گیا ہے۔ جو پاکیزگی اختیار کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید اور اس سے پہلے نازل ہونے والی اللہ کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو کیا؟ اب کوئی شخص جس کی نظر میں دنیاوی شان و شوکت ہی فلاح ہو یا اس کے سامنے صرف دنیاوی کامیابی ہی فلاح قرار پاتی ہو تو ایسے لوگ جو مذکورہ صفات سے موصوف ہوں لیکن دنیاوی ساز و سامان، شان و شوکت سے محروم ہوں بلکہ وہ فقیر اور محتاج ہوں تو کیا آج کے محققین ان کو مفلح قرار دیں گے۔

"الفقر فخری" فقر کی معراج سے تو ایسے لوگوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔

وہ تو خدام کی کثرت اور مال و زر کی فراوانی کو ہی کامیابی سمجھتے ہیں اس طرح ان کی نظر میں تو ایسے فقیر بے نوا یقیناً فلاح سے محروم ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے واضح ہو رہا ہے کہ فلاح کا تعلق ظاہر سے بہت کم ہے۔ اور باطن سے بہت گہرا اور یونہی دنیا سے بہت کم اور آخرت سے بہت زیادہ ہے اسی کی دلیل ملاحظہ ہو۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ہ وَ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ہ ـــــ (سورۃ اعلیٰ آیت ۱۶-۱۷)

بلکہ تم دنیوی زندگی کو اختیار کرتے ہو، حالانکہ آخرت (ہی) بہتر اور (ہمیشہ) باقی رہنے والی ہے۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ہ (سورہ احزاب آیت ۷۱) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو بیشک وہ بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوا۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ہ (سورہ صف آیت ۱۲) اور وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں داخل فرمائے گا جنتوں میں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے بسنے کی جنتوں میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ فلاح کا گہرا تعلق آخرت سے ہے یونہی عدم فلاح کا خصوصی تعلق بھی آخرت سے ہی ہے۔ آیات قرآنی ملاحظہ ہوں۔

اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (سورۃ یوسف آیت ۲۳، سورہ قصص آیت ۳۷)

بے شک بامراد نہیں ہوتے ظلم کرنے والے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ

آپ فرمائیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے (سورۂ یونس آیت ۶۸)

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ — (سورۃ انعام، آیت ۱۳۵)

بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ط اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ — (سورۃ انعام آیت ۲۱)

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو بے شک فلاح نہیں پائیں گے، ظلم کرنے والے۔

ان آیات کے تناظر میں یہ حقیقت مبرہن ہو چکی ہے کہ فلاح کا خصوصی تعلق آخرت سے اور باطن سے ہوتا ہے۔ لہٰذا فرعون، نمرود، اپنے جاہ و جلال ملکی کے باعث مفلح نہیں ہوں گے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام فقر کے باعث عدم فلاح کا شکار نہیں ہوں گے یزید اور حجاج جلال شاہی کے باعث مفلح قرار نہیں پائیں گے اور سیدنا امام حسینؓ اور سیدنا سعید ابن جبیرؓ دنیا میں یزید اور حجاج کی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو جانے کی وجہ سے غیر مفلحین نہیں ہوں گے۔ اگر فلاح و عدم فلاح کا معیار ظاہر اور فوری نتائج کی بنیاد پر ہوتا تو یقیناً حجاج اور یزید کو کامیاب قرار دیا جاتا لیکن ایسا ہرگز نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ عورتوں کی حکومت کی صورت میں ان اقوام پر اگر کوئی ظاہری افتاد نہیں پڑی تو اس کی بناء پر ہرگز ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث پاک موضوع ہے یا وہ قومیں اس کا مصداق نہیں ہیں۔

۵۔ جزاء سیآت اکثر و بیشتر آخرت میں ہو گی (جیسا کہ واضح ہو چکا ہے) اور اس کا گہرا تعلق بھی آخرت کے ساتھ ہے لیکن بعض حالات میں دنیا میں بھی جزاء و سزا کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ بہر حال ان معاملات کا تعین مشیت ایزدی

پر منحصر ہے کیونکہ چنگیز خان اور ہلاکو خان لاکھوں انسانوں کو قتل کر کے بھی طویل
عرصہ تک نہ صرف برسر اقتدار رہے بلکہ ان کی شوکت و عظمت کا سورج نصف النہار
پر چمکتا اور دمکتا رہا تو وہ لوگ کیا کہیں گے کہ چنگیز خان اور ہلاکو اور اس قبیل
کے دیگر ظالم حکمران جن کے دست استبداد سے انسانیت چیختی چلاتی رہی چونکہ
ان پر فوری تباہی نہیں آئی اس وجہ سے وہ حق پر تھے اور ظالموں و فاسقوں
کے متعلق نازل ہونے والی تمام وعیدیں غلط ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔

ھ۔ حکومت الٰہی کو حکومت انسانی پر قیاس کر کے فوجداری یا مارشل لاء
مقدمات جیسے فیصلوں کی توقع بہت بڑی غلطی ہے۔ یوں ہی اسرار الٰہی کا احاطہ
بھی انسان کی قوت سے خارج ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہ قوم تباہ نہ ہوئی اور حدیث
پاک کے مطابق اسے تباہ ہو جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے عورت کو اپنا حاکم بنایا"۔
ایسا دعویٰ کرنے والے لوگ کیا آخرت کے احوال سے باخبر ہیں کہ عورت کو سربراہ
بنانے والی قومیں فلاح سے محروم رہیں یا کامیابی ان کا مقدر بنی اور اگر ایسا
نہیں تو وہ کس طرح دعویٰ کر سکتے ہیں کہ عورت کی حکومت کو ماننے والے بھی
فلاح پا گئے۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ اور قیاس حق سے دور تر ہے اور ان دعوؤں
میں کوئی وزن نہیں، لیکن اس کے باوجود ہم ان مسلم خواتین کے حالات پیش
کرتے ہیں جن سے قارئین کو اندازہ ہو سکے گا کہ ایسی عورتوں کو فلاح اخروی
کے ساتھ ساتھ فلاح دنیوی بھی نصیب ہوئی یا نہیں۔ شجرۃ الدر، ست الملک
ترکان خاتون اور رضیہ سلطانہ کے حالات زندگی ہمیں معتبر کتب تاریخ سے مل
سکے ہیں جبکہ بعض خواتین کے حالات بعض ایسی کتب سے تو ملے ہیں جو بہت ہی
غیر معیاری ہیں لیکن اہم کتب میں ان کا نام و نشان تک نہ ملا اس لیے مجبوراً ہم

ایسی چند خواتین کے حالات زندگی لکھنے سے قاصر رہے ہیں کیونکہ طارق نے بھی ایسی چند خواتین کا ذکر اسلم جے راجپوری صاحب کی کتاب سے کیا ہے۔ جے راجپوری صاحب کا تعارف ہم مقدمۂ کتاب میں کرا چکے ہیں لہٰذا یہ ممکن نہ تھا کہ ہم ایسے ملحد اور بے دین کی کتاب پر اعتماد کرتے اور وہ تو خالی الذہن مؤرخ ہی نہیں بلکہ ہمارا فریق مخالف بھی ہے اور اسلامی تعلیمات کا بھی منکر و مخالف ہے لہٰذا ہمیں جو دستیاب ہو سکا، قارئین کے سامنے پیش کر کے اپنی ذمہ داری باحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کی۔ گر قبول افتد

شجرۃ الدّر

شجرۃ الدّر کے متعلق تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ طارق نے شجرۃ الدّر کا تفصیلی تعارف لکھ دیا ہے، لہٰذا اس کے مختصر احوال ملاحظہ ہوں۔ مؤرخین کے مطابق وہ ایک خوبصورت، صاحب رائے و تدبیر عورت تھی ملک صالح کی بیوی تھی ملک صالح فوت ہو گیا تو اس نے ایک چال چلی کہ کسی کو ملک صالح کی موت کا علم نہ ہونے دیا اور اس کے بیٹے توران شاہ کے لیے امراء مملکت سے امارت کا عہد و پیمان لے لیا، کچھ عرصہ بعد توارن شاہ کو شجرۃ الدّر نے قتل کرا دیا اور خود بادشاہ بن گئی مصر اور شام میں خطیبوں نے خطبوں میں اس کا نام شامل کر دیا لیکن جب اس بات کی خبر خلیفہ مستنصر باللّٰہ کو بغداد میں پہنچی کہ مصریوں نے عورت کو بادشاہ بنا لیا ہے تو خلیفہ نے امراء مصر کو لکھا کہ تم لوگوں نے اس بات کی خبر ہمیں کیوں نہ دی کہ تمہارے پاس کوئی مرد باقی نہیں رہا، جو امور سلطنت چلا سکے اگر ایسا ہی قحط الرجال تھا تو ہم ہی تم کو ایسا مرد بھیج دیتے جو امور مملکت

کو چلا سکتا، کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں سنی کہ جو قوم عورت کو اپنا والی بنالے وہ فلاح نہیں پا سکتی۔ خلیفہ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور مصریوں کو شدید ملامت کی، اور انہیں عورت کی امارت کے خاتمہ کے لئے برانگیختہ کیا۔

ممالیک کو تو رشوتیں دیکر اس نے خرید لیا تھا جو اس کے حامی بنے ہوئے تھے۔ لیکن مصری عوام شجرۃ الدّر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اسلام میں ایسی مکروہ روایت موجود نہیں کہ عورت ملک کی حکمران بن سکے لہٰذا ہم اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے۔

شجرۃ الدّر کو جب خلیفہ کے خیالات اور عوام کے احتجاج کا علم ہوا تو اس نے از خود منصب امامت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور سپہ سالار عزالدین ایبک کے ساتھ شادی کر کے امور مملکت اس کے حوالے کر دیئے اس طرح شجرۃ الدّر کا اسّی روزہ دور حکومت اختتام پذیر ہوا، کچھ عرصہ کے بعد عزالدین ایبک کو شجرۃ الدّر نے اس شبہ کے باعث قتل کرا دیا کہ وہ موصل کے حاکم بدرالدین لؤلؤ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے ملک المعز ایبک کے بیٹے ملک المنصور علی نے اپنے والد کے قتل کے قصاص میں شجرۃ الدّر کو قتل کرانا چاہا لیکن ممالیک صالحیہ نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا، بالآخر ۱۱ ربیع الآخر بروز ہفتہ قلعہ کے باہر شجرۃ الدّر مری ہوئی پائی گئی اسے قلعہ سے نیچے پھینکا گیا تھا اس وقت وہ بالکل ننگی تھی اس کے جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا لوگوں نے اٹھا کر اسے اس کی اس قبر میں دفن کر دیا جو پہلے ہی اس نے اپنے لئے کھدوا رکھی تھی۔ شجرۃ الدّر منصب امامت پر فائض ہونے کے باوجود پردے میں رہتی تھی اور تمام احکام پردے کے پیچھے سے دیا کرتی تھی۔

(تاریخ اسلام ج ۴ ص۳۲۳، مصنفہ الدکتور حسن ابراہیم، اعلام النساء ج ۲ ص۲۸۶ تا ص۲۹، شذرات الذہب ج ۳ ص۲۶۸، اعلام النساء بحوالہ تاریخ ابن ایاس، تاریخ ابی الفداء، مراۃ الجنان للیافعی، السلوک لمعرفۃ الملوک للمقریزی، روضۃ الناظر، تحفۃ الاحباب، فوات الوفیات، اخبار الدول، تاریخ ابن الوردی، موردالطافۃ، النجوم الزاہرہ وغیرہ)

ست الملکؒ بنت العزیز باللہ الفاطمی

ست الملک کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ بہت اثر و نفوذ کی مالک باوقار سیاست کی آشنا اور رعب و دبدبہ رکھتی تھی۔ سیف الدولہ بن دوّاس کے ساتھ ساز باز کر کے اور اس کو رشوت میں جاگیریں اور سونا چاندی دے کر اس نے اپنے بھائی حاکم بامر اللہ کو قتل کرا دیا۔ دوسرے بھائی کے لئے ولیعہدی کا ڈھونگ رچایا وہ حاکم مقتول کے نائب کی حیثیت سے دمشق میں فرائض انجام دے رہا تھا، اسے مصر بلوا بھیجا، پھر راستے میں اس کو اغواء کرا لیا اور ابن دوّاس کے ساتھ مل کر اپنے بھتیجے کو بادشاہ بنا دیا لوگوں کو اس فیصلے پر رضا مند کرنے کے لیے بیحد وحساب جاگیریں تقسیم کیں اور مال و زر لٹایا، ست الملک خود بادشاہ نہ بنی تھی بلکہ اس کا بھتیجا ملک الظاہر بادشاہ تھا۔

ست الملک اس کی سرپرستی کرتی تھی بھتیجے کو بادشاہ بنا لینے کے بعد ست الملک نے اپنے محسن ابن دوّاس اس کے خادموں اور ہر وہ شخص جو حاکم بامر اللہ کے قتل سے باخبر تھا اور اسے یہ راز معلوم تھا کہ اسکا قاتل کون ہے۔ ایسے تمام لوگوں

کو قتل کرادیا اور اس طرح کشت وخون کا بازار گرم کردیا۔ ست الملک ۴۱۵ھ کو فوت ہوگئی۔

(تاریخ اسلام ج ۳ ص ۱۵۴، الدکتور حسن ابراہیم، اعلام النساء ج ۲ ص ۱۲۶ تا ۱۲۰ بحوالہ تاریخ ابن اثیر، تاریخ ابن ایاس، تاریخ ابی الفداء، النجوم الزاہرہ)

—٭—

ترکان خاتون

ترکان خاتون الجلالیۃ بنت طوخاج خان کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ بڑی باوقار سردار تھی عقل و تدبیر، شجاعت و سخاوت، دین و سیاست میں اس کو خاص مقام حاصل تھا اس کی سیاست و تدبیر کا یہ عالم تھا کہ جب اس کا شوہر سلطان ملک شاہ شوال ۴۸۵ھ میں فوت ہوگیا تو اس نے اس کی وفات کی خبر کو پوشیدہ رکھا تاکہ سلطان کی دوسری بیوی زبیدہ بنت یاقوتی کا بیٹا برکیارق بادشاہ نہ بن جائے وہاں سے وہ سلطان ملک شاہ کی نعش کو لے کر بغداد خلیفہ کے پاس پہنچی اور خلیفہ کے وزراء اور بااثر لوگوں کو بھاری رشوتیں دے کر اپنا حامی بنالیا۔ خلیفہ نے اس کے بیٹے محمود کو جو عمر میں بہت چھوٹا تھا کو سلطان بنانے سے انکار کردیا، لیکن خلیفہ کے وزراء اور مشیروں کو تو اس نے پہلے ہی خرید لیا تھا انہوں نے خلیفہ کو مجبور کیا اور خلیفہ نے بادل نخواستہ اس کے بیٹے کو سلطان بنادیا اس طرح ترکان خاتون اس مہم میں کامیاب ہوکر واپس لوٹی، اور اس نے تمام خطرات کو مٹانے کے عزم کے تحت ایک بڑا لشکر تیار کیا اور برکیارق پر حملہ کردیا۔ بروجرد کے قریب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا، ترکان کا لشکر شکست کھا کر بھاگا اور اصبہان میں جاکر پناہ لی

لیکن برکیارق بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شعبان ۴۸۶ھ کو اسماعیل بن یاقوتی یعنی برکیارق کے ماموں کی طرف اپنے وزیر بھیج کر اسے اپنے ساتھ شادی کا لالچ دے کر برکیارق سے مقابلہ کے لیے فوج کا مطالبہ کیا، اسماعیل اس جھانسے میں آگیا اور ترکمان سے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا۔ ترکان خاتون نے بھی کربوقا وغیرہ اپنے لشکر کے امراء کی سربراہی میں ایک لشکر اسماعیل کے لشکر کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ برکیارق بھی سب حالات سے باخبر تھا اس نے بھی ایک لشکر جمع کیا اور ماموں کے مقابلہ کے لیے نکلا دونوں لشکروں کا سامنا کرج کے مقام پر ہوا، اسماعیل نے بھی برکیارق سے شکست کھائی اور بھاگ کر اصبھان پہنچا ترکان نے اس کی بڑی عزت کی اور خطبے میں اس کا نام بھی شامل کرا دیا اور سکّوں پر محمود کے نام کے نیچے اس کا نام بھی لکھوا دیا لیکن ان کی شادی میں وزراء اور امراء مملکت مانع ہوئے۔ اسماعیل اپنی بہن زبیدہ کے پاس چلا گیا، برکیارق کو معلوم ہوا کہ وہ سازش کے ذریعہ اس کو قتل کروانا چاہتا ہے تو اس نے ماموں کو قتل کرا دیا۔

ترکان نے امیر انز کو نورانشاہ با شاہ فارس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا لیکن نورانشاہ نے انز کو مار بھگایا نورانشاہ کو اس جنگ میں ایک تیر لگا تھا جو اس کے جسم میں ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے صدمہ سے وہ ایک ماہ بعد فوت ہو گیا امیر انز واپس اصبھان پہنچ گیا اسی سال ترکان خاتون تاج الدولہ کو ملنے کے لیے اصبھان سے روانہ ہوئی تاکہ اس کے ساتھ معاہدہ کر کے امداد حاصل کر سکے، راستہ میں ہی بیمار ہو کر واپس اصبھان آگئی ۴۸۷ھ کو فوت ہو گئی۔ اس وقت اس کے بیٹے ملک محمود کے پاس قصبہ اصبھان اور دس ہزار فارسی ترک فوجیوں کے بغیر کچھ نہ تھا، مورخین لکھتے ہیں کہ ترکان خاتون نے اپنی سازشوں و سیسہ کاریوں کے باعث خاندان سلجوقی میں پہلی دفعہ تلوار چلائی اور اس کی لگائی ہوئی آگ سے خاندان

سلجوقی تباہی وبربادی کا شکار ہو گیا۔ سلطان ملک شاہ کی موت کے ساتھ خاندان سلجوقی کا زریں دور اختتام کو پہنچا اور ترکان کی سازشی طبیعت نے خاندان سلجوقی کو تلوار کی دھار کی نذر کر دیا۔

ترکان خاتون نہ تو بادشاہ بنی اور نہ ہی احکام سلطنت پر اس کے دستخط ہوتے تھے۔ نہ ہی کرنسی پر اس کا نام ہوتا تھا یہ سب کچھ اس کے بیٹے محمود کے نام سے ہوتا تھا، درحقیقت سلطان، محمود ہی تھا، لیکن اس کی کم سنی کے باعث اس کی پشت پناہی ترکان خاتون ہی کرتی تھی۔

(اعلام النساء عمر رضا کحالہ ج ۱، ص۱۷۱ بحوالہ تاریخ ابن اثیر، تاریخ ابی الفداء المنتظم لابن الجوزی، الدر المنثور لزینب فواز، تاریخ ابن الوردی، تاریخ ابن العبری، تاریخ اسلام الدکتور حسن ابراہیم جلد ۴ ص ۲۹/۳۲، ۳۳ / ۳۷، ۳۸، ۳۹۔ طبقات ناصری جلد ۱ ص۲۶۲)

رضیہ سلطانہ

سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ عقل و فہم، حسنِ تدبیر و سیاست میں اپنے دور کے بہترین مردوں کا جواب تھی، سلطان نے اپنی زندگی میں اس کی قابلیت اور بیٹوں کی نالائقی اور عیاشی کے باعث ولیعہدی کی دستاویز اسی کے حق میں لکھ دی تھی لیکن سلطان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ تخت نشین ہوا، اس کی عیاشی اور نالائقی کے باعث نظام الملک اور اعزاز الدین اس کے مخالف ہو گئے انہوں نے رضیہ سلطانہ کو تخت پر بٹھا

دیا رکن الدین لاہور میں تھا یہ خبر سن کر وہ دہلی روانہ ہوا، رضیہ نے بھائی کے مقابلے کے لئے لشکر بھیجا، رکن الدین کو شکست ہوئی اور اسے قید کر لیا گیا ایک قلعہ میں عالم اسیری میں اس نے وفات پائی۔ رضیہ والد کے اصولوں کے مطابق کامیابی سے حکومت چلاتی رہی، لیکن کچھ مدت بعد نظام الملک محمد جنیدی، علاؤالدین شبیر خانی، ملک سیف الدین کوچی وغیرہ نے بغاوت کی اور دہلی کو محاصرے میں لے لیا، کچھ عرصے تک دہلی محصور رہا۔ رضیہ سلطانہ نے انتہائی دانشمندی سے مخالف امراء کے درمیان پھوٹ ڈالی اور انہیں ایک ایک کر کے قتل کرا دیا۔ اعزالدین کو رضیہ نے لاہور کا حاکم مقرر کیا لیکن کچھ عرصہ بعد امیر اخور یاقوت حبشی رضیہ سلطانہ کے اتنا قریب ہو گیا کہ وہ رضیہ کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے گھوڑے پر سوار کرتا تھا۔ رضیہ نے یاقوت کو امیر الامراء کا خطاب دے کر سب سے بلند مرتبہ دے دیا تھا۔ یاقوت کا یہ اقتدار دربار کے امراء کو پسند نہ آیا اور وہ اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ اس طرح رضیہ سلطانہ کے اقبال کا ستارہ تاریکی کی لپیٹ میں آ گیا۔ لاہور کے حاکم اعزالدین نے ۶۳۶ھ میں علم بغاوت بلند کیا، رضیہ نے اس پر فوج کشی کی لیکن اس نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی رضیہ نے خوش ہو کر لاہور کے ساتھ ملتان کی حکومت بھی اس کے حوالہ کر دی اُسی سال بھٹنڈہ کے حاکم التونیہ نے یاقوت حبشی سے تنگ آ کر علم بغاوت بلند کیا رضیہ نے بھٹنڈہ پر حملہ کر دیا شاہی فوج ابھی راستے میں تھی کہ ترکی امراء نے اس پر چھاپہ مارا یاقوت حبشی قتل ہو گیا رضیہ کو شکست دے کر قیدی بنا لیا گیا اور اسے بھٹنڈہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا اس دوران باغی امراء نے رضیہ کے بھائی معزالدین بہرام شاہ کو دہلی کی حکومت کا سلطان بنا دیا۔ رضیہ نے قید میں ہی ملک التونیہ سے شادی کر لی

اور قید سے آزاد ہو گئی۔ ملک التونیہ اور رضیہ نے باہمی صلاح و مشورے سے
ککروں، جاٹوں اور زمینداروں کا ایک لشکر جمع کر کے دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہرام
شاہ نے مقابلہ کے لئے اعز الدین بلبن کی سربراہی میں فوج روانہ کی راستے میں
ہی دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو گیا، زبردست جنگ کے بعد رضیہ نے شکست
کھائی اور وہ میدان سے بھاگ کر بھٹنڈے میں جا پناہ گزیں ہوئی۔ لیکن اس
کی اقتدار پسند طبیعت نے اسے چین سے بیٹھنے نہ دیا پھر فوج جمع کر کے دہلی
پر حملہ کیا اور بلبن کے ہاتھوں پھر شکست سے دوچار ہوئی، رضیہ اور ملک التونیہ
میدان جنگ سے بھاگ نکلے، لیکن ان کو چند زمینداروں نے گرفتار کر لیا، باختلاف
روایات یا تو ان زمینداروں نے میاں بیوی کو قتل کر دیا، یا بہرام شاہ کے سامنے
لائے گئے جس نے ان کے قتل کا حکم دیکر انہیں قتل کرا دیا۔ تاریخ فرشتہ کے
مصنف نے اس باب کے اختتامی کلمات یہ لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

رضیہ نے تین سال چھ دن تک حکومت کی، رضیہ کے زوال کے اسباب
پر زیادہ غور کی ضرورت نہیں، ہر صاحب عقل شخص بڑی آسانی سے اس کا پتہ
چلا سکتا ہے۔ تھوڑے بہت غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یاقوت حبشی
کا حد سے بڑھا ہوا اقتدار و اختیار ہی رضیہ کے زوال کا اصل سبب تھا۔ یہ پوری
طرح واضح ہے کہ ایک حبشی دہلی کا امیر الامراء ہونے کا کیا حق رکھتا ہے؟ ایک
ادنیٰ شخص کا ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت سے خاص تعلقات
رکھنے کے کیا معنی ہیں؟ رضیہ سلطانہ ۲۵ ربیع الاول ۶۳۷ھ کو قتل کی گئی۔

(تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲۵۹ تا ۲۶۲، طبقات ناصری ج ۱ ص ۴۵۷ تا ۴۶۲.
اعلام النساء ج ۱ ص ۴۴۸ تا ۴۵۱، بحوالہ رحلۃ ابن بطوطہ، مجلۃ المقتطف مجلد ۵۷
مشاہیر النساء، مرکز المرأۃ فی الاسلام، الدر المنثور)

یہ چند حکمران خواتین کے احوال اختصار سے معتبر کتب تاریخ سے نقل کر دیئے گئے ہیں اس طرح حق کے متلاشی ان میں غور و فکر کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ شریعت مطہرہ سے روگردانی اور بغاوت کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں ہم اس باب کو بلا تبصرہ قارئین کے لیے چھوڑ رہے ہیں تاکہ وہ آزادانہ طور پر خود فیصلہ کر سکیں کہ سید الکونین رسول اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی منکرین کیسی عورتیں تھیں اور اس دنیا میں بھی ان کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

یہ عورتوں کی حکمرانی کی سادہ سی تاریخ تھی جس کو پیش کر کے حدیث پاک اور احکام شریعت جھٹلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

نظریہ ضرورت کی بحث میں غلط حوالوں کی بھرمار

نظریہ ضرورت کی بحث بھی عجیب انداز میں ذکر کی گئی ہے اور اس میں بہت سارے لوگ شامل ہیں۔ لیکن طارق کو یہ خصوصیت حاصل ہوتی کہ اس نے غلط حوالوں کی سنچری مکمل کرنے کے لیے اپنی کتاب میں اس عنوان کے تحت غلط حوالوں کی بھرمار کردی ہے۔ اور شرم وحیا نام کی چیزوں کو پس پشت بھی نہیں ڈالا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شرم وحیا، صداقت اور دیانت نام کی چیز دل سے کبھی اس کو واسطہ ہی نہیں پڑا۔

نظریہ ضرورت

نظریہ ضرورت کی بنیادی دلیل یہ ارشادِ ربانی ہے " فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ " (سورۃ بقرہ ۱۷۳)۔ ترجمہ: لیکن جو مجبور ہو جائے درآنحالیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدرِ ضرورت کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں۔ مضطر وہ ہوگا جس کو بھوک سے موت کا یقین ہو جائے۔ ایسی حالت میں اس کے لیے مُردار اور حرام کھانا جائز ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی تفسیر روح المعانی جزء ۲ صفحہ ۴۲ پر اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں کہ مضطر کے لیے حرام کھانا اتنا ہی جائز ہے جس سے اس کی زندگی بچ سکے۔ اکثر ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر مضطر نے اس مقدار سے جس سے اس کی زندگی بچ سکتی ہے زیادہ کھایا تو وہ حرام ہے۔ یونہی حرام چیز کی حرمت باقی رہتی ہے۔ لیکن مضطر سے اسکے ارتکاب کا گناہ ساقط کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی دلیل اثم کو علیہ سے مقید کرنے سے واضح ہے۔ طارق نے " الضرورات تبیح المحظورات " کا قاعدہ ذکر کرنے کے بعد

اس کی خانہ زاد تشریح یوں کی ہے :

"ضرورت حرام کو حلال بنانے کی اتھارٹی رکھتی ہے۔ اس طرح اگر عورت کی سربراہی حرام تصوّر کر لی جائے تو بھی معروضی حالات اس حرام کو حلال بنا سکتے ہیں۔ اور پھر یہ حلال حقیقت میں بھی حلال ہوگا"

آپ علامہ آلوسی کا نقل کردہ قول پڑھ چکے ہیں کہ حرام حرام ہی رہے گا صرف مضطر کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ اُسے کھا سکتا ہے۔ اور وہ بھی اتنا کہ جس سے اس کی زندگی کا ناطہ باقی رہے۔ خواہ امام مالک وغیرہ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ وہ سیر ہو کر کھا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی حلّت کا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ اور آیتِ کریمہ میں فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ سے یہی صورت بالکل واضح ہو رہی ہے کہ مضطر پر حرام کھا لینے کا گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ کہ وہ حرام حلال ہو جائے قطعاً عقل و نقل کے خلاف اور صریح البطلان ہے۔

اس تمہیدی اور بنیادی قاعدہ کو بیان کرنے کے بعد یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نظریۂ ضرورت اس احتیاجی کا نام ہے جو انسان کی قوت و طاقت سے بالکل خارج ہو۔ حالتِ اضطراری وہ انتہائی مجبوری ہے جس کا کوئی اور حل نہ ہو۔

عورت کی امارت کے متعلق نظریۂ ضرورت پہلے ادوار میں بھی کبھی متحقق نہ ہوا۔ اور بالخصوص آج کے دور میں تو کسی ملک میں بھی رو بہ عمل نہیں ہو سکتا۔ عورت کی امارت کی صورت میں اضطراری کیفیت تب ہی ممکن ہے کہ جب کسی ملک میں مَردوں کا وجود ہی نہ رہے یا سارے کے سارے ایسے مرد ہوں جن میں امارت کی صلاحیت نہ ہو۔ کسی بھی صاحبِ عقل پر یہ مخفی نہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ پورے ملک میں کوئی بھی مرد ایسا نہ رہے جو امارت کی ذمّہ داریاں انجام دے سکتا ہو اور خصوصاً ایسے ملکوں میں جہاں لاکھوں یا کروڑوں کی تعداد میں مرد رہتے ہوں اور پھر

اس صورت میں جبکہ بحث امارت کی شرعی حیثیت سے کی جارہی ہے، شریعتِ مطہرہ کو جاننے والے مرد کس ملک میں نہیں ہیں۔ اتنے پایہ کے علماء کے ہوتے ہوتے جو لوگ نظریہ ضرورت کی بات کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کو طشت ازبام کر رہے ہیں آج اور ماضی میں بھی جس نے نظریہ ضرورت کی آڑلی محض وہ شریعتِ مطہرہ کے ایک ایسے قانون سے مذاق کرنے اور اپنی حیلہ ساز طبیعت کو اطمینان دینے کی ناپاک سازش تھی۔ جو محض ایسے حالات میں امت کی پریشانی زائل کرنے کے لیے نازل ہوا اور یا ائمہ کرام نے اُسے قضا اور امارت تک وسعت دی جبکہ امت پر کوئی ایسی افتاد پڑ جائے کہ وہاں مردوں کا نام ونشان باقی نہ رہے یا چند ایسے ان پڑھ یا بے کار مرد باقی رہ جائیں کہ وہ نہ تو قضا کی صلاحیت رکھتے ہوں اور نہ امارت کی، تو ایسی صورت میں اگر کوئی ایسی عورت ہے جو زیورِ علم سے آراستہ ہے تو اس کے علم سے استفادہ انتہائی مجبوری بن جائے گا۔ اور جب تک ایسی مجبوری اور حالات قائم رہتے ہیں اس کی علمی صلاحیتوں سے استفادہ جائز ہوگا۔

لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ آج تک کبھی ایسے حالات کسی اسلامی ملک میں رونما ہوئے ہیں؟ ہرگز نہیں ہوتے سب سے اندوہناک مثالیں تو سقوطِ بخارا وتاشقند، قازقستان، داغستان کی ہیں لیکن وہاں بھی ایسی صورت رونما نہیں ہوئی۔ ایسی ضروری اور انتہائی مجبوری کے قواعد وقوانین کا کتاب اللہ میں بیان ہونا اسلام کا اعجاز اور قانونِ الٰہی کی خوبی ہے۔ کہ جس نے ایسے مسائل کو بھی نہ چھوڑا جو ممکن الوقوع ہوں تاکہ کتابِ الٰہی نادر سے نادر حالات اور مسائل سے بھی خالی نہ ہو اور ائمہ نے بھی اسی کی وضاحت میں یہ سب کچھ لکھا ہے۔ لیکن اس کو خواہ مخواہ بہانہ بنالینا اور ہر مقام پر اپنی مکروہ اور لالچی طبیعت اور ناقص ضمیر کی گھٹیا خواہشات کی تکمیل کے لیے ایسے قوانین کا بلاجواز استعمال پرلے درجے کی بے دینی اور دین میں افراط وتفریط

اور بے جا تصرّف ہے۔

یاد رہے کہ ایسے قواعد و قوانین خصوصی حالات کے لیے وضع کئے گئے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر خصوصی رحم فرمایا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ لاحق ہو جاتے تو اس صورت میں انسانی جان بچانے کے لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے قانون میں نرمی فرمائی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی مہربانی کو سازشوں، مکاریوں اور تجوریاں بھرنے کا ذریعہ بنا کر، مشیتِ الٰہی کا مذاق اڑا کر سرکشی اور تمرّد کا اظہار کیا جاتے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

شیخ الاسلام علامہ خیرالدین رملی کی عبارت جو درحقیقت ہمارے مدعا کی واضح دلیل ہے اس کو طارق نے اپنے حق میں استعمال کرنے کی انتہائی مذموم جسارت کی ہے علامہ فرماتے ہیں، "ولو ابتلی الناس بولایۃ امرأۃ نفذ القضاء للضرورۃ" اگر لوگ عورت کی امارت میں مبتلا ہو جائیں تو اس کے فیصلے بوجہ ضرورت نافذ ہونگے ایک ہے عورت کو حاکم بنانا اور دوسری صورت ہے عورت کا منصب امامت پر مسلط ہو جانا۔ پہلی صورت کسیطرح جائز نہیں کہ مسلمان کسی عورت کو اپنا حاکم بنالیں کیونکہ اس صورت میں وہ سخت گناہ کے مرتکب ہونگے اور یہ ابتلاء بھی نہیں ہے۔

دوسری صورت عورت کا کسی طرح عوام پر مسلّط ہو جانا ابتلاء اور آزمائش ہو گی۔ چونکہ اس صورت میں عوام کی مرضی کے خلاف طاقت یا کسی اور ذریعے سے عورت ان پر حاکم بن جائے گی۔ جس کا اتارنا بھی ان کے اختیار میں نہ ہو گا تو اس صورت میں بوجہ مجبوری و ضرورت اس کے احکام نافذ ہوں گے لیکن یاد رہے کہ یہ بھی رخصت کی صورت ہے عزیمت کی صورت نہیں ہے۔

علامہ رملی نے ابتلیٰ کا لفظ استعمال کر کے عورت کی امارت کے عدم جواز

کی وضاحت کر دی۔ کیونکہ اگر وہ عورت کی سربراہی کے جواز کے قائل ہوتے تو عورت کی سربراہی کو ابتلاء سے تعبیر نہ کرتے اور یہ نہ فرماتے کہ اگر لوگ عورت کی سربراہی میں مبتلا ہو جائیں، کیونکہ آفت اور بلا میں گھرے ہوئے شخص کو مبتلا کہا جاتا ہے۔ گویا امام رملی کے نزدیک عورت کی سربراہی آفت اور بلا ہے جس میں عوام گھر جائیں تو اس کے احکام کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو گا۔ لہٰذا نظریۂ ضرورت کے ماتحت بصورت سخت مجبوری اس کے احکام نافذ ہوں گے۔

اس عبارت کا غلط ترجمہ کر کے اور غلط نتیجہ اخذ کر کے طارق نے بدنیتی کا برملا اظہار کر دیا ہے۔ اس عبارت کا طارق نے جو ترجمہ کیا ہے ملاحظہ فرمایئے اور اس کی دیانت کی داد دیجئے:

"عورت کا سربراہِ مملکت بنایا جانا اگر "ناگزیر" بن جائے تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ نظریۂ ضرورت کی رو سے وہ سربراہِ مملکت بھی بن سکتی ہے اور اسکے فیصلے بھی نافذ ہو سکیں گے۔"

(عورت اور مسئلۂ امارت ص۵۷)

ارباب علم و دانش کے لیے یہ ترجمہ یا مفہوم یقیناً دلچسپی کا باعث بنے گا اور ان کے لیے طارق کا اس سے بہترین تعارف اور کیا ہو سکے گا۔ لیکن اس سے آگے جو اس نے ذاتی رائے تحریر کی ہے وہ اس سے بھی عجیب ہے ملاحظہ ہو:

"یعنی عورت جب سربراہ بننے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے ہر حکم کی تعمیل از روئے شریعت واجب ہو گی۔ کیونکہ اسی نظریۂ ضرورت کی بابت فقہاء حضرات کا متفقہ موقف ہے کہ "الضرورۃ تبیح المحظورات" ضرورت حرام کو حلال بنانے کی اتھارٹی رکھتی ہے۔"

یہ تھا طارق کا علمی کارنامہ۔ حالانکہ شرعی حکم یہ ہے کہ نااہل اگر منصب امامت

پر قابض ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اسے اس منصب سے اتارنے کی سخت جدوجہد کریں۔ اور جب تک وہ شرعی خلاف ورزی کو ختم نہیں کر دیتے چین سے نہ بیٹھیں۔ اور ایسا کرنا ان پر لازم ہے کیونکہ نااہل کی امارت کے باعث بے شمار احکام الٰہی، فرائض و واجبات متروک ہو جائیں گے۔ اسلامی ملک اور رعایا کے مفادات اور جان و مال کے تحفظ کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اس کو ہم تفصیل سے شرائطِ امامت میں بیان کر چکے ہیں۔ سیدنا امام حسین کی جدوجہد نااہل کو عہدۂ امارت سے علیحدہ کرنے کیلیے واضح دلیل ہے۔

ردالمحتار کا غلط حوالہ

طارق نے علامہ محمد امین شامی کی شہرۂ آفاق کتاب (ردالمحتار علی درالمختار) کا صرف غلط حوالہ ہی نہیں دیا بلکہ علامہ شامی نے جو کچھ لکھا ہے انکے نام سے منسوب کر کے طارق نے اس کے بالکل برعکس لکھا ہے پہلے طارق کی عبارت ملاحظہ ہو:

"دیگر معاملات کیطرح قصاص و تعزیرات میں عورت کے فیصلے نافذ تو ہوں گے لیکن عورت سے اس قسم کے فیصلے حاصل کرنے والے شرعاً خطا کار ہوں گے۔ چنانچہ علامہ محمد ابن عابدین (صفحہ ۱۸۳۰م) "درالمختار" کی شہرۂ آفاق تشریح "ردالمحتار" (طبع مصر جلد ۴ صـ ۳۹۵ میں ایسی ہی وضاحت ہے)" (عورت اور مسئلہ امارت صـ ۵۷)

طارق کی عبارت نقل کرنے کے بعد اصل عبارات نقل کیجاتی ہیں۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ ہو: (والمرأۃ تقضی فی غیر حد وقود وان اثم المولی لها) لخبر البخاری لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأۃ" ، عورت کی قضا حد اور قصاص کے علاوہ میں قبول ہو گی۔ لیکن عورت کو اس منصب پر مقرر کرنے والا ادارا سے یہ اختیار

دینے والا گناہ گار ہوگا۔ اس کی وجہ بخاری شریف کی حدیث پاک لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ " ہے۔

اسی کی تشریح میں علامہ شامی یوں رقمطراز ہیں (قولہ فی غیر حد وقود) لانہا لاتصلح الشھادۃ فیھما لا تصلح حاکمۃ" (رد المحتار جلد ۴ ص ۲۹۵)

کیونکہ عورت حدود اور قصاص میں شہادت کی صلاحیت نہیں رکھتی اسلئے وہ ان میں قاضی بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھے گی "۔ قارئین! آپ اندازہ فرمائیں کہ ردالمحتار کا حوالہ دے کر طارق صاحب لکھ رہے ہیں کہ قصاص وتعزیرات میں، حالانکہ کتاب میں "فی غیر حد وقود" یعنی حدود وقصاص لکھا ہوا ہے۔

۲۔ حدود کو چھوڑ کر قصاص اور تعزیرات لکھ کر طارق نے روایتی فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ تاکہ حدود اور قصاص، قصاص اور تعزیرات، اسطرح متنازعہ اور غیر متنازعہ کو گڈمڈ کر کے سارے معاملہ کو ہی خلط ملط کر کے مقصد حاصل کر سکے۔

۳۔ جیسا کہ علامہ شامی کی کتاب سے واضح ہوا کہ انہوں نے متقدمین احناف کے نظریہ سے ایک انچ بھی آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ واضح لکھا ہے کہ عورت حدود وقصاص میں شہادت کی صلاحیت نہیں رکھتی لہٰذا ان معاملات میں وہ قضا کی صلاحیت بھی نہیں رکھے گی اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ طارق نے علامہ شامی پر بہتان لگانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

۴۔ طارق صاحب لکھتے ہیں کہ عورت کی قصاص اور تعزیرات میں قضا نافذ ہوگی لیکن فیصلہ لینے والے گنہگار ہوں گے۔ حالانکہ تنویر الابصار کی عبارت سے عیاں ہے کہ اُسے منصب قضا پر مقرر کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔ الغرض یہ قول ایسی قضا کے متعلق ہے جو حدود وقصاص کے علاوہ ہو۔ زیر بحث

عورت کی قضاء حدود و قصاص کے علاوہ معاملات میں ہے کیونکہ وہ معاملہ شک وارتیاب سے بالا ہے۔ اس کے علاوہ معاملات میں عورت کو قاضی مقرر کرنے والے گناہ گار ہوں گے اور یہی احناف کا اس مسئلہ میں نقطۂ نظر ہے۔ امید ہے آپکو طارق صاحب کی دیانت کا حال معلوم ہو چکا ہوگا کہ وہ کسطرح علماء اور ائمہ کا نام استعمال کر کے ان کی عبارتوں اور خیالات کے بالکل برعکس اور منافی اپنے خیالات لکھ کر اور اپنے خیالات کو ان کی طرف منسوب کر کے عوام النّاس کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جرأت کی حد یہ ہے کہ پھر انہی حضرات کی کتابوں کے حوالے بھی درج کرتا ہے۔

بدایۃ المجتہد کی عبارت کا غلط مفہوم

طارق صاحب نے بدایۃ المجتہد کی عبارت نقل کر کے اسکا بالکل غلط اور من گھڑت مفہوم بیان کیا ہے اس سلسلہ میں پہلے طارق کی عبارت ملاحظہ ہو:

"امام تفسیر و تاریخ محمد بن جریر طبری (۹۲۳م) کی غیر مشروط رائے کو نقل کرتے ہوئے فیلسوفِ اسلام علامہ ابن رشد اندلسی (۱۱۹۸م) لکھتے ہیں۔ قال الطبری یجوز ان تکون المرأۃ حاکمۃ علی الاطلاق فی کل شیئ۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ عورت سربراہ مملکت کے تمام عہدوں (کل شیئ) پر علی الاطلاق کنٹرول حاصل کر کے حاکم و فرمانروا بن سکتی ہے شرعاً کوئی وجہ مانع نہیں ہے (بدایۃ المجتہد، طبع مصر جلد ۲ صـ۴۴۹۔ احکام القرآن للجصاص طبع مراکش جلد ۲ ص ۱۲۶ فتح الباری طبع مصر جلد ۸ صـ۹۷)"

بدایۃ المجتہد کے علاوہ احکام القرآن اور فتح الباری میں ہمیں یہ عبارت

نہ مل سکی جیسے طارق نے حوالے دیئے ہیں۔ اگر بالفرض ان دو کتابوں میں یہی عبارت ہو بھی تو اس کا یہی جواب ہوگا جو بدایۃ المجتہد کی عبارت کا دیا جا رہا ہے یہ علامہ ابن رشد نے اپنی کتاب کے اس باب میں تحریر فرمائی ہے جس کا عنوان یہ ہے "الباب الاوّل فی معرفۃ من یجوز قضاءہ" باب اول اس کے پہچاننے میں جس کی قضاء جائز ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں "والنظر فی ھذا الباب فیمن یجوز قضاؤہ وفیما یکون بہ افضل" اس باب میں یہ دیکھنا ہے کہ کس کی قضاء جائز ہے اور کس کی افضل ہے "فاما الصفات المشترکۃ فی الجواز فان یکون حرًا، مسلمًا، بالغًا، ذکرًا، عاقلًا، عدلًا"، قضاء کیلئے شرائطِ جواز یہ ہیں کہ آزاد ہو، مسلمان ہو، بالغ ہو، مرد ہو، عاقل ہو اور عادل ہو۔

ان شرائط پر بحث کرتے ہوئے مذکر کی شرط کے متعلق لکھتے ہیں "وکذلک اختلفوا فی اشتراط الذکورۃ" اسطرح ائمہ نے مذکر ہونے کی شرط میں بھی اختلاف کیا ہے "فقال الجمہور: ھی شرط فی صحۃ الحکم" جمہور نے کہا ذکوریت قضا کی صحت کے لیے شرط ہے "وقال ابوحنیفۃ: یجوز ان تکون المرآۃ قاضیًا فی الاموال" امام اعظم نے فرمایا کہ عورت اموال کے معاملات میں قاضی بن سکتی ہے (اسکے علاوہ میں نہیں) "قال الطبری یجوز ان تکون المرأۃ حاکمًا علی الاطلاق فی کل شیٔ" امام طبری نے فرمایا کہ عورت کی قضا علی الاطلاق ہر چیز میں جائز ہے۔

اتنی طویل عبارت نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ قارئین کے سامنے صحیح صورت حال رکھ دی جائے کہ یہاں بحث ہی قضاء کی ہے لہذا امام طبری کا قول بھی قضاء کے باب میں نقل کرنے سے یہ واضح ہو گیا کہ یہاں حاکم سے مراد قاضی ہے۔ اور امام طبری عورت کی قضاء ہر معاملہ میں مطلقاً صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں نہ تو امامت کبریٰ کی بحث ہے اور نہ ہی اس کے متعلق ائمہ کے اقوال نقل کیئے گئے ہیں۔ لہذا

طارق کا اس عبارت سے یہ مفہوم نکالنا کہ امام طبری فرماتے ہیں کہ عورت مملکت کے تمام عہدوں پر علی الاطلاق کنٹرول حاصل کر کے حاکم و فرمانروا بن سکتی ہے مقتضیٰ سیاق و سباق اور عربی کے قواعد و قوانین کے سراسر خلاف ہے۔ اور یہاں ہرگز علامہ ابن رشد نے ملکی سربراہی کے متعلق امام طبری کا یہ قول نقل نہیں کیا جس کی دلیل علامہ ابن رشد کا یہ قول ہے "فمن ردّ قضاء المرأة شبهة بقضاء الامامة الکبریٰ" پس جس شخص نے عورت کی قضا کو رد کیا ہے، وہ قضاء امامتِ کبریٰ کی مشابہت کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ یعنی جیسے عورت کا امامتِ کبریٰ پر فائز ہونا ناجائز ہے یونہی عہدہ قضاء پر بھی اس کا متعین ہونا جائز نہیں ہوگا۔ تو علامہ ابن رشد کے اس قول سے بالکل واضح ہو رہا ہے کہ علامہ ابن رشد نے علامہ طبری کا جو قول یہاں نقل کیا ہے اس کا امامتِ کبریٰ سے تعلق نہیں ہے بلکہ قضاء سے تعلق ہے۔ چونکہ عورت کی قضاء کے ردّ و اثبات میں کلام ہو رہا ہے اس سے امامتِ کبریٰ کا نتیجہ نکالنا اور مراد لینا بدترین علمی خیانت اور دماغی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔ حالانکہ علامہ طبری اور امام ثوری کا امارة المرأة میں شذوذ کوئی مخفی راز نہ تھا جس کے لیے طارق نے بلاوجہ عبارت میں خائنانہ تصرف کر کے تحریف کا ارتکاب کیا۔

شوافع کے نزدیک بھی عورت قاضی نہیں بن سکتی

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عہدۂ قضاء کے لیے عورت کو نااہل قرار دیا ہے ملاحظہ ہو: "وقد اشترط الشافعیة کونه اهلاً للشهادة بان یکون مسلماً مکلفاً حراً ذکراً عدلاً سمیعاً بصیراً ناطقاً کافیاً یامر القضاء فلا یولاه کافر وصبی ومجنون ومن به رق وانثیٰ وخنثیٰ الیٰ اٰخره (ارشاد الساری)

شرح صحیح البخاری جلد ۱۰ ص۲۳۲)

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ قاضی کے لیے شافعیوں نے شہادت کی اہلیت کو معیار قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے۔ مسلم ہو، عاقل بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عادل ہو، سننے دیکھنے اور بولنے والا ہو۔ قضار کے معاملہ کے لیے صاحب کفایت ہو۔ کافر بچے، مجنون، غلام، عورت اور خنثیٰ قاضی بننے کے اہل نہیں ہیں۔

عورت نبی بن سکتی ہے لیکن رسول نہیں بن سکتی

علامہ محمد امین شامی رحمۃ اللہ علیہ (ردالمحتار علیٰ درالمختار جلد ۴ ص۳۹۶) پر تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ کمال نے اپنے رسالہ مسایرہ میں یہ مذہب مختار ذکر کیا ہے کہ عورت کا نبی ہونا جائز ہے لیکن رسول ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ عورت کے حال کی بنیاد پردہ پر ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں رسول مردوں کے ساتھ میل جول کا محتاج ہے کیونکہ اس کے بغیر تعلیم و تبلیغ ممکن نہیں۔ اور تعلیم و تبلیغ کے فرائض مرد ہی انجام دے سکتے ہیں عورت کو اس کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اسطرح اسکا پردہ باقی نہیں رہ سکتا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ علامہ کمال نے عورت کی نبوت کے جواز کا جو قول کیا ہے وہ وقوع پر دلالت نہیں کرتا۔ یعنی عورت کا نبی بننا جائز تو ہے لیکن آج تک کوئی عورت نبوت کے مقام تک نہیں پہنچی۔

بدء الامالی میں اس خیال کی یوں تردید کی گئی ہے (وما کانت نبیاً قط انثی) یعنی عورت ہرگز نبی نہیں بنی۔ اور جب پہلے کبھی کوئی عورت نبوت کے مقام پر فائز نہیں ہوئی تو رسالت مآب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تو نبوت و رسالت کا دروازہ ہی بند ہو گیا لہذا اب کیا امکان ہے کہ عورت مقام نبوت پر فائز ہو۔ حضرت مریم کے متعلق نبوت کا قول کرنے والے غلطی میں مبتلا ہیں۔ ائمہ علم کلام و فقہ

نے تسلیم کیا ہے کہ عورت کے لیے نبوت کے جواز کے باوجود کوئی بھی خاتون نبی نہیں بن سکی۔

وضاحت: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کی نبوت کے جواز کا ائمہ نے قول کیا ہے اور رسالت کے عدم جواز کا۔ تو ان میں فرق کیا ہے۔؟

جواب: نبوت اور رسالت کے فرائض منصبی میں فرق ہے۔ اور وہی فرق وجہ جواز و عدم جواز قرار دیا گیا۔ نبی کے لیے تعلیم و تبلیغ ضروری نہیں ہے، جبکہ رسول کے لیے تعلیم و تبلیغ ضروری ہے۔ تعلیم و تبلیغ کی صورت میں عورت کا پردہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لیے رسالت کا مرتبہ عورت کو حاصل ہونا جائز نہیں کیونکہ اسطرح مردوں کے ساتھ اختلاط لازم ہو جائے گا۔ جو بناؤ سنگھار کے ساتھ ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اس کے علاوہ حرام ہے۔ چونکہ نبی کے فرائض منصبی میں تعلیم و تبلیغ نہیں اس لیے عورت کی نبوت کو جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس سے بے حجابی لازم نہیں آتی اور شریعت کی مخالفت نہیں ہوتی۔ عورت نبیہ ہو کر بھی چونکہ ستر برقرار رکھ سکتی ہے اس لیے اس کی نبوت میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن بایں ہمہ دینی بصیرت سے حظ وافر پانے والوں پر یہ حکمتِ صمدیہ مخفی نہیں ہوگی کہ خلق سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کیوں عطا نہ کی۔ آخر ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ مردوں کو نبوت عطا ہوئی۔ لیکن انمیں ایک نام بھی کسی خاتون کا نہیں آتا۔ عورتیں تعداد کے اعتبار سے ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہی ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اسی تناسب سے باسٹھ ہزار سے زائد عورتیں نبی ہوتیں لیکن ایسا کیوں نہ ہوا۔ کیا علم و عرفان کے مدعیوں سے اس استفسار کی اجازت ہوگی۔؟

مردوں کو ظالم کہنے والے کیا یہ جواب دینا پسند کریں گے، عورت کے سماجی

معاشی اور معاشرتی حقوق کے نام پر صحابہ کرام، تابعین، ائمہ، محدثین، مفسرین، فقہاء پر زبان طعن دراز کرنے والے کیا یہ بتانے کی مجال رکھتے ہیں کہ عورتوں کو اگر منصب امارت پر مردوں کے ظلم اور استحصال نے نہ پہنچنے دیا تو مقام نبوت کے حصول میں بھی کیا مردوں کا جبر مانع بنا۔ کیا عطاء نبوت میں بھی مردوں کا عمل دخل ممکن ہے۔؟
ـــــ اور اگر نہیں ـــــ اور ہرگز نہیں تو معاذ اللہ خلاق عالم، صانع علم و حکمت خبیر و بصیر سمیع و علیم رب وحدہٗ لاشریک جس کا ہر فیصلہ ہر حکم عین عدل ہوتا ہے۔
......عورت کی سربراہی کا جواز ثابت کرنے کیلئے سر پھوڑنے اور گریبان چاک کرنے والے نبوت سے عورت کو محروم رکھنے پر اللہ العٰلمین کے متعلق کیا کہیں گے؟ اور نبوت سے عورت کو محروم رکھنے پر غیظ و غضب کا نشانہ کس کو بنائیں گے؟ دنیا کے لیے دین کی تباہی کرنے والو! اسرار اور رموز الٰہی کو سمجھو دنیاوی زندگی اور نعمتیں قلیل ہیں ـــــ

سورۃ تکاثر کے قطب نما پر اپنے عمل کا قبلہ درست کرو، انسانی فہم و ادراک خالق کے فیصلوں کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ منشائے الٰہی کے سامنے ذاتی خواہشات اور انانیت کے بت خانوں کو ریزہ ریزہ کرنا ہوگا۔ ذاتی قبول و عدم قبول پسند و ناپسند دھڑے بندی اور پارٹی بازی کے لات و منات کو فنا کے گھاٹ اتارنا ہوگا۔ مسلمان بلا کر اس لفظ کی معنوی گہرائیوں اور لغوی خوبیوں سے ناواقفی ختم کرنی ہوگی۔ جب اللہ تعالےٰ نے ہی نبوت و رسالت سے عورت کو محروم رکھا اور امامت و امارت کے دروازے اس پر بند کیے تو اس میں احکم الحاکمین کی حکمت پنہاں ہے اور وہ علیم و دانا سب سے بہتر جانتا ہے ـــ ڈرو اس دن سے جس دن جبار و قہار رب کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ [illegible] کرو اور اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کرو۔

احکام سلطانیہ اور الموافقات کی عبارتوں کی غلط تشریح

طارق نے من مانی تشریحات کو اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔ اور اس مکروہ کاروائی پر اس کے مُردہ ضمیر میں ہلکی سی کسک بھی پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ محمد بدرالدین اور امام ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ کے بیان کردہ قواعد کے ساتھ اس نے جو ظلم روا رکھا ہے اس کو سمجھنے کے لیے طارق کی عبارت ملاحظہ ہو:

"اجلہ احناف میں کرخی محمد بدرالدین (۱۵۷۸ء) ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ ایک مسئلہ جس کے مختلف پہلو ہوں۔ اور عام طور پر ایسے پہلو پر عمل ہو رہا ہو جو سوسائٹی مفاد کے خلاف ہے تو اسے چھوڑ کر تصویر کے ایسے رخ پر عمل کرنا ہوگا جو سوسائٹی کے مفاد کے مطابق ہو۔"

(بحوالہ احکام السلطانیہ آمدی طبع قاہرہ جلد ۴/ ۲۱۲)۔ امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ غرناطی (۱۳۸۸ء) نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے (ملاحظہ ہو الموافقات طبع مصر ۱۳۴۱ھ) جلد ۲/۲/۹ تا ۱۳) اسلام کی یہ قانون ساز شخصیتیں کسی بھی دور کے معروضی حالات کو ملحوظ رکھ کر بسا اوقات طے شدہ مسائل کو بھی قابلِ ترمیم سمجھتی اور سوسائٹی مفاد کے حق میں واضح موقف رکھتی تھیں۔ ان پر نہ تو جمود طاری تھا اور نہ اسلام کے "حرکی" عمل سے نہیں انکار تھا۔ ایسے میں انکی عورت کی سربراہی کی بابت فیصلے کو مسترد کرنا آسان نہیں ہے۔"

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۷۶، ۷۷)

طارق کی تحقیقی عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ علامہ بدرالدین اور امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ کی طرف منسوب قاعدہ اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے بالکل

واضح ہو رہا ہے کہ ایسا مسئلہ جس کے کئی رخ ہوں یعنی جواز کی متعدد صورتیں ہوں اور ان میں سے ایک ایسی صورت پہ عمل جاری ہے جو سوسائٹی کے مفاد کیخلاف ہے لوگ اسے پسند نہیں کرتے یا اس سے کچھ لوگوں کی طبیعت میں تکدر رونما ہو رہا ہے تو ایسے حالات میں اس مسئلہ کی دوسری صورت پر عمل کیا جائے۔ جو لوگوں کی طبع کے مطابق ہو اور لوگ اُسے پسند کرتے ہوں یا اس سے مانوس ہوں۔ اسطرح وہ ذہنی پراگندگی سے محفوظ رہیں گے اور بلا وجہ نفرت کی فصل کاشت نہ ہو گی۔ لیکن یہ متذکرہ عبارات سے صراحتہً واضح ہو رہا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کی مختلف صورتیں تو ہوں لیکن ہوں گی وہ ساری جواز کی۔ تو اس میں یہ اختیار حاصل ہے کہ اس پر عمل کیا جائے جو لوگوں کے طبائع کے زیادہ قریب ہو۔ لیکن اس سے جواز اور عدمِ جواز حلال اور حرام بدکاری اور نیکو کاری کو خلط نہیں کیا جا سکتا۔ حلال اور حرام ایک مقسم کی قسمیں نہیں بن سکتیں۔ اسیطرح جائز اور ناجائز بھی ایک مقسم کی قسمیں نہیں بن سکتیں۔ بلکہ یہ ایکدوسرے کے منافی اور ضدیں ہیں۔

یہ کہنا کہ مذکورہ علماء نے اس عبارت سے یہ واضح کیا ہے کہ اگر سوسائٹی مفاد میں حلال نہ ہو تو حرام کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یا نیکو کاری نہ ہو تو بدکاری کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نہ ہو تو کفر اختیار کیا جا سکتا ہے اتنی بڑی جہالت ہے جس کی مثال شاید ماضی میں بھی نہ مل سکے۔ طارق کا مدعا یہ عبارتیں نقل کرنے سے یہ ہے کہ گویا ائمہ نے یہ قرار دیا ہے کہ اگر مرد سوسائٹی کے مفاد میں نہ ہو تو عورت کو سربراہ بنالیا جائے حالانکہ عورت کی سربراہی ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ یعنی مرد کی سربراہی جو شرائطِ امامت پر پورا اترتا ہو جائز ہے اسکے مقابلے میں عورت کی سربراہی ہر حال میں ناجائز ہے۔ تو کیا ائمہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر جائز پر عمل سوسائٹی مفاد کے خلاف ہو تو ناجائز پہ عمل کر لو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اسی قاعدہ کو

صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اسلام نام کی چیز دنیا میں باقی نہیں رہ سکتی۔

آج کی سوسائٹی کی کتنی اکثریت یہ چاہتی ہے کہ زنا، شراب، قمار بازی، فحاشی عریانی بے حیائی پر پابندی ہو۔ عام آدمی تو چھوڑیئے رفیع اللہ شہاب اور طارق جیسے نام نہاد محقق بھی چاہتے ہیں کہ ایسی سوسائٹی ہونی چاہیئے جس میں نائٹ کلبوں کی بھرمار ہو اور چھلکتے جاموں کا دور ہو۔ ٹوئسٹ اور لوک رقص میں مست حال سے بے حال اور قال سے بے خبر ہو کر دل پر تمام حجابات اور شرمی بندھنوں کے دھاگے ٹوٹ جائیں اور ہر ایک کی زبان پر یہ ورد جاری ہو۔

تو من شدی من تو شدم	تو تن شدی من جاں شدم
تاکس نہ گوید بعد ازاں	تو دیگری من دیگرم

اسلام کا ترکی عمل حلال کو چھوڑ کر حرام کرنے کی اجازت کسی صورت میں نہیں دے سکتا اور نہ ہی تحریک کا یہ عمل اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ محض عورت کی سربراہی کو جواز دینے کے لیے طارق نے ائمہ پر کیسی بہتان تراشی کی ہے۔ اور ناپاک عزائم کو جواز بخشنے کے لیے ائمہ کا نام استعمال کرنا جن کے وہم و گمان میں بھی انکی عبارات کی ایسی تعبیر نہ ہو سکتی تھی۔ ان مظلوموں پر کتنا ظلم عظیم ہے۔ بلا وجہ و بلا دلیل ان کو عورت کی سربراہی کے جواز کا قائل بنا دیا۔ جب کہ انہوں نے اس مسئلہ میں نہ تو کوئی رائے دی ہے اور نہ ہی یہ حضرات عورت کی امارت کے جواز کے قائل تھے۔

جمہوریت اور اسلام

دور حاضر میں جمہوریت کو عین اسلام ثابت کرنے کی منظم سازش نقطہ عروج پر ہے سربراہ ملک سے لے کر عام آدمی تک ہر فرد اسی کوشش میں مصروف ہے کہ جمہوریت کو عین اسلام ثابت کر دکھایا جائے سیاسی لیڈروں اور سیاسی پارٹیوں کا یہ طرز عمل تو محض اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہے لیکن عام آدمی جس کو جمہوریت یا کسی بھی دیگر غیر اسلامی نظام کا کوئی فائدہ نہیں مل سکتا وہ بھی اس پروپیگنڈہ کی شدت سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر جمہوریت جمہوریت پکار رہا ہے آئندہ صفحات میں انشاءاللہ یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ مغربی جمہوریت کا عام آدمی کو کیا فائدہ مل سکتا ہے اور وہ کیوں بلا وجہ اس مہم میں حصہ دار بن رہا ہے ایک طبقہ علماء سوء نام نہاد محققین اور ادیبوں کا ہے جو مغربی جمہوریت کو عین اسلام ثابت کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اسلامی تعلیمات کی تحریف، تردید، تشکیک تغلیط، تعییب پر صرف کر کے اسلام کو کمزور کرنے اور نام نہاد جمہوریت کو اس پر غالب کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں آپ کو یہ تسلیم کرنا ہوگا، کہ اسلام کو جتنا نقصان مسلمانوں کے ہاتھوں پہنچا ہے اتنا کسی بھی غیر مذہب کے افراد سے نہیں پہنچا اسلام کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں ایسے بہت کم لوگ آپ کو ملیں گے جو اپنے ہاتھوں اپنے دین و مذہب کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہوں ان کا ذاتی کردار جیسا بھی ہو اس سے ہمیں غرض نہیں لیکن

یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ان میں دو خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جن سے انکار ممکن نہیں اور وہ مذہب اور ملک سے محبت اور اخلاص ہے وہ کبھی اپنے مذہب کی کسر شان برداشت نہیں کرتے اور اپنے ملک کے خلاف کوئی اقدام نہیں اٹھاتے یوں ہی وہ ہر چیز کو برداشت کر لیتے ہیں لیکن مذہب اور ملک کے دشمن کو گوارہ نہیں کرتے یہ دو ایسی خوبیاں ہیں جو ان کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کئے ہوئے ہیں۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں رہی جنہوں نے اپنے مذہب و ملک کے خلاف سازشیں نہ کی ہوں بغاوت و غداری کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اپنے ہی مذہب کو کمزور اور متنازعہ بنانے کے لیے مذہبی تعلیمات کو متنازعہ بنانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اقوام عالم کے احوال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بسنے والی بیشتر اقوام کے ایسے افراد جو ناموری کی خواہش رکھتے ہوں وہ کوئی ملکی خدمت کا کارنامہ انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں یا کسی فن میں کمال حاصل کرنے کو مطمح نظر بنا لیتے ہیں، یا کوئی چیز ایجاد کر کے ناموری حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کو شہرت اور ان کے ملک کو ترقی حاصل ہوتی ہے لیکن ان کے برعکس مسلمان قوم میں جب کسی کو اپنی تشہیر کا سودا سر میں سماتا ہے یا اُسے ناموری حاصل کرنے کا شوق دامنگیر ہوتا ہے تو اس کے سامنے دو ہی آسان راستے ہوتے ہیں یا تو وہ مذہب میں کوئی نئی بات نکالتا ہے مذہبی تعلیمات کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے مذہب کی بنیادیں اپنے ہاتھوں کھوکھلی کر کے نام پیدا کرتا ہے یا پھر ملکی سالمیت و استحکام کے خلاف مجرمانہ سازباز کرتا ہے یا پھر اپنے ملک کے عوام کو مختلف عصبیتوں کی بنیاد پر لڑاتا مرواتا ہے اور خود لیڈری چمکاتا اور نام پیدا کرتا ہے۔ یا سماج دشمن عناصر

کا سرپرست بن کر شرفاء اور عزباء کی جانوں اور عزتوں سے کھیل کر بڑا آدمی بننے کی کوشش کرتا ہے۔ مختلف ادوار میں ایسے لوگوں کی سرگرمیوں کی حسرتناک اور کرب انگیز داستانیں تاریخ کے اوراق پر ناسور کی طرح پیوست ہیں، ہر دور میں ہم مذہبوں کے درمیان حق و باطل کی معرکہ آرائیاں اور تیغ و قلم کی آویزشیں نقطہ عروج پر رہیں۔ ہمارا حال بھی ایسی ہی مکروہ مساعی کے نقیبوں کی چیرہ دستیوں اور ستم کیشیوں سے خون خون ہے ظلم وستم کی شب دیجور میں ایک نرم ونازک حسین وجمیل قسیم ووسیم سے لطیف اور قمر سے تاباں اسلام کا وجود مقدس ہے جس پر ہر گوشہ سے تیروں کی بارش ہورہی ہے اور وہ اس شعر کا مصداق بنا ہوا ہے ع۔ پنبہ کجا کجا نہم تنم داغ داغ شد۔
لیکن ایسی دبیز تاریکیوں میں کچھ لوگ آج بھی جفا شعاروں کے تیروں کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ اسلام پر چھوٹنے والے تیروں کو وہ بے بسی سے دیکھ کر سرد آہوں کے زمہریر میں ڈوبنا نہیں چاہتے بلکہ اپنی کمزوری، ناتوانی، بےکسی بے بضاعتی کے باوجود ہر طوفان بلاء کے سامنے سد سکندری اور دیوار چین بنے ہوئے ہیں
ان ہی پرآشوب حالات میں سب سے زیادہ ظلم اسلامی نظام کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے جس کو مغربی جمہوری پارلیمانی نظام کا دست نگر اور چمربہ قرار دینے کے لیے ملک کے نشریاتی اداروں سے لے کر عام آدمی تک معروف ہے جمہوریت اور اسلام کا یہ معرکہ سرزمین پاکستان پر ایسی کیفیت میں جاری ہے جس کے فریقین کے درمیان طاقت کا کوئی توازن اور تناسب کارفرما نہیں، مغربی جمہوریت کا عفریت ساز وسامان، مال وزر، آلات حرب وضرب اور افرادی قوت سے مالا مال ہے اس کے سرپرست اور ہمنوا سات سمندر پار سے بھی سرپرستی اور ہمنوائی کا پورا پورا حق ادا کر رہے ہیں اور مغربی جمہوریت کے غلبہ کے

لیے وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگائے ہیں۔

دوسرا فریق اسلام ہے جس کی صفیں چند فقیروں اور بے کسوں پر مشتمل ہیں گنتی کے چند افراد اور وہ بھی خالی ہاتھ یہ امر مسلم ہے کہ ہر دور میں اسلام سامان اور مال وزر اور افرادی قوت کی کمی کے باوجود غالب رہا ہے۔

لیکن ایسا حادثہ شاید اسے کبھی نہ پیش آیا ہو کہ اس کے حامیوں نام لیواؤں کی اکثریت اغیار کی حاشیہ نشین ہو اس دور کا دلدوز سانحہ یہی ہے کہ اسلام کے نام پر چلنے والے بھی تخت طاؤس کی خیرہ کن شعاعوں میں بہک گئے ہیں اور وہ بھی حزب اعداء کے ہمنوا بن گئے ہیں ان کو بھی جمہوریت درکار ہے اور اس سے انہوں نے بھی اپنا مستقبل وابستہ کر لیا ہے، سپاہ اسلام نتائج سے بے پرواہ یوں برسرپیکار ہے جیسے انہوں نے بدر و قادسیہ کی تاریخ دہرانے کا فیصلہ کر لیا ہو جمہوریت نواز اسلام دشمنی میں اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ اب وہ اسلام کے آخری حصار کو مسمار کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں وہ حصار اسلام کا جداگانہ نظام اس کی امتیازی شان دیگر نظاموں پر اس کا تفوق۔ برتری و بالادستی ہے۔ جسے ختم کرنے کے لیے اس قبیل کے لوگوں کا تمام تر زور قلم و زباں صرف ہو رہا ہے دورنگی کے لباس میں ملبوس ملاں نما انگریز کی معنوی اولاد بھی اپنی ہیئت کذائی کے جال میں عامۃ المسلمین کو پھنسا کر اپنے آقاؤں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنے میں بازی لے جانے کیلئے بے چین ہے آیئے اسلام کے بر رمینر کے ضیا پاشیوں اور مغربی جمہوری نظام کی ظلمتوں کا ہم بھی نظارہ کریں "خالفوا الیھود والنصاریٰ" کی گہرائیوں میں عقل و ہوش۔ فہم و ادراک، بصارت و بصیرت سے غواصی کریں اور دیکھیں کہ بانی اسلام، سیاح لامکان۔ عالم این و آں۔ استاذ کل۔ امام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد میں کیسی حقیقتیں پنہاں ہیں۔ آپ نے

امت بیضاء کو یہود ونصاریٰ کی صوری ومعنوی مخالفت کا حکم کیوں دیا آپ کے دھن درفشاں سے نکلنے والے یہ الفاظ امت مسلمہ کے عمل کی منہاج کیوں بن گئے صورت سے سیرت تک امت مسلمہ کے تشخص کو تمیز کرنے کی کوشش کیوں کی گئی اگر سنت یہود ونصاریٰ ہی قوم مسلم کے مفاد میں تھی اور ان ہی کی اتباع میں کامرانی مضمر تھی تو ان سے اختلاف کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ کہ آج ان ہی کے مجوزہ ومرتبہ نظام کو عین اسلام اور اصلاح و فلاح کا طریاق قرار دیا جا رہا ہے۔

اسلام تو خبیث کو طیب سے جدا کرنے کا مدعی ہے۔ جبکہ آج کل کے محققین طیب کو خبیث کا تابع مہمل بنانے کے در پے ہیں۔ "حتیٰ یمیز الخبیث من الطیب" جب تک جدا نہ کر دے گندے کو پاک سے مغربی جمہوریت کو عین اسلام کہنے والے کیا خبیث کے بدلے طیب کو داؤ پر لگا رہے ہیں "ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب" حالانکہ احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ خبیث کو طیب سے نہ بدلو اسلام، سراپا نور، رحمت عدل ہے۔ جبکہ تمام غیر اسلامی نظام۔ ظلمت۔ غضب اور بے انصافی کے مجسمے ہیں یہ یاد رہے کہ جمہوری نظام یا جمہوریت کا اصل اور مکمل نام: مغربی جمہوری پارلیمانی نظام حکومت ہے، جبکہ اسلامی نظام میں جمہوریت کی اصل اور روح کار فرما ہے لیکن اسلامی نظام کے ساتھ جمہوریت کے لفظ کا کوئی پیوند نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تعارف جمہوریت سے ہوتا ہے۔ جو لوگ جمہوریت کو عین اسلام گردانتے ہیں یا جمہوری نظام یا جمہوریت کا نام لے کر اس سے اسلامی نظام مراد لینے کی بات کرتے ہیں وہ عامۃ المسلمین کو سخت فریب دیتے ہیں، جمہوریت کہہ کر اسلام مراد لینا بالکل غلط اور بدترین دھوکہ ہے۔ اسلامی نظام اور مغربی جمہوری پارلیمانی نظام میں بُعد المشرقین ہے۔ دنیا کا کوئی نظام نہ تو اسلامی نظام جیسا ہے اور نہ ہی اسلامی نظام کسی اور نظام کی طرح ہے۔

لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ (مائدہ پارہ ۷)

آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت۔ اسلام سراپا عدل ہے اور اس کے علاوہ تمام نظام ظلم کے مجسمے ہیں ارشاد ربی ملاحظہ ہو۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔۔۔۔۔۔ (سورہ نساء آیت ۶۱)

کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو نازل ہوا آپ کی طرف اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمے لے جائیں شیطان کی طرف حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر (ہدایت سے) بہت دور گمراہی (کی راہ) پر لے جائے"

علامہ جمال الدین قاسمی جلد ۵ صفحہ ۲۶۴ پر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام چیزیں طاغوت کے احکام میں شامل ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ ہر وہ قانون جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مخالف ہے اور کسی معاملے کا فیصلہ قرآن و سنت کے علاوہ کسی اور نظام، قاعدہ قانون کے تحت کیا جاتا ہے تو وہ سراسر ظلم پر مبنی ہوگا اور حکم طاغوت ہوگا۔

عدل و انصاف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

طارق نے مارشل لاء اور جمہوریت کا تقابل کر کے جمہوریت کو عین اسلام کہہ دیا۔

مارشل لاء نہ تو کوئی باقاعدہ نظام ہے اور نہ ہی دستور وہ تو متسلط بالجبروت کی مرضی اور جنگل کا قانون ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک نظام ہائے حیات اور دساتیر کی بات ہے ان میں اسلام کے ساتھ نہ کسی کا تعلق ہے اور نہ مشابہت، ریاست عدل و انصاف کے قیام کے لیے اسلامی نظام کا نفاذ اشد ضروری ہے۔ پاکستان کو قائم ہوئے اکتالیس سال ہو چکے ہیں لیکن اس طویل عرصہ میں پاکستان کے مسلمانوں سے نظریہ پاکستان کا تعین بھی نہیں ہو سکا اور بدستور ملک بھی چل رہا ہے آج تک ملک میں وہی نظام و قانون نافذ ہے جو انگریز کی وراثت میں ہمیں ملا تھا اور اسی قانون پر کروڑوں مسلمان عمل کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (سورہ مائدہ)

ترجمہ۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ کافر ہیں

ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون۔ (سورہ مائدہ پارہ ۶)

ترجمہ۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۔

ترجمہ۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وہ لوگ فاسق ہیں۔

کیا ہمارے ملک میں فیصلے قرآن پاک کے مطابق ہو رہے ہیں فیصلے تو کجا یہاں تو فیصلے کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد کفار پر مشتمل ہے کتنے ہندو عیسائی وغیرہ اس ملک میں سول جج سیشن جج اور مجسٹریٹ بنے ہوئے ہیں کیا یہی اسلام کے قاضی ہیں۔

اور ملک میں اسلامی نظام نافذ نہ ہونے کی بڑی دلیل نہیں جس قانون کو نافذ کرنے والے اس کے منکر ہوں اور جس قانون کے محافظ اُس کے ازلی دشمن ہوں کیا وہ قانون یا آئین نافذ ہو سکتا ہے کیا یہ کذب صریح نہیں؟ ملک میں اسلامی نظام کے جھوٹے دعویداروں کے اس عمل سے ان کی منافقت کا سارا رنگ دُھل جاتا ہے اور ان کی اسلام دشمنی کی اصل تصویر کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

مندرجہ بالا احکام الٰہی کے تحت ملک کے کروڑوں مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہو کر غضب و قہر الٰہی کے مستحق بن رہے ہیں۔ طاغوت کی اطاعت جاری ہے اور مسلمانانِ پاکستان کفر، ظلم اور فسق کی چکی میں پس رہے ہیں، ایسی حالت میں جو زندگی کے ایام پورے کر کے راہی عدم ہو چکے ہیں ان کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ علماء و مشائخ اس ساری صورت حال کو دیکھ کر بھی مروجہ سیاستوں میں مشغول ہیں۔ یا کچھ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کو آخرت کی کوئی فکر نہیں فرائض منصبی کا کوئی احساس نہیں وہ صرف دولت جمع کرنے میں مشغول ہیں اور آخرت کی زندگی سے انہیں اس دنیا کی زندگی عزیز ہے۔ اپنی اور کروڑوں مسلمانوں کی آخرت کی تباہی سے انہیں متاع دنیا عزیز ہے۔ ممبر و محراب میں وعظ و تقریر سے شعلہ باری کرنے والوں نے سنت محبوب رب العالمین سے کچھ نہیں سیکھا کیا بدر و حنین اسی لسانی شعلہ باری کے مظاہر تھے یا قوت کے؟

مجھے مکمل اعتماد ہے کہ اگر قوم کو صحیح احکام الٰہی بتا دیئے جائیں تو عام آدمی تو درکنار آج جو طاغوت بنے ہوئے ہیں وہ بھی اپنے اس گھناؤنے عمل سے باز آجائیں گے اور اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے بالفرض اگر حائل ہوں بھی تو شریعت مطہرہ کا تحفظ نفاذ اور رواج ان تمام رکاوٹوں کو ختم کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے۔ علماء امت سے جب اس قسم کا سوال کیا جائے کہ قرآن پاک

تو ایسی حالت کو کفر، ظلم اور فسق کی حالت قرار دیتا ہے اور ایسی حالت کو دیکھتے ہوئے آپ خاموش کیوں ہیں تو وہ اپنی معروف حیلہ سازی کو کام میں لاتے ہوئے فوراً آیت کریمہ "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" کی آڑ تلاش کرتے ہیں حالانکہ یہ آیت کریمہ اس مقصد سے تسامح کے لیے قطعاً مفید نہیں ہے، اگر جدوجہد یا اپنی ذات کو خطرات سے بچانے کا یہ آیت کریمہ فائدہ دیتی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس احد کے میدان میں کیوں تشریف لے جاتے اور باعث تخلیق کائنات کے دندان مبارک کیوں شہید ہوتے۔ بدر حجاز کے عارضِ پاک کیوں خون آلود ہوتے۔ کیا آج کل مشائخ اور علماء دین کے ایسے محب ہیں کہ انہیں دنیا کی ہر نعمت تو درکار ہے اور اسلام کے نام پر وہ تجوریاں بھرتے محلات بناتے اور جائیدادیں خریدتے ہیں لیکن اسی اسلام کے تحفظ کے لیے وہ اپنے جسم کو ایک کانٹا چبھنا گوارہ نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ کی تمام خرابیوں کے ذمہ دار علماء اور مشائخ ہیں اگر وہ نفس پرستی کے خول سے نکل کر خدا پرستی کو اپنا شعار بنالیتے تو رواں دور میں علماء و مشائخ کی جتنی تعداد اور قوت ہے اس کو شکست دینا طاغوتی قوتوں کے بس کی بات نہ تھی یہ بات بھی فیصلہ شدہ ہے کہ جتنی نعمت بڑی ہوتی ہے اتنا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے اتنے بڑے ملک میں قانون الٰہی کا نفاذ اور ملک سے شیطانی اور طاغوتی قانون کا دیس نکالا کوئی چھوٹا کام نہیں کہ گھر بیٹھے بغیر کسی تکلیف کے اسلامی قانون نافذ ہو جائے اور ملک اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا گہوارہ بن جائے۔

علماء سے زیادہ مشائخ اور سیاسی مذہبی جماعتوں کے سربراہوں پر اس فرض کو انجام دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مشائخ کو ہزاروں لاکھوں مریدین کی قوت اللہ تعالیٰ نے دے کر انہیں زیادہ اہم امتحان میں مبتلا کیا ہے

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ چند حقیقی مشائخ کے علاوہ بھاری تعداد تو ان پیشہ ور پیروں کی ہے جن کو خود بھی معلوم نہیں کہ اسلام ہوتا کیا ہے وہ تو صرف عیش و عشرت میں ڈوبے رہنے کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔ ان کو نذرانوں سے تعلق ہے، مرید خواہ سود۔ چوری۔ اور رشوت کی رقم بھی لے آئیں اور پیر صاحب کو نذرانہ پیش کر دیں تو پیر صاحب خوش ہیں اور اس مرید کو پیر کی رضا کی سند مل جاتی ہے

علماء میں سے بالخصوص نامور علماء یا جماعتوں کے صدور ایسی تمام سیاسی پارٹیوں سے اتحاد کرتے ہیں جن کا وجود اسلامی نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مغربی جمہوریت کو ایسے علماء بھی اسلام قرار دیتے ہیں۔ ع۔ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

جب علماء کا ذاتی کردار یہ ہو تو اسلامی نظام کیسے نافذ ہوگا ملک میں موجود اسلام کے نام پر سیاست میں مصروف جماعتوں کی بدکرداری نے جتنا اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے

ملک میں اسلامی نظام آج تک نافذ نہ ہو سکنے کی بہت بڑی وجہ ایسی جماعتوں کا عدم خلوص اور غلط منصوبہ بندی ہے ایسے لوگ کبھی عورت کی سربراہی کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور کبھی خواتین کے ساتھ جماعتی اتحاد کرتے اور ملاقاتیں کرتے ہیں کبھی نظریہ ضرورت کی آڑ لے کر اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اسلامی جماعتوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کے منکرین اور مخالفین کے ساتھ اتحاد کریں اور اسلام کے دامن پر بدنما داغ بن جائیں اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ اسلامی اور سیکولر۔ جماعتوں میں کوئی فرق نہیں یہ اقتدار کی ہوس کا شاخسانہ ہے جس نے اسلام کو عام آدمی کے سامنے

انتہائی مبہم بنا دیا ہے اور سیاسی مذہبی جماعتوں کے لالچی ارکان کا اسلام کے ساتھ یہ ایسا ظلم ہے جس کی تلافی کبھی نہیں ہو سکے گی۔ کمیونسٹ سوشلسٹ اور سرمایہ داری نظام کی علمبردار پارٹیوں سے اتحاد کے بعد ان نظریات کی تردید یا انہیں غلط کہنا کس طرح ممکن ہے کون اعتماد کرے گا اگر وہ غلط ہی ہیں تو اسلام کے نام پر سیاست کرنے والے ان کے ساتھ اتحاد کیوں کرتے ہیں اس مکروہ عمل نے عوام کو بے اعتمادی کی کیفیت سے دوچار کر دیا ہے عوام کو کون سمجھائے اور وہ کس طرح اعتبار کریں کہ اسلامی نظام کی داعی جماعتوں کے اراکین کا یہ عمل محض ان کا ذاتی کردار اور اقتدار کی ہوس کا مظہر ہے اسلام کا اس سے کوئی متعلق نہیں اور نہ ہی اسلامی تعلیمات اس منافقت کی اجازت دیتی ہیں۔۔۔۔

آج تک پاکستان کے مسلمانوں سے تعین نہیں ہو سکا کہ اسلامی نظام کیا ہے بلکہ وہ ایسے لوگوں کے پیچھے لگ کر جمہوریت جمہوریت کا واویلا کر رہے ہیں۔ عوام کو تو چھوڑیئے سیاسی مذہبی جماعتوں کے علماء اور اراکین بھی اس ہم میں شریک ہیں کیا وہ علم نہیں رکھتے یا اُن کو خوف خدا نہیں ہے کہ وہ محض اقتدار کے لیے کافرانہ نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں، اکتالیس سال کے طویل عرصہ میں تحریک پاکستان میں حصہ لینے والوں کی اکثریت راہی عدم ہو چکی ہے اس وقت چوتھی نسل چل رہی ہے قیام پاکستان کے بعد پیدا ہونے والوں کو کیا معلوم کہ اس ملک کا وجود کس طرح عمل میں آیا تھا وہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ قائداعظم نے پاکستان بنا دیا لیکن اس بننے یا بنائے جانے کی مکمل تاریخ سے وہ واقف نہیں ہیں۔ کہ قائداعظم نے تو اس وقت آکر قیادت سنبھالی جب تحریک آزادی عروج پر تھی تحریک آزادی کوئی سال دو سال کا عمل تو نہ تھا بلکہ اس کے پس منظر میں ایک صدی سے بھی زائد عرصہ کی قربانیاں جہد پیہم قید و بند کی صعوبتیں

عزتوں اور عصمتوں کی پامالی معصوم بچوں کے قتل ماؤں کی دلدوز چیخیں بہنوں
کے زہرہ گداز نالہ وشیون۔ خاک وخون میں تڑپتی جوانیاں۔ زنداں کی حسرتیں جزائر
انڈومان کی وحشتیں تاریک راتوں کی تنہائیاں اور اقسام وانواع کے تعذیب کے
طریقے یہ سب کچھ ایسے لوگوں نے برداشت کیا جن میں سے بہت بڑی اکثریت کے
تعارفی کلمات سے تاریخ کا سینہ خالی ہے۔ لیکن ان ہی لوگوں نے مساجد اور منابر کو
قرآن مجید اور کتب احادیث کو چمکتے چاند اور سورج کو ٹوٹتے ستاروں کو دریاؤں
اور اُبلتے چشموں کو گواہ بنا کر اپنے خالق ومالک سے دعائیں بھی مانگی تھیں اور
وعدے بھی کئے تھے۔ پھٹے ہوئے دلوں سے نکلنے والی دعائیں درجہ اجابت کو پہنچیں
وہ دعائیں یہ تھیں کہ ارض وسماء کے مالک ہمیں ایک جداگانہ خطہ زمین دے
دے وعدے یہ تھے کہ جس پر ہم تیرا نازل کردہ نظام نافذ کریں گے وہاں حاکمیت
اعلیٰ تیری ہوگی قرآن وحدیث کا راج ہوگا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک
خطہ ارضی حاصل ہوگیا جس کا نام بھی فرطِ عقیدت اور جذبات سے پاکستان
رکھا گیا حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ ہندوستان افغانستان وغیرہ کی طرز پر مسلمستان
یا مسلمانستان اس کا نام رکھا جاتا۔ لیکن برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے
کئے ہوئے وعدوں کو نبھانے کا عزم بالجزم کر رکھا تھا لہٰذا انہوں نے اس خطہ ارضی
کا نام پاکستان رکھا کیونکہ ان کے ارادے پاک تھے وہ اس لیے اپنے ارادوں کی تعبیر
اور تشریح کے لیے نام ہی ایسا تجویز کرنا چاہتے تھے کہ جس کے بعد اس ملک کی نظریاتی
سرحدوں کی مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہ رہے نام لیتے ہی وہ حسین وجمیل تصور ذہن
میں سما جائے اور اس ملک کا مکمل تعارف اس کے نام سے ہی حاصل ہو جائے
لیکن ان سادہ لوح لوگوں کو کیا معلوم تھا کہ تم جس خطہ ارضی کو پاک لوگوں
کی سرزمین قرار دے رہے ہو تمہارے بعد آنے والے اس کا مفہوم تمہارے ارادوں

کے برعکس سمجھیں گے اور وہ اس ملک میں ہونے والے ہر کام کو پاک سمجھ کر کریں گے رشوت لیں گے تو وہ پاک ہو گی ظلم کریں گے تو وہ پاک ہو گا کسی کا حق ماریں گے یا چوری کریں گے اغوا کریں گے یا ڈاکہ ڈالیں گے سود کھائیں گے یا زنا کریں گے شراب پیئیں گے یا منشیات فروخت کریں گے اسمگلنگ یا چور بازاری کریں گے تو ان سب کو پاک سمجھ کر ہی کریں گے کیونکہ ارض پاک پر ہر ہونے والا کام بھی پاک ہی متصور ہو گا بہر حال، اتنی قربانیوں اور تکلیفوں کے بعد ملک معرض وجود میں آگیا لیکن اسلامی نظام کا وعدہ بھلا دیا گیا۔ نظام و آئین میں کوئی نمایاں فرق نہ آیا ذرق آیا تو صرف اتنا کہ پہلے گورے انگریزوں کا راج تھا۔ پھر کالے انگریزوں کا راج ہو گیا

اور تاہنوز صورت حال جوں کی توں ہے

قیام پاکستان سے اب تک اسلام کے خلاف جو بدترین سازش کی گئی وہ جمہوری پارلیمانی نظام جس کا دوسرا نام، سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ کو اسلام کا نعم البدل ثابت کرنے کی کوشش ہے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے اپنے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے یہ مذموم پروپیگنڈہ اس حد تک کیا کہ عام آدمی جو اسلام کے حق میں مخلص تھا اس کو یقین ہو گیا کہ واقعی اسلامی نظام یہی ہے سرمایہ دارانہ نظام چونکہ خرابیوں ناانصافیوں ظلم و ستم، رشوت ستانی اقرباء پروری بدکاری اور بدعہدی کا مجموعہ ہے اس لیے عام آدمی جو حقیقت کو نہ سمجھ سکا تھا نتیجتہً وہ اسلام سے متنفر ہو گیا۔ علماء اور مشائخ کے طبقے جن پر اسلامی نظام کے نفاذ اور اسلامی تعلیمات و اقدار کے تحفظ کی دوہری ذمہ داری عائد ہوتی تھی اسلامی نظام کے نفاذ کے فریضہ کو بھول کر تفرقہ بازی کے کھیل میں معروف ہو گئے کیونکہ اس طرح ان کے دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے تھے اور ان کی تجوریاں بھرتی تھیں دوسری طرف

وہ بھی اس پروپیگنڈہ سے اتنے مرعوب ہو گئے کہ وہ کچھ عرصہ تک تو اسلام کا خالی نام لے کر گزارہ کرتے رہے اور ان کی اکثریت نے یہ طرز عمل اپنا لیا کہ وہ یہ کہہ کر جان بچاتے کہ ہم سیاست سے دور ہیں سیاست علماء اور مشائخ کا کام نہیں یہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ کا مصداق تھا کیونکہ کبوتر آنکھیں بند کرلے تو بلی کے حملے سے بچ نہیں جاتا بلکہ اس کی موت اور زیادہ یقینی ہو جاتی ہے ہر طبقہ میں کچھ لوگ حقیقت پسند بھی ہوتے ہیں جب ایسے لوگوں نے سر سے پانی اونچا ہوتے ہوئے دیکھا اور ان میں کچھ اسلام کی محبت بھی تھی تو وہ میدان سیاست میں آگئے لیکن اس پروپیگنڈہ سے وہ اتنے مرعوب و مفلوج ہو چکے تھے کہ انہوں نے براہ راست اسلام کا مطالبہ کرنے کی بجائے الیکشنوں میں کامیاب ہو کر اسلامی انقلاب لانے کا پروگرام بنایا۔ لیکن یہ ان کی سراسر خام خیالی تھی نتیجہ کے طور پر ایسی جماعتوں کو مسلسل کئی الیکشنوں میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی یہ حکمت عملی سخت ناکامی کا باعث بنی کیونکہ ان کی حکمت عملی میں ایک زبردست سقم تھا اور وہ یہ کہ انہوں نے طیب و طاہر کو حاصل کرنے کے لیے ناپاک طریقہ اختیار کیا یہ کیسے ممکن ہے کہ کفر کی شاہراہ پر چل کر اسلام کی منزل تک پہنچا جا سکے ناپاک راہیں پاکیزہ مقصد تک نہیں پہنچاتیں پاکیزہ مقاصد کا حصول پاک راہوں پر چل کر ہی حاصل ہو سکتا ہے یہ کبھی ممکن نہ ہوا کہ پشاور جانے والی ٹرین پر سوار ہو کر کوئٹہ پہنچنے کی امید رکھی جائے اور پھر ایسے مسافر کو کامیابی بھی ہو جو لوگ ایسی امیدیں رکھتے ہیں وہ عقل و خرد سے خالی ہوتے ہیں۔ علماء اور مشائخ کی اس دورنگی نے صرف انہیں ناکامی کا شکار ہی نہیں بنایا بلکہ انہوں نے اپنے اس مکروہ عزم کو سند جواز عطا کرنے کے لیے حیلہ سازیوں اور تاویلیوں سے کام لیا جو اسلام کے لیے سخت نقصان کا باعث بن گئیں

اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں حائل رکاوٹیں

علماء اور مشائخ مغربی جمہوری نظام کے تحت الیکشنوں میں حصہ لے کر کامیابی تو حاصل نہ کر سکے بلکہ اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر دیں نتیجہ یہ نکلا کہ نظام اسلام کے تعین کے لیے ان کے پاس قوت گویائی بھی باقی نہ رہی کیونکہ اسی زبان سے وہ سینکڑوں ایسی باتیں کر چکے تھے جو اسلام کے سراسر خلاف تھیں اب وہ اگرچہ اپنے پہلے دعووں کو بدلنا بھی چاہتے تھے لیکن عوام کو ان پر اعتماد نہ رہا تھا اور اس بد اعتمادی کی فضاء نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا کیونکہ ان ہی علماء و مشائخ میں بعض نے جمہوریت اور سوشلزم تک کو اسلامی نظام قرار دے دیا تھا اور پھر علماء و مشائخ سرمایہ دار اور جاگیر دار طبقہ کی حمایت کے باعث بھی اتنی بدنامی کما چکے ہیں کہ اب عوام کو ان پر اعتماد نہیں رہا کیونکہ سرمایہ دار اور جاگیر دار ہی تو اسلامی نظام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ جنہوں نے مکمل منصوبہ بندی کے تحت اسلام کو بدنام کرنے کی بھرپور سعی کی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد سب سے بڑی زد جن لوگوں پر پڑے گی وہ سرمایہ دار جاگیر دار اور بدقماش لوگ ہیں۔ جن کی ناجائز آمدنیوں اور عیاشیوں بدمعاشیوں کو اسلام ایک لمحہ کے لیے بھی گوارہ نہیں کرتا علماء اور مشائخ ان ہی لوگوں کے آلہ کار کے طور پر استعمال ہوتے رہے چند ٹکوں کی لالچ میں بکے اور گلی گلی ان بدکردار لوگوں کے لیے ووٹ مانگے، علماء کو کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ غیر اسلامی اور غیر شرعی افعال کی سرپرستی کرتے اور برسر منبر فساق

کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوتے۔ کیا یہی ورثۃ الانبیاء کی شان ہے کہ وہ ظالموں اور جابروں اور سماج دشمن عناصر کی وکالت کریں اور طمع ولالچ کی وجہ سے اسلام کو داغدار کریں

یوں ہی تبلیغ کے نام پر معرض وجود میں آنے والی جماعتیں ہیں جنہوں نے اسلام صرف اپنی تبلیغ کو ہی قرار دے رکھا ہے اور ان سے جب بھی سوال کیا جائے کہ یہ کیسا اسلام ہے کہ ملک میں فحاشی عریانی بدکاری بے حیائی ظلم وستم قتل و غارت روز بروز بڑھ رہے ہیں اور آپ اپنی مساجد تک محدود ہیں اور نماز کے علاوہ کسی بات کا تذکرہ نہیں کرتے کیا اسلام صرف نماز ہی کا نام ہے۔

آپ کچھ بھی کر لیں وہ اپنی متعینہ حدوں سے ایک انچ ادھر ادھر ہونے کو گناہ سمجھتے ہیں یوں ہی دیگر فرائض واجبات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تو وہ یوں بے نیاز ہیں جیسے ان چیزوں سے ان کو واسطہ ہی نہیں اور ان معاملات کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ مذہبی تفرقہ بازی ہے جو درحقیقت انتہائی مکاری سے انگریز اور سامراج دشمن عناصر کی شہ پر شروع کی گئی اور اس کا اہم مقصد امت مسلمہ کے اس فعال طبقہ کو تقسیم کرنا تھا جس کو اسلام سے گہری وابستگی تھی اور جانثاری کے جذبات سے سرشار تھا، تفرقہ بازی کر کے اسلام کے آہنی پنجے کو توڑ دیا گیا اور انتہائی ظالمانہ سوچ نے ان کو باہم دست وگریباں کر دیا اور پھر ان کے سامنے اسلامی جھنڈے کی عظمت کا سوال نہ رہا اور اعلاء کلمۃ اللہ کی منزل روپوش ہو گئی اور اعداء اسلام کو زیر وزبر کرنے کا جذبہ باقی نہ رہا بلکہ مکاری نے ان کو مسجدوں کی ملکیت پر لڑوانا شروع کر دیا ایک دوسرے کے خلاف مسلح دستے ترتیب پانے لگے اسی طرح اسلامی ممالک کی سرحدوں کو وسعت دینے والے مجاہد اپنے بھائیوں کے خون میں

انگلیاں پھیرنے لگے یہ وہ دردناک صورت حال تھی جس نے بے دینی کو پاؤں جمانے کا بہترین موقعہ فراہم کیا اور بے دین عناصر نے اسلام کی قوت میں انتشار پیدا کرا کے اپنے قدم یوں مضبوط کیئے کہ اب ہزار کوششوں کے باوجود ان کا تسلط ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ لیکن مقام صد افسوس ہے کہ امت مسلمہ کا شیرازہ منتشر کرنے والے علماء آج بھی تفرقہ بازی سے باز نہیں آتے بلکہ آتے روز نیئے نیئے فتنے جنم لے رہے اور متحارب گروہوں کی عداوت میں شدت پیدا ہو رہی ہے اگر یہی صورت حال برقرار رہی تو ملک کو سیکولر اسٹیٹ بننے سے کوئی بھی نہیں روک سکے گا اس وقت یقیناً علماء سخت پریشان ہوں گے لیکن پھر وقت گذر چکا ہوگا اور پریشانی و ندامت کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ مروجہ آئین اور طریقہ انتخاب بھی ہے حیرت و استعجاب کی انتہاء ہے کہ علماء بھی سنہ ۱۹۵۶ء اور سنہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ یہی وہ آئین ہیں جن کے ذریعہ مغربی جمہوری نظام قائم ہے۔

مغربی جمہوری نظام

مغربی جمہوری پارلیمانی نظام حکومت کو اس کے بنانے والوں نے انتہائی سوچ سمجھ کر یوں ترتیب دیا ہے کہ اس کے ذریعہ ہمیشہ اقتدار سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے پاس ہی رہ سکتا ہے۔ کیونکہ جب تک ون مین ون ووٹ کا اصول کارفرما رہے گا کسی طرح بھی صالح قیادت کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عام آدمی کو تشکیل حکومت کا اختیار نہیں دیا بلکہ صرف ارباب حل وعقد

کے پاس ہی رہتا ہے جو علم و عمل دینداری اور دیانتداری کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں اور وہ ایسے آدمی کو منتخب کرتے ہیں جو اس کا اہل ہوتا ہے آپ پاکستان کی اکتالیس سالہ عمر پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس نظام کے ذریعہ اس ملک میں کیسے لوگ مسند اقتدار تک پہنچے ایک بھی صدر یا وزیر اعظم آپ کو ایسا نظر نہیں آئے گا جو اسلامی سربراہ مملکت کی شرائط پر پورا اترتا ہو بلکہ اکثر تو ایسے تھے جن کو اسلام کے بنیادی اصولوں کا علم ہی نہ تھا ایسے نا اہل لوگوں کا ملک کے اقتدار اعلیٰ تک پہنچنا جمہوری نظام کی ہی وجہ سے ممکن ہوا مغربی جمہوری پارلیمانی نظام کا سب سے تاریک پہلو یہی ہے کہ ہر شہری کو ووٹ کا حق دے کر اُسے بے وقوف بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ عوام بھی یہ نہیں سوچتے کہ ووٹ کا حق انہیں کیا دیتا ہے مغربی جمہوری نظام میں عوام کو ووٹ کا حق دے کر باقی سب حقوق غصب اور سلب کر لئے گئے ہیں غریب کو ووٹ کے حق کے نام پر بے وقوف بنایا جاتا ہے ووٹ نہ روٹی کا نام ہے نہ کپڑے کا نہ مکان کا اور نہ ہی ووٹ کی پرچی سے غریب کو ضروریات زندگی حاصل ہوتی ہیں بلکہ یہ تو سرمایہ داروں کی چیز ہے جو وہ غریب سے کسی ذریعہ سے بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ لالچ دھونس دھاندلی اور پھر یہی حق غریبوں کو کن ذلتوں سے دوچار کرتا ہے ووٹ نہ دینے کی پاداش میں بعض اوقات غریبوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑتا ہے، سرمایہ داروں کے پالتو بدمعاشوں کے ہاتھوں عزتوں کی پامالی ہوتی ہے بے گناہ تھانوں میں جرم ناکردہ کی پاداش میں تشدد کا شکار ہوتے ہیں جیلوں میں بے گناہی کی سزائیں بھگتنا پڑتی ہیں یہ سب کچھ ووٹ کے حق کے بدلے میں غریب کو ملتا ہے لیکن اقتدار تو بہرحال سرمایہ دار اور جاگیردار کا ہی مقدر ہوتا ہے کیونکہ نسل انسانی کا تعلق جب دنیاداری سے ہو تو وہ ان دو قسموں پر منقسم ہوتی ہے امیر اور غریب، امیر کسی رنگ نسل مذہب کا ہو وہ امیر ہی کا بھائی

ہے اور یوں ہی غریب بھی کسی فرق کے بغیر غریب کا بھائی ہوتا ہے اور امراء نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ہم حاکم اور غریب محکوم بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا امیر کے لیے جائز ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو غریب پر حکومت کرے لیکن نسل انسانی کا جس وقت تعلق مذہب کے ساتھ ہو تو پھر اس کی تقسیم نیک و بد میں ہوتی ہے نیک بلا تمیز رنگ و نسل نیکوں کے بھائی ہوتے ہیں اور بدوں کا تعلق بروں سے ہوتا ہے یعنی دنیا میں واحد چیز مذہب ہے جو امیر و غریب کی تقسیم کو ناکارہ بنا سکتی ہے اور غریب امیر کے مظالم سے بچ سکتا ہے اگر غریب یہ سمجھے کہ مجھے ووٹ کا حق دے کر مجھ پر احسان کیا گیا ہے تو یہ اس کی سخت غلط فہمی ہے درحقیقت یہ غریب پر ظلم ہے۔

جاگیر دار اور سرمایہ دار طبقہ عوامی ووٹوں کے ذریعہ بڑی آسانی سے کامیاب ہو جاتا ہے وہ ملکی مناصب حاصل کرنے کے لیے سرمایہ کاری کرتے ہیں لاکھوں روپے خرچ کر کے عوام کو بہکانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر برسر اقتدار آ کر اُسی عوام کے خون پسینہ کی کمائی کے کروڑوں روپے خورد برد کرتے ہیں اور الیکشن پر خرچ کردہ رقم سے کئی گنا رقم کمانا ان کا اولیں مقصد ہوتا ہے اور پھر ان کی عیاشیوں پر خرچ ہونے والی رقم غریب عوام سے ٹیکسوں کے ذریعہ وصول کی جاتی ہے غریب کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے اور اس میں اس کی نافہمی کا بڑا عمل دخل ہے جھوٹی شان و شوکت اور رشوت کی بنیاد پر کامیاب ہونے والا نمائندہ جو درحقیقت اقلیت کا نمائندہ ہوتا ہے کیونکہ ہر حلقہ انتخاب میں کم از کم چار پانچ امیدوار ہوتے ہیں اس طرح ناکام ہونے والے امیدواروں کے مجموعی ووٹوں کے مقابلہ میں کامیاب ہونے والے کو نصف ووٹ بھی نہیں ملتے اس طرح ناکام امیدوار جو اجتماعی طور پر ساٹھ ستر فیصد ووٹ لے جاتے ہیں ان کے مقابلہ میں تیس فیصد ووٹ لینے والا کامیاب ہو جاتا ہے، اس طرح اکثریت

کا حق تلف ہو جاتا ہے جمہوریت کے پرستاروں کا دعویٰ اکثریت بھی یوں باطل قرار پاتا ہے۔ جمہوری نظام کا یہ ایسا سقم ہے جو کسی طرح دور نہیں ہو سکتا جمہوری حکومتیں اقلیت کی نمائندہ ہوتی ہیں اور وہ کبھی بھی اکثریت کا دعویٰ نہیں کر سکتیں اور اگر وہ اکثریت کا دعویٰ کریں تو یہ قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہے جمہوریت نوازوں کو تحریک عدم اعتماد میں جمہوریت کی حقیقت عیاں ہو جانے کے بعد کم از کم جمہوریت کا نام نہیں لینا چاہیئے تھا قوم کے امینوں کو بکرا منڈی کے بکرے تک کہا گیا حزب اقتدار اور اختلاف نے ببانگ دھل کہا کہ ممبران اسمبلی کو خریدنا ہمارا جمہوری حق ہے ممبران اسمبلی کو کئی دن مری اور سوات میں قید رکھا گیا اغواء کیا گیا ظلم و جبر کیا گیا اور پھر قوم کے امینوں کی بولیاں ہوئیں خرید و فروخت کا بازار گرم ہوا کیا یہی وہ جمہوریت ہے اور اس جمہوریت کی بنیاد پر منتخب ہونے والے نمائندوں کا یہ کردار ہے، وعدہ خلافی، دھوکہ دہی ایمان فروشی، ضمیر فروشی، جھوٹ، بدعہدی، کردار کشی، رشوت، ظلم و جبر ناجائز مقدمات، الزام تراشی، سب و شتم، کیا یہی جمہوریت کے ستون ہیں اور ان ہی کے مجموعے کا نام جمہوریت ہے جس نظام میں ملک کے امینوں ارباب حل و عقد کا یہ کردار ہو اس نظام کو اچھا کہنا اور اس کی تعریف کرنا عقل و خرد کی ناداری اور فہم و ذکاء کا افلاس ہے۔ جمہوری نظام کے حامی یہ کہتے ہیں کہ ممبران جس کو آگے صدر یا وزیر اعظم منتخب کرتے ہیں درحقیقت وہ عوام کا نمائندہ ہوتا ہے حالانکہ یہ دعویٰ یوں غلط ہے کہ اگر آپ ممبر اسمبلی کو وکیل تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے اپنے حلقہ انتخاب کے عوام کی وکالت اختیار کی ہے تو اس میں پہلی کمزوری یہ ہے کہ وہ خود اکثریت کا نمائندہ نہیں ہوتا

۲۔ اگر وہ وکیل ہے تو اس وقت اس نے عوام سے اس بات کا اختیار نہیں لیا

کیونکہ صدارت اور وزارت عظمیٰ کا تو اس وقت جس وقت قومی یا صوبائی اسمبلی کا الیکشن ہو رہا ہوتا ہے امیدوار سامنے بھی نہیں ہوتے پھر اس نے عوام سے اختیار کس کو ووٹ دینے کا لیا ہے۔

۳۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اختیار مطلقاً لیا گیا ہے تو ایسی صورت میں امیدوار اپنے منشور کیوں پیش کرتے ہیں لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممبر کو منشور کی بنیاد پر اختیار وکالت ملا اسی ممبر کے منشور کو سامنے رکھنا ہوگا اگر اس نے اپنے منشور کے خلاف ایسے امیدوار کو ووٹ دیا ہے جو اس کے منشور پر پورا نہ اترتا تھا تو اس کی یہ وکالت بھی باطل ہوگی

۴۔ اسلام میں خفیہ ووٹ کا کوئی طریق کار موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ووٹ درحقیقت اسلامی احکام کے منافی ہوگا

۵۔ موکل کو یہ اختیار حاصل رہتا ہے کہ اس کی رضاء کے خلاف وکیل اگر کوئی کارروائی کرتا ہے تو وہ نافذ العمل نہ ہوگی

۶۔ موکل کو یہ بھی اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ چاہے وکیل کو وکالت سے معزول کر سکتا ہے اور اختیار وکالت واپس لے سکتا ہے۔ کیا جمہوریت میں موکلوں کو یہ اختیار ہے کہ جب وہ چاہیں ممبر کو اس کے منصب سے ہٹا سکتے ہیں اگر نہیں تو ہرگز یہ وکالت نہ ہوگی اور ان کی کارروائی درحقیقت بالواسطہ عوام کی کارروائی نہ ہوگی بلکہ ان ہی ممبران کی ہوگی جو کسی کو منتخب کریں گے اس طرح صدر وزیر اعظم وغیرہ ان ہی سو دوسو ممبروں کا نمائندہ ہوگا۔ جبکہ اسلام میں خلیفہ کی بیعت کی جاتی ہے جس کے بعد ہر شخص پر اس کی معیّنہ سمع و اطاعت واجب ہو جاتی ہے اور وہ ملک کے پورے عوام کا نمائندہ اور با اختیار ہوتا ہے

جمہوریت کے اصول کے مطابق جمہوریت اور اسلام کا سب سے اہم فرق یہ ہے کہ جمہوریت کے اصول کے مطابق

اکثریت کا فیصلہ ہی حتمی ہو گا اکثریت جیسا فیصلہ کرتی ہے اس کو اختیار ہے اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی پابند جمہوریت کے قائل ہیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں ہی فیصلے کرے گی یہ اتنا بڑا دھوکہ اور فریب ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے کیونکہ جمہوریت جب پابند ہو جاتے تو پھر وہ جمہوریت نہیں رہتی کیونکہ بے لگام اکثریت اور آزادی رائے وخیال کو جمہوریت کہا جاتا ہے اب اگر اسے قرآن و سنت کا پابند بنایا جائے تو وہ جمہوریت نہیں رہے گی اور پابند نہ ہو گی تو اسلام کے سراسر خلاف ہو گی لہٰذا ایک بات کو اختیار کرنا پڑے گا۔ جمہوریت یا اسلام

دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضدیں ہیں اور ضدیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں

اسلامی نظام

اسلامی نظام حکومت کے لیئے کسی شک وشبہ میں پڑنے اور تردد کی ضرورت نہیں خلافت راشدہ سے بہتر اور کوئی عملی نمونہ امت مسلمہ کے سامنے نہیں آیا فیصلہ کن اور مختصر بات یہی ہے کہ اسلامی نظام ــــــــ

نظام خلافت

ہی ہے ــــــ نظام خلافت کی برکات اسلام کی ترقی و ترویج، فتوحات مسلمانوں کی معاشی معاشرتی اخلاقی ترقی عدل و انصاف کی فراوانی مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں جمہوریت مساوات اور خدا خوفی عہد خلافت راشدہ میں نقطہ عروج پر تھیں۔ ایسا سنہری دور نہ کبھی آیا ہے اور نہ ہی شاید پھر کبھی کسی کو دیکھنا نصیب ہو۔ لہٰذا اسلام کے دعویداروں کے لیئے نظام خلافت کے علاوہ کوئی

اور راستہ نہیں ہے نظام خلافت تعامل خلفاء راشدین ہے۔
جس سے بڑھ کر خلافت کی منہاج امت مسلمہ کے لیے کوئی اور نہیں ہو سکتی

مغربی جمہوری نظام اور اسلام کی جمہوریت کا فرق

اسلامی جمہوریت سے آج کل مغربی جمہوریت کو مماثل بنا کر عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جمہوری نظام یہ ہے کہ ممبران کی اکثریت یعنی پچاس کے مقابلہ میں اکیاون ممبر جس چیز پر متفق ہو جائیں وہی قانون ہے۔ جبکہ اسلام میں جمہوریت کا تصور قانون کی ساخت سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق قانون کے نفاذ سے ہوتا ہے، جمہوریت میں جیسا کہ پاکستان کے آئین سے واضح ہے کہ صدر اور وزیر اعظم قانون سے بالاتر ہوتے ہیں انہیں عدالت میں اپنے جرم کی جواب دہی کے لیے طلب نہیں کیا جا سکتا یوں ہی صدر وزیر اعظم گورنر وغیرہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ رحم کی اپیل کے جواب میں رحم کے نام پر مقتولوں کے ورثاء کی رضا مندی کے بغیر جس کا چاہیں قتل قاتل کو معاف کر کے درحقیقت ظلم کی بدترین مثال قائم کر سکتے ہیں اور مقتولوں کے ورثاء کا حق غصب کر سکتے ہیں اور جمہوری نظام کے قانون نے انہیں اس غصب کا اختیار دے رکھا ہے اسلامی جمہوریت کا تعلق قانون کے نفاذ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوتا وہ خلیفہ ہے، امیر ہے، سلطان ہے، جو بھی حیثیت رکھتا ہے نہ تو وہ حقوق العباد میں مداخلت کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کو کسی کا قتل تو بجائے خود کسی کے پانچ روپے بھی اس کی رضاء کے بغیر معاف کرنے کا اختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اسلام نے اس کو حقوق العباد غصب کرنے کا قانونی حق دیا ہے اور جس طرح ایک عام آدمی اپنے

جرم کی جواب دہی کے لیے قاضی عدالت میں حاضر ہو گا یوں ہی خلیفہ کو بھی حاضر ہو کر جواب دینا پڑے گا جو عام آدمی کی سزا اسلام نے مقرر کی ہے ویسے جرم میں خلیفہ کی بھی وہی سزا ہو گی اور فوراً نافذ العمل ہو گی۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں سیدنا صدیق اکبر نے خطبہ خلافت میں یہ واضح کر دیا تھا کہ میں تم میں سے ہی ہوں اگر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے اور اگر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کروں تو تم پر لازم ہے کہ مجھے بذریعہ طاقت سیدھا کر دو یہی صورت حال دیگر خلفاء راشدین کی تھی حضرت فاروق اعظم نے اپنے لخت جگر کو سو دُرے مروا کر اسی حقیقت کو چار چاند لگائے۔ اسلامی جمہوریت حقوق اور قانون کے نفاذ میں تمام مسلمانوں کی مساوات کا نام ہے جبکہ مروجہ نظام جمہوریت آئین و قانون سازی میں بے لگام اختیارات قانون اور حقوق میں عدم مساوات انسانوں کی اکثریت کی بے قید مرضی و منشاء انسانوں پر انسانوں کی مرضی کی حکومت کا نام ہے۔

جبکہ اسلام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قوانین کے تحت انسانوں پر انسانوں کی اللہ تعالیٰ کی رضاء اور منشاء کے مطابق حکومت کرنے کا نام ہے۔

نظام جمہوریت میں کسی کے سامنے جواب دہی کا تصور کارفرما نہیں ــــــ جبکہ اسلام میں خلیفہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے ہر فعل کی جوابدہی کا یقین ہوتا ہے۔

اسلامی نظام کا نفاذ کیسے ممکن ہے

اس تعیّن کے بعد کہ اسلامی نظام نظام خلافت کو کہا جاتا ہے جو ہر طرح کامل و مکمل ہے تو اس میں اسلامی نظام کے نفاذ کے جو طریقے سامنے آتے ہیں ان ہی کو اختیار کرنے سے اسلامی نظام نافذ ہو سکتا ہے سیدنا ابو بکر صدیق کا انتخاب چند مقتدر صحابہ کرام کی رائے سے عمل میں آیا

سیدنا فاروق اعظم کی خلافت سیدنا صدیق اکبر کی طرف سے اپنا نائب مقرر کرنے سے عمل میں آئی، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہما ان دونوں حضرات کی خلافت حضرت فاروق اعظم کی مقرر کردہ مختصر سی مجلس شوریٰ کے ممبران کے فیصلہ کے مطابق عمل میں آئی۔ اس طرح یہ تین طریقے ہیں جن سے نظام خلافت قائم ہو سکتا ہے عام آدمی کو اسلام میں ووٹ کا حق نہیں دیا جاتا اور مروجہ ووٹ کے طریقہ کار کی تو اسلام میں کہیں بھی مثال نہیں ملتی کیونکہ مروجہ طریقہ انتخاب کا واحد مقصد بے دین سرمایہ دار، جاگیر دار، اور بیرونی قوتوں کے ایجنٹوں کی کامیابی کو یقینی بنانا ہے کئی نام نہاد محققین ان ووٹوں کو عین اسلام قرار دیتے ہیں اگر وہ تاریخ اسلام میں کہیں بھی ایسے ووٹوں کی مثال پیش کر دیں تو پھر ان کو سچا سمجھا جا سکے گا۔ لیکن اگر پوری تاریخ اسلام میں اسلامی ممالک پر انگریزوں کے تسلّط سے پہلے ایک مثال بھی ایسے الیکشنوں کی نہ مل سکے تو پھر انہیں اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا چاہیئے اسلام ہرگز اکثریت کی بنیاد کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اسلام کے معاملات اکثریت کی بنیاد پر طے پاتے ہیں اسلام کا معیار احکام الٰہی اور فرامین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ملک کے چار کروڑ ووٹر اگر ایک آدمی کے حق میں جمع ہو جاتے

ہیں لیکن وہ آدمی شرائط امامت پر پورا نہیں اترتا تو وہ امام نہیں بن سکتا اتنی بھاری اکثریت اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اور نہ ہی بے علم وعمل لوگ رائے دینے کا اختیار رکھتے ہیں اس طرح اکثریت کا قاعدہ اسلام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا ملاحظہ ہو

ثم جعلنٰک علیٰ شریعۃٍ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون ۰ (سورۂ جاثیہ پ۲۵)

ترجمہ۔ ہم نے پختہ کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں۔ پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔

وَاِنْ تطع اکثر من فی الارض یضلّوک عن سبیل اللّٰہ۔ (سورۂ انعام پا ۸)

ترجمہ۔ اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں

وَاِنَّ کثیراً لیضلون باھوائِھم بغیر علم (سورہ انعام پ۸)

ترجمہ اور بے شک بہیترے اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں بے جانے

وَلئن اتبعت اھواءھم من بعد ما جاءک من العلم انک اذاً لمن الظالمین (سورہ بقرہ پ۲)

ترجمہ۔ اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تمہیں علم مل چکا تو اس وقت تو ضرور ستمگار ہو گا۔

بے علم لوگ نہ ہی رائے دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کی رائے کو قبول کیا جائے گا صرف ایسے لوگ جو عالم باعمل ہیں شوریٰ کے ممبر بن سکتے ہیں اور ان ہی کو خلیفہ بنانے کا اختیار ہو گا

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مغربی جمہوری نظام کو بدلنا بہت مشکل ہے اور بار بار کے عمل سے اس کی جڑیں بہت مضبوط ہو چکی ہیں اس کو یکسر بدلنا ایک خلاء اور آئینی و قانونی بحران پیدا کر دے گا۔ ہاں یہ صحیح ہے لیکن جب عوام کو اس سے آگاہی حاصل ہو جائے کہ ان کی

مشکلات تکالیف مصائب سب اسی نظام کی وجہ سے ہیں اور سرمایہ داری جاگیرداری کو یہی نظام قائم رکھے ہوئے ہے اور جب تک لاکھوں کروڑوں کا کھیل جاری رہے گا عوام کو بنیادی حقوق نہیں مل سکتے اور قانونی مساوات کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ مغربی جمہوری نظام اسلام کے سراسر خلاف ہے تو اُسے وہ مسترد کرنے میں دیر نہیں کریں گے بشرطیکہ علماء اور مشائخ بھی اپنے عمل سے ثابت کر دیں کہ وہ اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں آپس کی عداوتیں ختم ہو جائیں تو پھر اسلامی نظام کا نفاذ کوئی مشکل نہیں جد وجہد کا راستہ کھلا ہے یہاں سوال تو اقتدار کا نہیں بلکہ دس کروڑ مسلمانوں کی دنیا و آخرت کا ہے اس کے لیے اسی نقطے پر ریفرنڈم بھی کرایا جا سکتا ہے اور تحریک بھی چلائی جا سکتی ہے اگر بے دینی کے لیے اس ملک میں لوگ تحریکیں چلا سکتے ہیں تو دین کے لیے کیوں نہیں چلائی جا سکتی کیا اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے عملی اور جاندار تحریک نہ چلانے کا علماء اور مشائخ کے پاس کوئی جواز ہے اسلامی نظام کے نفاذ کی عملی جد وجہد تمام مسلمانوں پر فرض ہے حقوق العباد اور حقوق اللہ کی پامالی کو دیکھتے ہوئے خاموش رہنا کس طرح جائز ہے کیا اسی کو مداہنت نہیں کہا گیا، اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مروجہ الیکشنوں اور نظام کو دو ٹوک الفاظ میں مسترد کر کے اسلامی نظام کی جد وجہد شروع کرنی ہوگی خواہ اس کے لیے کتنی قربانیاں ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔ جب تک علماء اور مشائخ قربانیاں دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اسلام کا نفاذ ناممکن ہے اسلام کسی کی مرضی اور اجازت کا محتاج نہیں بلکہ اس کو نافذ کرنا مسلمانوں کی اولین دینی ذمہ داری ہے جس سے کوتاہی، کفر، ظلم اور فسق کو مستلزم ہے، جو شخص اسلامی نظام کے نفاذ کو تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان ہے جو اس کا منکر ہے وہ حدود اسلام سے خارج ہے لہٰذا ایسے لوگوں سے رواداری کا تصور ہی گمراہی اور ضلالت ہے ——

اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت

اسلامی نظام کا نفاذ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے احیا، حصول اور بجا آوری کے لیے انتہائی ضروری ہے اسلامی نظام اہم الفرائض کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اسلامی نظام کے نفاذ کے بغیر اقامت صلوٰۃ زکوۃ کی وصولی اور مستحقین کو اس کی تقسیم اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد۔ تحفظ حرمت میام، عساکر اسلام کی تنظیم اور شعائر اسلام کی پاسداری وغیرہ ناممکن ہے۔

یوں ہی حقوق العباد۔ کا تحفظ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان کے حقوق بھی اسلامی نظام کے بغیر میسر آنا ناممکن ہیں ان میں سے بالخصوص ہر شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ تمام لوگوں کو عدل و انصاف کا بلا معاوضہ بہم پہنچانا بلاتمیز ہر شخص کو مساوی قانونی حقوق مہیا کرنا بنیادی ضروریات زندگی بغیر کسی فرق و تمیز کے ہر شخص کو دستیاب ہونا ڈاکہ چوری زنا شراب بدکاری بے حیائی کا خاتمہ کر کے پاکیزہ ماحول مہیا کرنا رشوت سفارش اقربا پروری کا قلع قمع کرنا۔ مہنگائی اور افلاس سے لوگوں کو بچانا یہ تمام ایسے اہم امور ہیں جو اسلامی نظام کے بغیر میسر آنا ناممکن ہیں

ریاست عدل خشیت الٰہی کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی جبکہ عدل و انصاف کی اللہ تعالیٰ نے سخت تاکید فرمائی ہے مذکورہ بالا امور اسلامی نظام کے نفاذ پر موقوف ہیں اس طرح اسلامی نظام بے شمار احکام ربانی اور ارشادات مصطفوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا مجموعہ ہے اور انفرادی فرائض کے مقابلہ میں اسے اہم الفرائض کی حیثیت حاصل ہے اس طرح اسلامی نظام کا نفاذ تمام فرائض سے بدرجہا ضروری

ہے اسی وجہ سے اس کا ترک، کفر، ظلم، اور فسق کا موجب ہے، افسوس کہ فقیہان عصر ام الفرائض کے نفاذ سے اغماض برت کر خلق خدا کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے محروم رکھ رہے ہیں۔

اسلامی انقلاب کے غلط دعوے

عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی اصطلاح عام ہو چکی ہے اور اسلام کے نام پر قائم جماعتیں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اسلامی انقلاب کے دعووں میں بازی لے جانے کے لیے کوشاں ہیں اس طرح کئی امام انقلاب اور قائد انقلاب، میدان عمل میں آچکے ہیں لیکن اس وقت تک سب کا پروگرام یہی ہے کہ مروجہ جمہوری پارلیمانی نظام کے تحت منعقد ہونے والے الیکشنوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب اقتدار ہمیں مل جائے گا تو ہم اسلامی نظام نافذ کریں گے، چالیس سال میں ایسی تمام جماعتیں کسی الیکشن میں چالیس قومی اسمبلی کی نشستیں بھی حاصل نہیں کر سکیں بلکہ روز بروز یہ تعداد کم ہو رہی ہے، پھر ایسے حالات میں جبکہ سرمایہ دار اور جاگیردار پہلے سے کہیں زیادہ سرمایہ اور جاگیریں جمع کر چکے ہیں اور اب تو ملوں کارخانوں اور درآمد برآمد اور اسمگلنگ کے ذریعہ بھی سرمایہ داری انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ایسے حالات میں صالح اور حلال پر گزر بسر کرنے والے لوگ مروجہ الیکشنوں کے ذریعہ کس طرح برسر اقتدار آسکتے ہیں کیونکہ اب تو قومی اسمبلی کا ووٹ کروڑوں روپے میں فروخت ہوتا ہے اس طرح اب تو الیکشن پر سرمایہ کاری قطعی محفوظ اور اس کے نتائج یقینی ہو گئے ہیں، ایسی صورت میں جہاں ایک طرف مال وزر، اسباب اور وسائل کی بہتات ہو گی اور دو کروڑ روپے تک

خرچ کر دینا بھی خطرے کا سودا نہیں ہوگا، ایسے حالات میں دو چار سیٹیں تو مخصوص علاقوں میں حاصل کرنا ممکن ہے لیکن یہ سوچنا کہ ایسی جماعتیں اسمبلی میں اکثریت حاصل کر کے آئین بدلنے کی پوزیشن میں آجائیں گی مروجہ طریقہ انتخاب کے تحت اسے ناممکن کہہ دیا جائے تو بھی شاید غلط نہ ہوگا۔

مصطفوی اِنقلاب کا عزم

آج کل مصطفوی انقلاب کی بازگشت بھی سنائی دے رہی ہے۔ یہ کتنا پاکیزہ عزم ہے جو لوگ حقیقت میں ایسے مبارک عزائم رکھتے ہیں وہ کتنے مبارک ہیں ان کی سعادت اور بلندئ مراتب کا اندازہ لگانا انسانی دسترس سے باہر ہے لیکن افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ان کا عمل ان کے دعووں کی تصدیق نہیں کرتا مصطفوی انقلاب کی تاریخ سامنے رکھی جائے اور عصر حاضر کے مدعیوں کے عمل کو دیکھا جائے تو اس میں واضح تفاوت ہے انقلاب مصطفوی میں کوئی الیکشن نہیں ہوا تھا وہ تو حق و باطل کو جدا کرنے کی تحریک تھی جس میں بے پناہ مشکلات بے شمار قربانیاں اعتصام بالحق کے بدلے ان گنت مصائب تھے اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے زہرہ گداز اور اجار کا قلب بھی شق کر دینے والے امتحانات تھے وہاں باطل کے ساتھ مفاہمت کا کوئی عمل کارفرما نہ تھا بلکہ حق و صداقت اور صراطِ مستقیم کی ہر قسم کی آلائشوں اور مصلحتوں سے پاک تبلیغ تھی صاف گوئی راست بازی اور مقصد کی واضح نشاندہی تھی

آج کل کے مدعی مصلحتوں کا شکار ہیں وہ مروجہ سیاست کے راستہ پر چل کر انقلاب مصطفوی کی بات کرتے ہیں، مروجہ سیاست یہود و نصاریٰ نے ترتیب دی ہے۔ اور اس

کا ہر شعبہ تاریک اور ہر شق غلیظ ہے۔ اس کے ذریعہ انہوں نے پوری طرح یہ کوشش کی ہے اور یقین حاصل کر لیا ہے کہ اس سیاست (مغربی جمہوریت) کے ذریعہ کبھی بھی اسلام اقتدار میں نہیں آسکتا تب ہی انہوں نے اس کو عام کیا اور آج تک اس کی سرپرستی میں کوشاں ہیں۔

لہٰذا مروجہ سیاست کے ذریعہ نہ تو انقلاب مصطفوی برپا ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہ انقلاب مصطفوی کا راستہ ہے اس راہ پر چل کر انقلاب مصطفوی برپا کرنے کے دعویداروں کی صداقت کو نہ تو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی توقع رکھی جا سکتی ہے ان کے قول وعمل کا تضاد ہی ان کی حقیقت کھول دینے کے لیے کافی ہے انقلاب مصطفوی سید الکونین علیہ الصلوۃ والسلام کی کامل پیروی سے ہی ممکن ہے۔

لہٰذا ایسے تمام دعویداروں سے دردمندانہ گذارش ہے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اگر واقعتہً اس پر عمل کرنے کا بھی آپ عزم صمیم کر چکے ہیں تو پھر مصلحتوں کو چھوڑ کر صاف طور پر اعلان کر دیجئے کہ مروجہ الیکشن غیر اسلامی ہیں لہٰذا ان کی منسوخی کا اعلان کیا جائے اور مجلس شوریٰ شرعی شرائط کے مطابق ترتیب دی جائے آئندہ مروجہ الیکشن نہیں ہونے دیئے جائیں گے۔

اسطرح یقیناً تائید ایزدی بھی ایسے لوگوں کے شامل حال ہوگی اور دین متین سے گہری وابستگی رکھنے والے لوگ بھی کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکیں گے ملک میں اسلامی سرفروشوں اور جانثاروں کی کمی نہیں ہے اگر کمی ہے تو مخلص قیادت کی ہے جو بدقسمتی سے ابھی تک مسلمانانِ پاکستان کو میسر نہیں آسکی۔

ہمیشہ اسلامی نظام کے دعویداروں نے غیر اسلامی راستہ اپنا کر عوام کے اعتماد کو سخت نقصان پہنچایا ہے اب عوام بھی سمجھ چکے ہیں لہٰذا اب ایسے حربے کارگر ثابت نہیں ہونگے۔ اب و لیقولوا قولاً سدیداً کا دور ہے اسی پر عمل ہی دنیا و آخرت کی کامرانیوں سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

حدیث پاک "لن یفلح قوم" کی تحقیق

عورت کی امارت کے متعلق حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث ثقفی کی روایت کردہ حدیث پاک کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے عورت کی سربراہی کے جواز کے قائلین نے جسطرح کوششیں کی ہیں اس سے ان کو حدیث پاک سے لاحق اضطرابِ قلبی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک سے انکا سکون کسطرح تباہ ہے۔ اس لیے وہ ہر قیمت پر اس حدیثِ پاک کو ضعیف ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے جلیل القدر صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، تابعین، ائمہ محدثین و مفسرین تک کسی کو بھی معاف نہیں کیا۔ اور اس راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو انہوں نے ختم کرنے کے لیے ہر قسم کی حدود و قیود کو پامال کر ڈالا۔

ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ناموس اہل بیت اطہار سے بھی انہیں عورت کی سربراہی عزیز ہے۔ ناموسِ صحابہ و تابعین سے بھی انکو عورت کی سربراہی قیمتی نظر آتی ہے۔ قرآن کریم اور حدیث پاک کی صداقت سے بھی عورت کی سربراہی کو انہوں نے اہم سمجھا ہے۔ انہیں اس راہ سے قہر و غضب ربّی کا اندیشہ بھی باز نہ رکھ سکا — سیّد العالمین محمّد مصطفےٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی سوچ بھی ان کی راہ کی دیوار نہ بن سکی۔ قرآنی احکامات بھی ان کو نظر نہ آتے۔ ان تمام عظمتوں کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے اسلام کے قلادے اتار پھینکے، سمع و طاعت کے اصولوں کو نظر انداز کر دیا ایمان اور ایقان کی متاعِ بے بہا کو کوڑیوں کے داموں فروخت کر دیا۔ عشق و محبّت حقیقی سے اپنے قلوب کو بیگانہ کر دیا۔ آخرت کی ابدی نعمتوں پر دنیا کی متاع قلیل کو ترجیح دی اور اسطرح خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بن گئے۔

ہم آئندہ صفحات میں گستاخی و بدزبانی کے وہ نقوش قارئین کے سامنے پیش

کریں گے۔ جو ایسے لوگوں نے محض عورت کی سربراہی کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے تاریخ اسلام کے رُخِ زیبا پر داغ کر اپنی شقاوت کو طشت از بام کر دیا ہے۔
حالانکہ اس حدیث پاک سے کہیں زیادہ عورت کی سربراہی کے عدم جواز کے وہ دلائل تھے جنہیں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن اس حدیث پاک کو ہدف بنا کر اور اس کے رواۃ پر بلا جواز سوقیانہ تنقید کر کے اسلام دشمنی اور بغض باطنی کا اظہار کیا گیا ہے۔
جن ائمہ محدثین واسماء الرجال کے حوالے پیش کر کے طارق و شہاب نے اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے انہی ائمہ کو بدزبانی اور دشنام طرازی کا ہدف بھی بنایا ہے۔ تحریف و تلبیس، غلط حوالوں غلط معانی و مطالب مفہوم و مقصود کا ایک جنگل آپ کو نظر آئے گا۔ ایسا جنگل جس میں زقوم (تھوہر) اور خاردار جھاڑیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ حالانکہ اس مضمون کی صرف یہ ایک ہی حدیث نہیں ہے بلکہ متعدد سندات کے ساتھ یہ حضرت ابوبکرہ سے مروی ہے۔
حضرت حسن بصریؒ میں اگر سقم ہے تو تین دیگر ایسی اسناد بھی ہیں جن میں حضرت حسن بصریؒ راوی نہیں ہیں۔ اور حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث سے ہی کدورت ہے تو حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر بن سمرہ سے بھی ایسی ہی احادیث مروی ہیں لیکن ان کے سقم کا علاج صرف دلائل اور حقائق سے ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ توقع بے جا ہو گی کہ منکرین اور کاذبین اس حدیث پاک کی صحت کو تسلیم کر لیں گے۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی تحقیق نہیں بلکہ انکار ہے۔ ذیل میں حدیث پاک نقل کی جا رہی ہے ملاحظہ ہو۔
کتاب المغازی میں امام بخاری روایت کرتے ہیں :-

حدثنا عثمان بن الهيثم قال حدثنا عوف عن الحسن عن ابی بكرة قال لقد نفعنی الله بكلمة سمعتها من رسول الله صلے الله عليه وسلم ايام الجمل بعد ما كدت عن الحق باصحاب الجمل فقاتل معهم قال ؛

لما بلغ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس قد ملکوا علیھم
بنت کسریٰ قال لا یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃً (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۷/۱۰۵۲)
امام بخاری نے اسی حدیث کو کتاب الفتن میں بھی روایت کیا ہے ۔

"امام بخاری از عثمان بن الہیثم از عوف از حسن بصری از حضرت نفیع بن حارث ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ، روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، ایام جمل میں جبکہ قریب تھا کہ میں اصحاب جمل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور انکے ساتھ مل کر جنگ کرتا تو مجھے اس حدیث نے فائدہ پہنچایا جو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی ۔ جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے معاملات میں عورت کو حاکم بنالیا ۔

اسی حدیث پاک کو امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی نے ترمذی شریف ابواب الفتن میں نقل کرنے کے بعد فرمایا " ھٰذا حدیث صحیح " یہ حدیث صحیح ہے جامع ترمذی ص ۳۳۰)
امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے ۔ (المستدرک ج ۴ ص ۵۲۵) (سنن کبیر ، ج ۱۰ ص ۱۱۸ ، مشکوٰۃ ص ۳۲۱) ۔

مسند امام احمد حنبل میں اسی مضمون کی متعدد احادیث مختلف اسانید سے

مسند امام احمد میں اسی مضمون کی متعدد احادیث حضرت ابو بکرہ سے مختلف اسانید اور الفاظ کے معمولی ردّ و بدل کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں ــــــ ملاحظہ ہوں :

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا اسود بن عامر ثنا حماد بن سلمۃ عن حمید عن الحسن عن ابی بکرۃ فقال ان ربی تبارک وتعالٰی قد قتل ربك یعنی کسریٰ قال وقیل لہ یعنی للنبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قد استخلف ابنتہ

قال فقال لا یفلح قوم تملکھم امرأۃ۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳)

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا احمد بن عبد الملک الحرانی ثنا ابو بکرۃ بکار بن عبد العزیز بن ابی بکرۃ قال سمعت ابی یحدث عن ابی بکرۃ انہ شھد النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ بشیر یبشرہ بظفر جند لہ علی عدوھم ورأسہ فی حجر عائشۃ رضی اللہ عنہا فخر ساجدا ثم انشأ یسأل البشیر فاخبرہ فیما اخبرہ انہ ولی امرھم امرأۃ فقال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم الآن ھلکت الرجال اذا اطاعت النساء ثلثا۔ (مسند امام احمد ج ۵ ص۴۵، اعلاء السنن ج ۱۴ ص۲۲)

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن بکر ثنا عیینۃ عن ابیہ عن ابی بکرۃ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ (مسند امام احمد ج ۵ ص۴۷)

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یزید بن ھارون عن عیینۃ عن ابیہ عن ابی بکرۃ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ۔ (مسند امام احمد ج ۵ ص۴۷)

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یزید بن ھارون حدثنا مبارک بن فضالۃ عن الحسن عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یفلح قوم تملکھم امرأۃ۔ (مسند امام احمد ج ۵ ص۴۷)

قال ابو عبد الرحمٰن وجدت ھذہ الاحادیث فی کتاب ابی بخط یدہ ثنا ھوذۃ بن خلیفۃ ثنا حماد بن سلمۃ عن علی بن زید عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ عن ابی بکرۃ الی آخرہ (مسند احمد ج ۵ ص۴۸)

اخبرنا محمد بن عبد الرحمٰن السامی قال حدثنا احمد بن عبد اللہ بن یونس قال حدثنا مبارک بن فضالۃ عن الحسن عن ابی بکرۃ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

لن یفلح قوم تملکھم امرأۃ" (صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۵ ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵،
مستدرک ج ۴ ص ۲۹۱)

یہ وہ مختلف سندیں ہیں ۔ اسطرح حضرت ابوبکرہ کے علاوہ باقی تمام روایات میں تقریباً راوی تبدیل ہیں ۔ حضرت حسن بصری اور عوف پر اعتراض کرنے والوں کے لیے ان تمام اسانید اور تمام راویوں پر کیا ایسے ہی اعتراضات اور جرح ہے؟ اور اگر ہے تو وہ ظاہر کریں انشاء اللہ ان پر جرح کے جوابات بھی پیش کر دیئے جائیں گے ۔ اس قدر روایات اور تعدد رواۃ کے باوجود بھی اس حدیث پاک کے ضعف کا قول کیا؟ اس مضمون کی احادیث کا کھلا انکار نہیں تو کیا ہے ۔ آئندہ صفحات میں ہم اسی مضمون کی دو روایتیں نقل کریں گے جن کو حضرت ابوہریرہ رضؓ اور حضرت جابر بن سمرہ رضؓ نے روایت کیا ہے ۔

حدیث مذکور میں "قوم" سے بالخصوص اصحاب جمل مراد نہیں ہیں

رحمت اللہ طارق نے لکھا ، عبارت ملاحظہ ہو :

"اس کا ابتدائی لفظ قوم نکرہ ہے ۔ اسے معرفہ بنانے کے لیے کسی قاعدہ قانون کا سہارا نہیں لیا گیا ۔ مان لیا کہ یہاں "قوم" سے ۶۵۷ھ میں جنگ جمل کا ایک فریق مراد ہے ۔ لیکن اسطرح بہ پس منظر پیشگی تراشش سے متعلق ہو کر روایت کی پوزیشن کو مشکوک بنا گیا ہے ۔ (عورت اور مسئلہ امارت ص ۱۵)

رحمت اللہ نے یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ لکھا ہے ۔ اس روایت میں "قوم" سے جنگ جمل کا فریق بالخصوص مراد نہیں ہے بلکہ یہ اپنے عموم اور اطلاق پر ہے نہ ہی اس نکرہ کو معرفہ قرار دیا گیا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ جب لفظ نکرہ نفی کے تحت واقع ہو تو قواعد عربیہ کے مطابق اس میں عموم اور استغراق ہوتا ہے ۔ اس قاعدہ سے اس روایت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر وہ قوم جو اپنے معاملات کا امیر اور حاکم کسی عورت کو بنالے

وہ فلاح سے محروم رہے گی۔ اور اس قاعدہ کلیہ کا ایک مصداق اور فرد اصحاب جمل بھی تھے۔ کیونکہ ان کی امیر حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں جو کہ ایک عورت تھیں۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے اصحاب جمل کے لشکر میں شامل ہو کر جنگ کرنے کا فیصلہ بدل دیا۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تھا۔ بلکہ ایک اتفاقی حادثہ سے حضرت عائشہ اس کلیہ کا ایک مصداق بن گئی تھیں۔ اور جب ان کا ذہن اسطرف متوجہ ہوا کہ انکا یہ اقدام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہے تو انہوں نے اس سے رجوع فرما لیا۔ جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔

بالخصوص حضرت عائشہ کو قیادت نہ کرنے پر تنبیہ کرنے کی بحث

طارق کی عبارت ملاحظہ ہو :-

" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اطلاع تھی کہ آپ کی رحلت کے ربع صدی بعد آپ کی زوجہ محترمہ کو اس کا نشانہ بننا پڑے گا تو یہ ناممکن تھا کہ آپ اپنے اہل خانہ کو تباہی کے پیش آنے سے پہلے باز نہ رکھتے۔ لیکن دینی تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی اپنے اہل خاندان کو جمل جیسے ناگوار حادثے سے دوچار ہونے کی اطلاع نہیں پہنچائی۔"

(عورت اور مسئلہ امارت، ص ۱۶)

پہلے تو یہ مفروضہ غلط ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے اہل خاندان یا دیگر اصحاب اور قرابت داروں کو مستقبل میں آنے والی تباہیوں کے بارے میں شخصی طور پر بتائیں۔ دیکھئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے برادر نسبتی تھے۔ اور حضرت علی آپ کے عم زاد اور داماد تھے۔ دونوں ہی آپکے اہل خاندان سے تھے اور ان دونوں کے درمیان ایک بڑے عرصہ تک جنگ جاری رہی۔ جس کے نتیجے میں طرفین سے بیشمار مسلمانوں کا خون بہا اور شہداء کا انبار لگتا رہا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کا موقف غلط تھا جس کی وجہ سے اتنی خونریزی ہوئی۔ اور امت مسلمہ ایک عظیم خلفشار کا شکار رہی۔ لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے شخصی طور پر نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روکا کہ تم قصاص عثمان کے معاملہ میں علی سے جنگ نہ کرنا۔ نہ شخصی طور پر حضرت علی سے فرمایا کہ تم معاویہ کا موقف تسلیم کر لینا۔ کون نہیں جانتا کہ اس امت میں سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان کی شہادت سے رونما ہوا۔

حضرت عثمان بھی آپ کے داماد اور خاندان میں سے تھے لیکن آپ نے شخصی طور پر انہیں نہیں بتایا کہ تم ایک عظیم فتنہ سے دوچار ہونے والے ہو تم فلاں کام نہ کرنا فلاں شخص پر اعتماد نہ کرنا ورنہ اس کے نتیجے میں زبردست حادثہ رونما ہو جاتے گا۔ دوسرا یہ بھی غلط ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ کو اس فتنے کے بارے میں تنبیہ نہیں کی تھی۔ آپ نے اس فتنے کے بارے میں حضرت عائشہ کو آگاہ کیا تھا لیکن جو کام قضائے ہونا ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ لیکن جیسے ہی حضرت عائشہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ یاد آئی آپ نے اپنے اقدام سے رجوع کر لیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا بنو عامر کے ایک پانی پر پہنچیں تو ان پر کتے بھونکنے لگے حضرت عائشہ نے پوچھا یہ کونسا پانی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حوآب ہے۔	ومن طریق قیس بن ابی حازم قال لما اقبلت عائشۃ نزلت بعض میاہ بنی عامر نبحت علیھا الکلاب فقالت ای ماءٍ ھذا ؟ قالوا حوأب بفتح الحاء المھملۃ وسکون الواو و

بعدهما همزة ثم موحدة ،
قالت ما اظنني الا راجعة ، فقال
لها بعض من كان معها بل تقدمين
فيراك المسلمون فيصلح الله
ذات بينهم ۔ فقالت ان النبي
صلى الله عليه وسلم قال لنا ذات يوم ؛
كيف باحداكن تنبح عليها كلاب
الحوأب ۔

واخرج هذا احمد وابو يعلى
والبزار وصححه ابن حبان
والحاكم وسنده على شرط الصحيح
وعند احمد فقال لها الزبير
تقدمين فذكره ۔ ومن طريق عصام
ابن قدامة عن عكرمة عن ابن عباس
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال
لنسائه ؛ ايتكن صاحبة الجمل
الادبب بهمزة مفتوحة ودال ساكنة
ثم موحدتين الاولى مفتوحة تخرج
حتى تنبحها كلاب الحوأب يقتل عن
يمينها وعن شمالها قتلى كثير وتنجو
من بعدها ما كادت وهذا رواه

حضرت عائشہ نے فرمایا میری رائے ہے
کہ میں اب لوٹ جاؤں! حضرت عائشہ کے
بعض ہمراہیوں نے کہا بلکہ آپ آگے بڑھیں
مسلمان آپکو دیکھیں گے پھر اللہ تعالےٰ
مسلمانوں کی بہتری کرے گا۔ حضرت عائشہ
نے کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن
ہم سے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک کا
اس دن کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب
کے کتے بھونکیں گے۔

اس حدیث کو امام احمد امام ابویعلیٰ اور
بزار نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان
اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے
اور اس کی سند حدیثِ صحیح کی شرط کیمطابق
ہے۔ اور عصام بن قدامہ نے از عکرمہ
از ابن عباس روایت کیا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنی ازواج
سے فرمایا کہ تم میں سے کون اونٹ پر سوار
ہو کر جائے گی حتی کہ اس پر حوأب کے کتے
بھونکیں گے اسکے دائیں بائیں لوگ کٹ کٹ
کر گریں گے اور بہت لوگ قتل ہونگے اور
اسکے بعد نجات کی کم توقع ہے "

البزار و رجالہ ثقات،

(فتح الباری جلد۱۳ ص ۵۵) (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۱ ص ۷۶۸)

مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ، مسند بزار، صحیح ابن حبان اور مستدرک کی ان احادیث صحیحہ سے واضح ہوگیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیادت پر اشارۃً ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا اور جیسے ہی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا تو آپ نے فوراً اس سے رجوع کر لیا اور یہی اھل حق کا شیوہ ہے۔

غور کیجیئے! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام مسلمانوں کی ماں ہیں اور سب کی عزت و احترام اور عقیدتوں کا مرکز ہیں۔ سورت نور کی پندرہ آیات انکی پاکدامنی میں میں نازل ہوئیں۔ اس کے باوجود جب ان کی امارت نگاہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہے تو بعد کے ادوار کی کسی عورت کی امارت کے جواز کا کیا سوال ہو سکتا ہے۔ تاریخ اسلام کا ایک ایک لفظ اس حقیقت پر شاہد عادل ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا دیگر امہات المومنین سے کسی نے بھی نہ تو خلافت کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی لاکھوں مسلمانوں میں سے بلکہ لاکھوں صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے امہات المومنین یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہرا کی خلافت کی بات کی۔ اگر عورت کی ملکی سربراہی جائز تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ مستحق آپکی صاحبزادی یا آپ کی ازواج مطہرات تھیں۔ لیکن اس حقیقت پر کہ عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی خیر القرون کا یہ اجماع سکوتی ہے جس کے بعد امت کے کسی دور کے کسی مخبوط الحواس کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

بقول طارق جنگ جمل میں تیس ہزار افراد کی قیادت ام المومنین نے فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ عورت امارت کی اہل ہے۔ اگر طارق کی اس دلیل میں کوئی وزن ہے تو قابل غور

سوال یہ ہے کہ ام المومنین اگر امارت کی مدعی تھیں اور جنگ جمل کی قیادت محض قاتلین سیدنا عثمان سے قصاص لینے کے لیے اتفاقاً رونما نہیں ہوئی تھی تو ام المومنین نے جنگ جمل کے بعد اپنا دعویٰ کیوں ترک فرمادیا تھا۔ اور جنگ جمل کے خاتمہ کے بعد حضرت ام المومنین اپنے دعوی امارت سے کیوں دستبردار ہوگئیں۔ طارق کے نزدیک اس واقعہ کی تراش خراش کیا ہوگی اور وہ اس عمل کی تاویل کے لیے کن اصحابِ دانش وبینش کو دعوت فکر دے گا جو اس کی منطق سے متاثر ہو کر اس کی لغویات کو اسلامی فلسفہ کا سرٹیفکیٹ دے سکیں۔

ذیل میں طارق کی کتاب کا ایک طویل اقتباس پیش کیا جارہا ہے جس میں اٹھائے گئے سوالات کا جواب عبارت نقل کرنے کے بعد دیا جائے گا۔ یہ طویل اقتباس پیش کرنا اس لیے بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قارئین کو طارق کے گستاخانہ خیالات کا علم اور اندازہ ہوسکے کہ وہ ائمہ کرام اور صحابہ عظام اور اسلام کی نامور دیندار پرہیزگار شخصیات کے متعلق کیسی زبان استعمال کرتا ہے۔

طارق کی عبارت ملاحظہ ہو ـــــــــــــــــــ

"اس واقعہ کو تمام مورخوں نے اختصار کے ساتھ اور ان کی تقلید میں امام بخاری نے حوالے کے بطور پیش کیا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نے زیر بحث روایت کی ضمیمہ کے بطور نشاندہی نہیں کی۔ لہٰذا سوچنا پڑے گا کہ یہ فقرہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منشورِ رحمت کے واقعہ کا ضمیمہ بنایا گیا تو کیسے بنایا گیا؟۔ اور کیا وجہ ہوتی کہ جنگ جمل (۶۵۶ء م) کے حادثے کے ظہور پذیر ہوتے ہی عورت کی سربراہی میں ہلاکت اور تباہی کا تاثر دیا جانے لگا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ربع صدی بعد ایک ایسا فقرہ تراش کر آپ کی طرف منسوب کرنے سے کسی طرح حدیثِ نبوی

کہلا سکتا ہے جسے حرمین شریفین کے مسلمان اور خود جنگ جمل میں حصہ لینے والے صحابہ و تابعین حضرات جو پچاس ہزار کے لگ بھگ تھے جانتے ہی نہیں تھے ؟ ہے کوئی جو اس کا جواب مرحمت فرما دے ؟

آیئے ! آج کی صحبت میں اس راز سربستہ کو سر محفل لا کر ارباب دانش وبینش پر واضح کر دیں کہ امت اسلام کے بہت سے افراد با ایں زہد و تقویٰ احادیث نبوی کے بارے میں بہت ہی بد احتیاط اور اخذ مطالب میں غیر سنجیدہ واقع ہوتے تھے ان کا ظاہری کردار تو قابل رشک تھا مگر اُن کا باطن سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے ملوث رہا یا ملوث کیا جاتا رہا۔

سوچیئے کہ یہ فقرہ کیوں کر اور کن مصلحتوں کے پیش نظر "جنگ جمل" کے دوران یا اس کے فوراً بعد مشتہر کر کے زباں زد کرایا گیا ؟ اور گمنام اشخاص نے مخلوط علمی ماحول سے فائدہ اٹھا کر کس طرح اپنے دام تزویر کو پھیلا دیا ؟ " (عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۰)

قارئین خط کشیدہ عبارات پر توجہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ کیا یہ انداز تحریر کسی مسلمان کو صحابہ کرام کے متعلق زیب دیتا ہے ۔

طارق کو فن اسماء الرجال پر بڑا ناز تھا۔ لیکن تاریخ کی طرف اس کا دفعتہً رجوع یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ حدیث پاک کو اسماء الرجال کے حوالے سے ضعیف ثابت کرنے میں ناکامی کا اعتراف کر چکا ہے۔ اصحاب عقل و فہم پر طارق کی یہ قلابازی اس کے تمام پنہاں دجل و فریب مکاریوں، عیاریوں، سازشوں، غداریوں بغاوتوں اور سیاہ کاریوں کو ظاہر کر گئی ہے خیر القرون کے قابل رشک و لائق ستائش اکابرین امت مسلمہ پر اس نے سازشوں اور فتنہ پردازیوں وغیرہ کا الزام لگا کر اپنی مذہبی حیثیت اور دینی آوارگی کو بے نقاب کر دیا ہے ۔

جوابات ملاحظہ ہوں :۔

پہلی بات یہ ہے کہ امام بخاری نے کسی مؤرخ کی تائید میں یا کسی تاریخی واقعہ کے ثبوت میں احادیث جمع نہیں فرمائیں۔ امام بخاری کے جانچ اور پرکھ کے اپنے اصول تھے اور حدیث کے رد اور قبول میں امام بخاری کا معیار سب سے اونچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے اور اگر رحمت اللہ طارق اپنے آپ کو اس اجماع سے الگ رکھنا چاہتا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

رہا یہ کہ حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل سے پہلے اس حدیث کو کیوں روایت نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض احادیث کو بعض واقعات کے ساتھ ایک مناسبت ہوتی ہے اور اس مناسبت سے وہ احادیث یاد آجاتی ہیں۔ اور اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "الائمۃ من القریش" کی حدیث اس وقت بیان کی جب ثقیفہ بنو ساعدہ میں خلیفہ کا انتخاب ہو رہا تھا اور انصار کہہ رہے تھے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے۔ اور اس وقت کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر نے اس سے پہلے یہ حدیث کیوں نہیں بیان کی؟

اسیطرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اقدس کی تدفین کا مسئلہ درپیش ہوا تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی کو وہیں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔ اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے پہلے یہ حدیث کیوں نہیں بیان کی؟ — اسطرح حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بھی جب اصحاب جمل کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کا ارادہ کیا تو اس موقعہ کی مناسبت سے انہیں یہ حدیث یاد آگئی۔ اور چونکہ اس سے پہلے عورت کی امارت کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا اس لیے

آپ کا ذہن اسطرف متوجہ نہیں ہوا تھا اور نہ حضرت ابوبکرہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ تم نے پہلے یہ حدیث کیوں نہیں بیان کی۔ اور چونکہ تمام صحابہ روایت کرنے میں عادل اور صادق ہوتے ہیں اس لیے امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی میں سے کسی نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر اس حدیث کی روایت میں بدگمانی نہیں کی اور تمام ائمہ اور فقہاء اسلام نے اس حدیث کو قبول کیا اور اس سے فقہی مسائل کا استنباط کیا اور تمام اہلِ اسلام اور پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے صرف رحمت اللہ طارق اور شہاب وغیرہ نے حضرت ابوبکرہ پر بدگمانی کی سعادت حاصل کی ہے۔

آج تک تمام اہل اسلام اس حدیث پر اعتماد کرتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ طارق بسیار کوشش کے باوجود کسی محدث اور کسی فقیہ کی یہ رائے پیش نہیں کر سکا کہ یہ حدیث من گھڑت، خود ساختہ اور موضوع ہے۔ تمام فقہاء اسلام اور محدثین عظام کے مقابلہ میں یہ ان کی منفرد رائے ہے اور اس سفر میں انہوں نے اپنا راستہ سب سے الگ کر لیا ہے۔ انہیں اس آیت پر غور کر کے قہر و غضب الٰہی سے خوف کرنا چاہیئے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولّٰی ونصلہ جہنم وساءت مصیرًا۔

(سورہ نساء آیت ۱۱۵)

اور جو سیدھا راستہ ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اس کو اسیطرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں پہنچا دیں گے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ جب یہ حدیث موجود تھی تو پچاس ہزار کے لگ بھگ صحابہ اور تابعین نے جنگ جمل میں کیوں حصّہ لیا؟ یہ ایک غیر سنجیدہ اور بے تکا سوال ہے۔ جب اس سے پہلے حضرت ابوبکرہ نے یہ حدیث روایت نہیں کی تھی تو ان پچاس ہزار صحابہ اور

تابعین کو اس کا علم کیسے ہو جاتا؟ خود جناب ام المومنین بھی قضاء الٰہی سے اس امر کیطرف تب متوجہ ہوئیں جب مقام حوأب میں آپ پر کتے بھونکے، اور پھر آپ نے رجوع فرمالیا. کیا یہ جواب دینے کی کسی میں ہمت ہے کہ اس سے پہلے ام المومنین کو وہ حوأب والی حدیث پاک کیوں یاد نہ آئی۔ مکہ مکرمہ سے لے کر مقام حوأب تک بھی آپ کو یہ حدیث یاد نہ آئی۔ لیکن جب آپ نے اس وقت یہ حدیث بیان فرمائی تو کسی نے آپ کو یہ کہا کہ یہ حدیث تو خود ساختہ اور من گھڑت ہے کیونکہ اسے آپ نے آج مقام حوأب پر کیوں بیان فرمایا اس سے پہلے کیوں بیان نہ فرمایا؟۔

جسطرح پہلے یہ حدیث پاک نقل کی جا چکی ہے کہ ام المومنین کو جب یہ حدیث پاک یاد آئی تو آپ نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت ابن زبیر کی یہ تجویز کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ دو مسلمان گروہوں میں صلح کرادے۔ آپ اس نیت سے آگے جانے پر آمادہ ہوئیں۔

بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جاتے کہ یہ حدیث پاک خود ساختہ ہے کیونکہ یہ اسوقت سامنے آئی جب جنگ جمل شروع ہو چکی تھی، تو جواب طلب امر یہ ہے کہ جنگ جمل کے بعد طویل عرصہ تک ام المومنین بقید حیات رہیں جب یہ حدیث پاک منظر عام پر آچکی تھی اور اس کے متعلق ام المومنین کو بھی علم ہو چکا تھا اور بالخصوص اس میں یہ حوالہ بھی موجود تھا کہ جب قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو اس وقت حضور علیہ السلام حضرت ام المومنین کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ خوشخبری سن کر آپ اٹھے آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا، اس کے بعد قاصد سے فارس کا حال دریافت فرمایا تو قاصد نے یہ خبر دی کہ انہوں نے کسریٰ کی بیٹی کو سربراہِ حکومت بنالیا ہے۔ اس خبر کے جواب میں حضور علیہ السّلام نے یہ ارشاد فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ ۔ اس وقت ام المومنین موجود تھیں اور یہ سب کچھ سن رہی تھیں۔ اگر حضرت ابوبکرہ نے یہ حدیث من گھڑت بیان کی تھی تو ام المومنین

نے اس کی تردید کیوں نہ فرمائی ؟ ۔ ام المومنین کے عمل نے بھی اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے میں اہم کردار انجام دیا ہے ۔

نیز یہ حدیث نہ کسی منشور رحمت اور ہدایت کا تتمہ تھی اور نہ ہی ضمیمہ۔ طارق نے اس کو کسی اور حدیث کا جزو ثابت کرنے کی کوشش کر کے اس کو مشکوک بنانے کی ناپاک سازش کی ہے جس میں کوئی وزن نہیں بلکہ فتنہ پردازی کا ایک بھونڈا طریقہ ہے جو غیض باطنی کا عکاس ہے ۔

بنت کسریٰ آزرمیدخت کو بادشاہ بناتے جانے کی قاصد نے خبر دی اور حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔ اسطرح کلام مکمل ہو گیا لہٰذا اسے اپنی تکمیل کے لیے کسی اور کلام سے الحاق یا اس کا جزو بننے کی احتیاجی باقی نہ رہی ۔

حضرت ابوبکرہ کی روایت پر عقلی اعتراضات کے جوابات

طارق کی ایک طویل عبارت ملاحظہ ہو جسے نقل کرنے کے بعد جوابات عرض کیئے جائیں گے ۔

"یہ روایت موجودہ الفاظ کی رُو سے اپنے مفہوم میں واضح بھی ہے اور مبہم بھی واضح اس لحاظ سے کہ اس سے عورت کی قیادت کی نفی ہو جاتی ہے اور مبہم اس معنیٰ میں ہے کہ عائشہ کے بارے میں تشنہ ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم (۶۳۱ء م) "میں آذرمیدخت" کی تخت نشینی کی خبر سُن کر مذکورہ فقرہ زبان پر لا چکے تو۔ آپ کی وفات کے ربع صدی بعد تک صحابہ کرام سے کیوں پوشیدہ رہا ؟ اور بقول بدرالدین عینی حنفی (۱۴۵۱ء م)..... حضرت علی کی فوج کے بیس ہزار اور جنابہ صدیقہ کے تیس ہزار حامی ..... عمدۃ القاری طبع مصر جلد ۱۱/ ۲/۵۹ تا ۳) اس اہم موقعہ پر اس اہم حدیث

سے آشنا کیوں نہ ہو سکے؟ سیّدنا امام حسنؓ نے معرکۂ جمل کے موقع پر بھرے کے کوچہ و بازار میں سیّدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکۃ الآراء لیکچر دیئے مگر کہیں بھی اپنے نانا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کا حوالہ نہ دے سکے۔ بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے چاہیئے تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبہم فرمان کی وضاحت فرما دیتے تاکہ مسلمان کارزارِ جمل میں حصّہ ہی نہ لے سکتے۔ اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پہلے سے کہیں اس روایت کا وجود ہوتا تو بروقت ہی صدیقہ کی محاذ آرائی کو رد کا جا سکتا تھا۔ ایسے میں تنہا نفیع بن الحارث کو (۶۵۶ھم) میں یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ عائشہؓ کی حمایت گمراہی اور ہلاکت کیطرف لے جانے والی ہے؟ اور کیوں اس کے ذہن میں یہ منفی جذبہ ابھرا کہ ام المومنین کی حمایت کو ایک کافرہ کی امارت سے تشبیہ دے کر تاریخ اسلام میں ایک ناگوار تاثر چھوڑا؟ یا یہ کہ ابوبکرہ نفیع کے شاگردوں نے آپ کے ذاتی خیالات کو نبوی فیصلہ کا عکس ٹھہرا کر ہر قسم کی ذمہ داری نفیع پر کیوں ڈالی؟ اور پھر یہ بھی سوچئے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کلی طور پر "تباہی ایران" کے لیے "غیر استثنائی" بددعا کی تھی تو ایسے میں آتش پرست مردوں کی قیادت میں عافیت اور عورت کی سربراہی میں تباہی سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟"

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۱، ۲۲)

اس طویل عبارت میں طارق نے حقائق اور واقعہ اور اسلام کے مسلّمہ عقائد کیخلاف جو زہر اگلا ہے انکی تردید اور تفصیل حسب ذیل ہے ملاحظہ ہو —

۱۔ اس کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ جو قوم بھی عورت کو اپنا امیر اور سربراہ بنائے گی وہ فلاح (اخروی) سے محروم ہو گی۔ خواہ وہ مسلمان قوم ہو یا کافر۔ اس حدیث کا

تعلق نہ بالخصوص اہل فارس سے اور نہ بالخصوص اہل جمل سے ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے عورت کی امارت کے مسئلہ میں ایک واضح ہدایت دی ہے اور اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔

ب:۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث کو حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث ان کو واقعہ جمل سے پہلے یاد نہیں آئی اور اس سے پہلے انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ اس لیے یہ سوال لغو ہے کہ جب یہ حدیث موجود تھی تو جنگ جمل کیوں برپا ہوئی۔؟

ج:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقبل کے بارے میں جو ہدایات ہیں وہ عمومی اور اطلاقی ہیں۔ آپ نے مستقبل کے کسی واقعہ کے بارے میں کسی صحابی کو خاص اور جزوی ہدایات نہیں دیں۔ مثلاً حضرت عثمان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم مروان پر اعتبار نہ کرنا ورنہ اس کی وجہ سے تمہیں فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم، اہل کوفہ کے وعدوں پر اعتبار مت کرنا ورنہ یہ تمہارے عم زاد سے بھی دغا کریں گے اور تم کو بھی عین وقت پر دھوکہ دیں گے۔

حضرت معاویہ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم یزید کو ولی عہد نہ بنانا ورنہ یہ حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء کے قتل کا سبب بنے گا۔ مدینہ میں قتل و غارت گری کو مباح کر دے گا۔ اور خانہ کعبہ پر سنگ باری کرے گا۔ لہذا یہ سوال بالکل لغو ہے کہ "بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے چاہیے تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبہم فرمان کی وضاحت فرما دیتے۔ تاکہ مسلمان کارزارِ جمل میں حصہ ہی نہ لے سکتے؟"

د:۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اگر اس روایت کا پہلے وجود ہوتا تو بروقت ہی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محاذ آرائی کو روکا جا سکتا تھا۔ کیونکہ بعض اوقات حدیث کیطرف ذہن متوجہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں یہ حدیث مجھے اس وقت یاد آئی جب جنگ شروع ہو

چکی تھی۔ اور میں حضرت عائشہ کے لشکر میں شامل ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کی نظیر اس حدیث میں ہے :-

عن ابان بن عثمان قال سمعت ابی یقول قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مامن عبد یقول فی صباح کل یوم ومساء کل لیلۃ " باسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شئی فی الارض ولافی السماء وھو السمیع العلیم ثلاث مرات فلایضرہ شئی فکان ابان قد اصابہ طرف فالج فجعل الرجل ینظر فقال لہ ابان ما تنظرالی اما ان الحدیث کما حدثتک ولکنی لم اقلہ یومئذٍ لیمضی اللہ علی قدرہ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ وابو داؤد۔ (مشکوٰۃ المصابیح صـ۲۰۹)

ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر روز صبح اور شام تین بار یہ کہے گا بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم، اس کو کوئی چیز ضرر نہیں دے گی ابان کے جسم کے ایک حصہ پر فالج گر گیا ایک شخص (اس روایت کی وجہ سے) انہیں گھور کر دیکھ رہا تھا۔ ابان نے کہا گھور کیا رہے ہو؟ حدیث اسیطرح ہے جسطرح میں نے تم کو بیان کی ہے لیکن ایک دن میں نے یہ کلمات نہیں پڑھے اور اللہ کی تقدیر مجھ پر نافذ ہو گئی۔"

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اب تک ابو بکرہ کا اس حدیث کو بیان نہ کرنا اور ان کو یاد نہ آنا بھی قضاء و قدر سے تھا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی حکم کا قرآن مجید یا حدیث صحیح سے علم ہوتا ہے۔ لیکن بعض لوگ کوئی تاویل یا توجیہہ کر کے اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کے عمل نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حکم کا پہلے وجود نہیں تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ انکی

تاویل غلط ہو۔ لیکن اس سے اس حکم کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قرآن مجید میں ہے:۔
یٰأیہا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (النساء ۵۹)
قرآن پاک کی اس آیت نے اولی الامر یعنی حکام اور امراء کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے
اور حدیث صحیح میں ہے:۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علیك السمع والطاعة فی عسرك ویسرك ومنشطك ومکرهك واثرة علیك۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر امراء کے احکام کو ماننا اور ان کی اطاعت کرنا واجب ہے خواہ تم خوش حال ہو یا تنگ دست خوش ہو یا ناخوش اور خواہ تم پر کسی کسی کو ترجیح دی جاتے۔

امیر کی اطاعت کے ان واضح احکام کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو نہیں مانا جو انہوں نے بحیثیت امیر دیا تھا تو کیا یہ کہا جاتے گا کہ قرآن وحدیث کے احکام موجود نہیں تھے۔؟ اگر انکا وجود ہوتا تو حضرت معاویہ حضرت علی کی مخالفت نہ کرتے! جنگ صفین برپا نہ ہوتی اور ہزاروں مسلمان خاک وخون میں غلطاں نہ ہوتے؟ ظاہر ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ احکام موجود تھے۔ حضرت معاویہ کے سامنے اور انکے علم میں تھے لیکن انہوں نے ان کی کوئی تاویل وتوجیہ کر لی تھی یہ اور بات ہے کہ وہ تاویل صحیح ہو یا غلط۔

اسیطرح امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عمار کو دیکھ کر فرمایا:

ویح تقتله الفئة الباغیة یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۴)

افسوس عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی عمار انہیں جنت کیطرف بلاتے گا اور وہ

اس کو دوزخ کیطرف بلاتے گی "

حضرت عمار بن یاسر حضرت علیؓ کی جانب سے لڑے تھے اور ان کو حضرت معاویہ کے گروہ نے قتل کیا تھا۔ اور اس وقت اس حدیث نے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علی خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ کا موقف غلط تھا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا۔ اور جب ان کے سامنے یہ حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ عمار کو ہم نے قتل نہیں کیا بلکہ علی نے کیا ہے نہ وہ ہم سے جنگ کرتے نہ عمار شہید ہوتے ۔! کیا اب یہ کہنا صحیح ہے کہ اس وقت اس حدیث کا وجود نہیں تھا۔ اگر اس حدیث کا وجود ہوتا تو حضرت امیر معاویہ حضرت علی سے رجوع کر لیتے اسی لیے حدیث عمار من گھڑت اور موضوع ہے۔

طارق نے احادیث کے موضوع ہونے کا جو خود ساختہ معیار بیان کیا ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جاتے تو قرآن وسنت کے اکثر احکام سے ہمیں ہاتھ دھونا پڑیں گے ! یونہی ہم کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی کا ناجائز ہونا اصحاب جمل کے علم میں تھا لیکن ان کا اجتہاد یہ تھا کہ عورت کی امامت کبریٰ ناجائز ہے جبکہ حضرت ام المومنین صرف ایک لشکر کی قیادت کر رہی تھیں اور امامت کبریٰ کے عہدے پر فائز نہیں تھیں یہ ٹھیک ہے کہ اصحاب جمل کو اجتہادی خطا لاحق ہوتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی امارت کو مطلقاً مسترد فرمایا ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ واقعہ جمل سے پہلے اس حدیث کا وجود نہیں تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب حق واضح ہو گیا تو انہوں نے رجوع فرما لیا۔ اور یہی حال باقی اصحاب کا ہے۔

۵۔ رحمت اللہ کا یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے " کہ ایسے میں تنہا نفیع بن الحارث کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ عائشہ کی حمایت گمراہی اور ہلاکت کیطرف لے جانے والی ہے "

کیونکہ حضرت نفیع بن الحارث کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے بھی احادیث صحیحہ میں

عورت کی امارت کا عدم جواز مروی ہے۔ حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں۔

عن جابر بن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لن یفلح قوم یملک رأیہم امرأۃ۔
(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح (اخروی) نہیں پاتے گی جس کی رائے کی مالک ایک عورت ہو۔

یہ حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ البتہ ابو عبیدہ عبدالوارث کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ غیر معروف ہیں لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ امام طبرانی کے شیخ ہیں۔ اور ان کے نزدیک معروف ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ اس حدیث کی روایت میں حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ، منفرد نہیں ہیں۔

اور امام ترمذی روایت کرتے ہیں،

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان امراءکم خیارکم واغنیاءکم سمحاءکم وامورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا۔ واذا کانت امراءکم شرارکم واغنیاءکم بخلاءکم وامورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر من ظھرھا۔
(جامع ترمذی ص ۲۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو تو تمہارے لیے زمین کا اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لیے زمین کا نچلا حصہ اسکے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں صالح کا کوئی متابع نہیں ہے لیکن وہ مرد صالح ہے۔ یعنی اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اس حدیث پاک کو بھی بلا وجہ و بلا دلیل شہاب نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ عورت کی امارت کا عدم جواز حضرت ابو بکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت جابر بن سمرہ اور حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے اس لیے حضرت ابو بکرہ کے بارے میں منفرد روایت کا قول صحیح نہیں ہے۔

و۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کے روای حضرت نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ ہیں یہ صحابی رسول ہیں اور صحابہ کا یہ مقام ہے کہ قرآن مجید نے ان کے تمام افعال کو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی سند عطا کی۔ " واعد لھم جنت تجری "کی انہیں نوید سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انکا نصف مد (½ کلو گرام) جو صدقہ کرنا تمہارے احد پہاڑ جتنے سونے کی خیرات سے بہتر ہے۔ ان کے بارے میں طارق نے لکھا ہے " اور کیوں اس کے ذہن میں یہ منفی جذبہ ابھرا کہ ام المومنین کی حمایت کو ایک ...... کافرہ کی اعانت سے تشبیہ دیکر تاریخ اسلام میں ایک ناگوار تاثر چھوڑا ،، (عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۲)

اس عبارت میں صادق اور مصدوق صحابی رسول کریم پر حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے اور واقعہ کے خلاف ان پر یہ بہتان تراشا ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی حمایت کو ایک کافرہ کی اعانت سے تشبیہ دی ہے جب کہ واقعہ میں حضرت ابو بکرہ نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائی ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی امارت کو عدم فلاح کا سبب قرار دیا ہے۔ نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اہانت کی ہے اور نہ امت میں کوئی ناخوشگوار اثر چھوڑا ہے۔ صرف حدیث رسول اللہ پہنچا کر اپنا فرض ادا کیا ہے۔ یہاں طارق کا منفی تاثرات کا دعویٰ تھا خود بلکہ اور اس کے باطن کی تاریکیوں اور صحابہ کرام سے عداوت کا آئینہ دار ہے۔

ام المومنین کی مقام حوآب پر راستے کا بدل جانا اور واپسی کے لیے کوشش کرنا بھی کیا منفی تاثر تھا۔ اور حوآب والی حدیث بھی ام المومنین نے خود گھڑی تھی ——؟ یہ ہے طارق کی وہ دیانت داری جسے وہ تمام مسلمانوں کی دیانت داری سے زیادہ اہمیت دے کر صحابہ کرام پر یوں بہتان تراشی کرتا ہے اور الزامات عائد کرتا ہے جیسے وہ صحابہ کرام سے مرتبہ اور مقام میں برتر ہے۔ نعوذ باللہ۔ طارق یا اس قبیل کے لوگوں کی مسلمانی کا تو وہ حال ہے کہ جسے دیکھ کر اسلام کو شرم محسوس ہوتی ہے اور ایسے پیروکاروں سے اسلام کی عظمت داغدار ہو رہی ہے۔ ان کا صحابہ کرام کے متعلق زبان درازی کرنا ان کے خبثِ باطن اور گمراہی کی اندرونی کیفیتوں کا غماز ہے۔

و ۔ رحمت اللہ نے لکھا ہے کہ "یا یہ کہ ابو بکرہ نفیع کے شاگردوں نے آپ کے ذاتی خیالات کو نبوی فیصلہ کا عکس ٹھہرا کر ہر قسم کی ذمہ داری نفیع پر کیوں ڈالی؟" اس عبارت میں خیار تابعین اور صحیح بخاری کے رواۃ پر حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے۔ اور حضرت نفیع رضی اللہ عنہ کے خیالات کو تعلیماتِ نبوی کے خلاف ٹھہرا دیا ہے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

ح ۔ رحمت اللہ طارق نے لکھا ہے " اور پھر یہ سوچیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کلی طور پر تباہی ایران کے لئے غیر استثنائی بددعا کی "

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاءِ ضرر کو بددعا کہنا آپ کی اہانت ہے اللہ تعالےٰ محفوظ رکھے۔ آپ کا کوئی فعل "بد" نہیں ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ آپ کا ہر فعل خیر اور حسن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جب کسریٰ نے چاک کر دیا تو آپ نے اس کیلئے دُعاءِ ضرر فرمائی تھی۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعث بکتابہٖ رجلاً	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وامرہ ان یدفعہ الی عظیم البحرین فدفعہ عظیم البحرین الی کسریٰ فلما قراہ مزقہ۔ فحسبت ان ابن المسیب قال فدعا علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یمزقوا کل ممزق۔

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵)

نے ایک شخص کو اپنا مکتوب دے کر بھیجا۔ اور اس کو حکم دیا کہ وہ یہ مکتوب بحرین کے حاکم کو دے۔ بحرین کے حاکم نے یہ مکتوب کسریٰ کو دیا۔ کسریٰ نے یہ مکتوب پڑھ کر پھاڑ دیا۔ ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف یہ دعا فرمائی کہ یہ مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں

ط۔ رحمت اللہ طارق لکھتا ہے "تو ایسے میں آتش پرست مردوں کی قیادت میں عافیت اور عورتوں کی سربراہی میں تباہی سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟"

پہلی بات یہ ہے کہ بالخصوص اہلِ فارس کی سلطنت کے خلاف آپ نے یہ دعا کی کہ وہ ٹکڑے ہو جاتے۔ اور دوسری حدیث میں آپ نے ایک عمومی قاعدہ بیان فرمایا۔ کہ جو قوم بھی عورت کو اپنا امیر بناتے گی وہ فلاح (آخرت) سے محروم رہے گی۔ اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلا کہ اگر اہلِ فارس مردوں کو امیر بنائیں تو عافیت سے رہیں گے اور اگر عورتوں کو سربراہ بنائیں تو وہ تباہی سے دوچار ہو جائیں گے ـــــ؟ رحمت اللہ کی یہ تحریف شرافت اور دیانت سے بھی بعید ہے علم اور تحقیق کی بات تو الگ رہی۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کفار کا کفر کی وجہ سے دائمی عذاب بیان کیا گیا ہے اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے بھی انکے عذاب کا بیان کیا گیا ہے: ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین (سورہ مدثر ۴۲) "تم کو جہنم میں کس نے داخل کیا؟ انہوں نے کہا ہم نماز نہیں پڑھتے تھے"

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کے کلی عذاب کے بعد اس کے کسی فرعی نیکی نہ کرنے کے عذاب کے ذکر میں کوئی حیرت واستبعاد نہیں ہے۔ تو اگر آپ نے اہلِ فارس کی

مکمل تباہی کی دعا کے بعد عورت کو امیر بنانے کی وجہ سے ان کی عدم فلاح (اخروی) بیان فرمائی ہے تو اس میں کیا اچنبے کی بات ہے ؟

لفظ قوم کی نکارت سے مغالطہ آفرینی کا جواب

طارق لکھتا ہے " رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب اس فقرے میں "قوم" بایں رعنائی نکرے کے مقام پر آیا ہے ۔ اور نکرے کا اصول یہ ہے کہ اس کا "مشارٌ الیہ" جب متعین ہو چکا ہو تو دیگر افراد یا انواع کو اس کی ذیل میں لانے کے لیے مشار الیہ کا تعدد لازم آئے گا جو لسان عرب کے قواعد کی رو سے فنی عیب کو مستلزم ہے اور زبان پیغمبر فنی عیوب سے پاک ہونی چاہیئے ۔ وضاحت کے لیے عرض کر دوں کہ اس فقرے یا حدیث کے پس منظر میں آزرمیدخت کی تخت نشینی بتائی جاتی ہے اور اس کی روشنی میں لن یفلح قوم کے الفاظ سیٹ کئے جاتے ہیں جو ہر لحاظ سے "قوم" کا مشارٌ الیہ اہل فارس بن جاتے ہیں ۔ مسلمان قوم مشار الیہ نہیں بن سکتی ۔ کہ اشارے کے تعدد کی رو سے ادبیات عرب اسطرح کی بے قاعدگی اور اناڑی کی متحمل نہیں ہو سکتی ۔ اور جب قاعدے قانون کی رو سے یہ فقرہ "عموم" کی روشنی سے عاری ہو چکا ہے ۔ یا یہ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مشار الیہ کا تعین کر کے اس کی گرفت سے مسلمان عورت کو آزاد کر دیا ہے ۔ تو ایسے میں ہمارے دور کے اہل علم حضرات کا بے سرو کار باتیں بنانا ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے ؟ لہذا یہ کہنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے کہ یہ روایت غلط مصداق اور غلط تعبیر کے باعث صدیقہ کے خلاف گہری سازش ہے اسے حقوق نسواں کی پائمالی میں پیش کرنا افسوسناک علمی خیانت ہے ۔ "

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۳، ۲۴)

طارق نے یہ ثقیل اور الجھی ہوئی گفتگو محض اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لیے کی

ہے اور یہ جعلی عکس ہے۔ جس سے وہ عامۃ الناس کو مرعوب کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے۔ اور یہی چرب زبانی ہی اس کا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ افتخار ہے۔ ہمیں انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس طویل اور ثقیل عبارت میں جو کچھ ہے۔ وہ عربی گرامر کے مسلمہ قواعد کے بالکل خلاف لکھا ہے۔ جس شخص نے معمولی عربی بھی پڑھی ہے وہ جانتا ہے کہ نکرہ غیر معین ہوتا ہے اور اس سے ایک فرد یا زیادہ افراد کسی کیطرف بھی اشارہ نہیں ہوتا جن کو نکرہ اور معرفہ کا علم نہیں ہے وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لسانِ عرب کے قواعد کی رو سے فنی عیب نکال رہے ہیں! چودہ سو سال سے اہلِ علم اور اہلِ لسان جس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتے چلے آرہے ہیں عربی سے نابلد ایک عجمی شخص اس میں عربی زبان کے فنی عیب بیان کر رہا ہے!!!

نحو معانی اور بلاغت کی تمام کتابوں میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نکرہ نفی کے تحت واقع ہو تو وہ عموم اور شمول کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو قوم بھی اپنا امیر کسی عورت کو بنائے گی وہ فلاح سے محروم رہے گی۔

یہ ٹھیک ہے کہ آپ کے سامنے اہلِ فارس کا کسریٰ کی بیٹی کو امیر بنانے کا واقعہ بیان کیا گیا لیکن قرآن مجید اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب یہ ہے کہ جو بھی کسی خاص واقعہ کا ذکر کیا جاتے یا کوئی خاص شخص کسی خاص پس منظر میں سوال کرے تو اس موقع پر عمومی ہدایات کو بیان کیا جاتا ہے قرآن مجید اور احادیث میں اسکی بکثرت مثالیں ہیں اسلئے یہ حدیث صرف اہل فارس کے لیے خاص نہیں ہے۔ مسلمان ہو یا کافر جو قوم بھی عورت کو امیر بنائے گی وہ فلاح آخرت سے محروم رہے گی۔

علامہ مہلب کی عبارت سے مغالطہ آفرینی کا جواب

رحمت اللہ طارق کی عبارت ملاحظہ ہو: ——————

"سلف صالحین میں سے جتنے بھی اصحاب رائے اشخاص تھے حدیث ہٰذا کو عائشہ کے مقام، منصب اور موقف کو کمزور کرنے کی سازش قرار دیتے تھے۔ شیخ المحدثین علی بن خلف قرطبی شارح بخاری (۱۰۵۷م) نے مہلب ازدی (۱۰۷۲م) کے ذیل کے الفاظ کو بغیر تبصرے کے نقل کر کے ایک گونہ اپنی رائے کا بھی اظہار کر دیا ہے لکھتے ہیں کہ ان ظاھر حدیث ابی بکرۃ یوھم توھین راٴی عائشۃ فیما فعلت۔ ینفیع کی ظاہر حدیث کا مجموعی تاثر صدیقہ کی اہانت اور آپ کی رائے کی توہین کا غماز ہے۔" (فتح الباری طبع مصر جلد ۱۳/ ۴/۷ ۴ تا ۵)۔

(عورت اور مسئلہ امارت)

اس عبارت میں رحمت اللہ نے متعدد وجوہ سے مغالطہ آفرینی اور تحریف کی ہے

(۱) صرف علامہ مہلب کی رائے کو متعدد سلف صالحین کی رائے لکھا۔

(۲) اصل میں یہ عبارت علامہ ابن بطال کی ہے جس کو اس نے علامہ قرطبی کیطرف منسوب کر دیا ہے۔

(۳) علامہ مہلب کی عبارت میں توہین کے لفظ کا ترجمہ اہانت سے کیا۔ توہین کا معنیٰ کمزور کرنا ہے۔ منجد میں ہے (وَهَّنَہٗ، کمزور کرنا ص ۱۱۱۰)۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا، قال رب انی وھن العظم منی (مریم ۴) اے میرے رب بیشک میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں۔ وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت (العنکبوت ۴۱) اور اس میں شک نہیں کہ سب گھروں سے زیادہ کمزور یقیناً مکڑی کا گھر ہے۔"

بعض الفاظ کا اردو میں ایک متعارف معنی ہوتا ہے اور عربی میں انکا دوسرا معنیٰ ہوتا ہے۔ مثلاً اردو میں "احسان" کا معنی ہے "منت" اور عربی میں احسان کے معنی اچھے کام کرنا"۔ "غریب" کا معنی عربی میں "اجنبی اور مسافر" ہے اور اردو میں غریب

امر کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اسیطرح اردو میں توہین کا معنی کسی کو بے عزت کرنا اور اس کی اہانت کرنا ہے۔ اور عربی میں توہین کا معنی کمزور کرنا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی لغت اور قرآن مجید کی آیات سے واضح کیا ہے۔ طارق نے یہ مغالطہ آفرینی کی ہے کہ علامہ مہلب کی عربی عبارت میں جو توہین کا لفظ ہے اس کو اردو میں توہین کے ساتھ تعبیر کر دیا ہے۔ علامہ مہلب کی عبارت کا مفاد فقط اتنا ہے کہ حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے بظاہر حضرت عائشہ کے افعال میں ان کی رائے کا ضعف ظاہر ہوتا ہے اور فی الواقع ایسا نہیں ہے جس کو طارق نے یوں لکھا کہ نفیع کی ظاہر حدیث کا مجموعی تاثر صدیقہ کی اہانت اور آپ کی رائے کی توہین کا غماز ہے۔

④ طارق کی چوتھی تحریف یہ ہے کہ اس نے لکھا ہے کہ علامہ قرطبی نے علامہ مہلب کی رائے سے اختلاف کیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ علامہ قرطبی کا یہاں سرے سے ذکر ہی نہیں۔ علامہ ابن حجرؒ نے علامہ ابن بطال کے حوالہ سے علامہ مہلب کی ایک مسلسل عبارت کو نقل کیا ہے جس میں انہوں نے ایک وہم کو رد کیا ہے۔ اب ہم قارئین کے سامنے علامہ ابن بطال کی نقل کردہ علامہ مہلب کی پوری اصل عبارت پیش کر رہے ہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :

ونقل ابن بطال عن المهلب ان ظاهر حديث ابى بكرة يوهم توهين رأى عائشة فيما فعلت وليس كذلك لان المعروف من مذهب ابى بكرة انه كان على رأى عائشة فى طلب الاصلاح بين الناس ولم يكن قصدهم القتال، لكن لما

علامہ ابن بطال نے علامہ مہلب سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے بظاہر حضرت عائشہ کے افعال میں ان کی رائے کا ضعف ظاہر ہوتا ہے اور فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہ کا یہ مذہب مشہور تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح کے لیے حضرت عائشہ رضؓ

انتشبت الحرب لم يكن لمن معها
بد من المقاتلة ولم يرجع ابوبكرة
عن رأى عائشة وانما تفرس
بانهم يغلبون لما رأى الذين
مع عائشة تحت امرها لما سمع
فى امر فارس۔

قال !

ويدل ذلك ان احدًا
لم ينقل عن عائشة ومن
معها نازعوا عليًا فى الخلافة
ولا دعوا الى احد منهم
ليولوه الخلافة۔

وانما انكرت هى ومن
معها على علىٍّ منعه من قتل
قتلة عثمان وترك الاقتصاص
منهم۔ وكان على ينتظر من
اولياء عثمان ان يتحاكموا
اليه۔ فاذا ثبت على احدٍ
بعينه انه ممن قتل عثمان اقتص
منه فاختلفوا بحسب ذلك۔

وخشى من نسب اليهم

کے نظریہ سے متفق ہیں اور انکا مقصد
جنگ کرنا نہیں تھا۔ لیکن جب جنگ چھڑ
گئی تو حضرت عائشہؓ کے حامیوں کیلئے
جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اور حضرت
ابوبکرہ نے حضرت عائشہؓ کی رائے سے
اختلاف نہیں کیا تھا۔ لیکن انہوں نے
اہل فارس کے متعلق جو حدیث سُنی ہوئی
تھی اس کی وجہ سے انہیں گمان تھا کہ حضرت
عائشہؓ کی قیادت میں لڑنے والے مغلوب
ہو جائیں گے ۔ علامہ مہلب نے کہا:
اس پر دلیل یہ ہے کہ کسی نے بھی یہ نقل
نہیں کیا کہ حضرت عائشہ اور ان کے حامیوں
نے حضرت علی کی خلافت سے اختلاف
کیا تھا نہ انہوں نے کسی اور شخص کو خلیفہ
بننے کی دعوت دی تھی۔ حضرت عائشہ
اور ان کے موافقین کو صرف اس بات سے
اختلاف تھا کہ حضرت علی قاتلین عثمان
سے قصاص نہیں لے رہے تھے۔ ادھر
حضرت علی کو یہ انتظار تھا کہ حضرت عثمان
کے ورثاء ان کے پاس قصاص کے مطالبہ
کا دعویٰ کریں اور جب کسی شخص پر قتل

القتل ان يصطلحوا على قتلهم فانشبوا الحرب بينهم الى ان كان ما كان.

فلما انتصر علي عليهم حمد ابو بكرة رأيه في ترك القتال معهم ـــ وان كان رأيه كان موافقا لرأي عائشة في الطلب بدم عثمان،

انتهى كلامه

(فتح الباري ج ۱۳ ص ۵۶)

ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیں اس وجہ سے انہیں اختلاف ہو گیا اور جن کی طرف قتل عثمان منسوب تھا انہیں یہ خوف ہوا کہ کہیں یہ دونوں فریق انکے قتل پر متفق نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے انہوں نے انکے درمیان جنگ چھیڑ دی، اور پھر جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اور جب حضرت علی نے ان سے بدلہ لے لیا تو حضرت ابوبکرہ نے حضرت علی کی رائے کی تعریف کی اگرچہ قصاص عثمان کے مطالبہ میں ان کی رائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موافق تھی۔

علامہ مہلب کی عبارت ختم ہوئی ـــــ"

دیکھئے! علامہ مہلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ کی رائے کو ضعیف قرار دیتے ہیں لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حضرت ابوبکرہ اور حضرت عائشہ دونوں کی رائے ایک ہے۔ اور طارق نے اس عبارت سے یہ مغالطہ آفرینی کی ہے کہ حضرت ابوبکرہ حضرت عائشہ کی رائے کی تہجین کر رہے ہیں اور اس وجہ سے علامہ مہلب اس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں اور یہی دیگر سلف صالحین کی رائے ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۵)۔ طارق نے پانچویں تحریف یہ کی ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ: ملاحظہ ہو:

"قرطبی، ابن بطال اور مہلب ازدی نے زیر بحث روایت کے بارے میں جو متوازن رائے قائم کی تھی ابن حجر اس پر خفا ہیں اور بخاری کا دفاع کرتے

ہوتے ذیل کی تاویل کر جاتے ہیں ۔ ابن بطال اور مہلب کی رائے کوئی
وقعت نہیں رکھتی کیونکہ نفیع بن الحارث عائشہ ہی کی طرح صلح پسند
اور اصلاح بین الناس کے مسلک پر عامل تھے ۔ (فتح الباری ۱۲/۱۴۱)"

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۵)

اس عبارت میں پہلی تحریف یہ ہے کہ " ابن بطال اور مہلب کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی"
یہ عبارت فتح الباری میں نہیں ہے ۔ دوسری تحریف یہ ہے کہ یہاں قرطبی کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔
تیسری تحریف یہ ہے کہ جو عبارت انہوں نے اس کے بعد نقل کی ہے وہ علامہ ابن حجر کی نہیں ہے
بلکہ علامہ مہلب کی ہے جس کو علامہ ابن بطال نے نقل کیا ہے ۔ یہ عبارت وہاں ختم ہوتی ہے
جہاں اس کے بعد علامہ ابن حجر نے انتہیٰ کلامہ لکھا ہے ہم یہ پوری عبارت نقل کر چکے ہیں ۔

حضرت نفیع کی خدا خوفی اور دیانت داری

حضرت نفیع کے بارے میں رحمت اللہ لکھتا ہے :-

" سوال یہ ہے کہ نفیع کو جب تسلیم ہے کہ عائشہ صلح پسند اور اصلاح بین
الناس کی حامل تھیں اور اس حد تک نفیع بھی ان کے ہم آہنگ تھے، تو
پھر کیا افتاد پڑ گئی کہ اپنے ہی ہم خیال کے موقف کو زک پہنچانے کے
لیے ایک ایسی خبر لے آتے جس کا آج سے پہلے نہ وجود تھا اور نہ آگہی "

(عورت اور مسئلہ امارت (ص ۲۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت نفیع بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی دیانت داری اور خدا
خوفی ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حامی تھے اور
انکے لشکر میں شامل ہو کر حضرت عائشہ کی قیادت میں جنگ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے ۔ لیکن عین
وقت پر جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد آئی تو انہوں نے اپنا فیصلہ بدل دیا

اور تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے کے لیے امت کو یہ حدیث پہنچا دی۔

اسیطرح ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے نفسی اور خدا خوفی قابل ذکر ہے کہ جب مقام حوآب میں انہیں حدیث پاک یاد آئی تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ اللہ تعالٰے کی کروڑوں رحمتیں ان پر نازل ہوں۔ یہ سب بے نفس اور بے غرض لوگ تھے۔

حضرت ابو بکرہ نفیع بن الحارث کو ساقط الاعتبار ثابت کرنے کے لیے طارق لکھتا ہے: ملاحظہ ہو!

"اگر نفیع کے لیے نرم گوشہ رکھنا ہی ضروری ہے تو بھی قانونِ شہادت کی رو سے نفیع کی شہادت مردود ہے کیونکہ اس نے مغیرہ بن شعبہ (سنہ ۶۶۹ء) پر ناحق اور ناروا گھناؤنی تہمت لگائی اور ثبوت نہ پیش کر سکے، جس پر فاروق اعظم نے (نور۔۴) کے مطابق آئندہ کے لیے اس کی گواہی کو بھی مسترد کر دیا۔" (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو امام رازی ۲۳/۱۵۹ تا ۱۶۲)

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۵)

حضرت نفیع بن الحارث، شبل بن معبد نافع اور زیاد نے یہ شہادت دی تھی۔ اول الذکر تینوں نے اس فعل کی صراحت کو بیان کیا اور زیاد نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے کالمیل فی المکحل کا ذکر نہیں کیا اور باقی واقعہ کی تصویر کشی کر دی۔ کیونکہ ایک گواہ کے بیان میں فعل کی صراحت نہیں تھی۔ اس لیے حضرت عمر فاروق نے جج کی حیثیت سے چوتھی شہادت میں فعل کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے تکنیکی بنیاد پر پہلی تینوں شہادتوں کو رد کر کے ان پر حد قذف جاری کر دی۔ ورنہ حضرت ابو بکرہ کے صادق ہونے میں اس واقعہ کی حد تک کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ رحمت اللہ نے امام رازی کے حوالے سے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ہم امام رازی کی پوری عبارت پیش کر رہے ہیں۔ اہل علم اس کو پڑھ کر حضرت ابو بکرہ کی صداقت

کا خود اندازہ کرلیں کہ زیاد کے جس بیان کی وجہ سے حضرت عمر نے جس شہادت کو رد کیا، آیا وہ بیان حضرت ابوبکرہ کی شہادت کی تائید کرتا ہے یا نہیں؛ امام رازی لکھتے ہیں؛ "روی ان المغیرۃ بن شعبۃ شھد علیہ بالزنا عند عمر بن الخطاب اربعۃ ابوبکرہ و نافع و نفیع وقال زیاد وکان رابعھم رأیت استا تنبو ونفسا یعلو ورجلاہا علی عاتقہ کاذنی حمار ولا ادری ما وراء ذلک فجلد عمر الثلاثۃ ولم یسئل ھل معھم شاھد اٰخر۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۳)"

زیاد کے اس بیان سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا صدق ظاہر ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے ایک تکنیکی وجہ سے انکی شہادت رد کر دی۔ لیکن شہادت اور چیز ہے اور روایت اور کسی کے مردود الشہادۃ ہونے سے اس کا مردود الروایۃ ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھئے از روئے قرآن ایک عورت کی شہادت مردود ہے لیکن ایک عورت کی روایت مردود نہیں ہے۔

کتبِ صحاح میں بکثرت ایسی احادیث ہیں جن کو ایک عورت نے روایت کیا ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد، امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری، امام بیہقی اور دیگر محدثین نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات پر اعتماد کیا ہے اور انکو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور ان جلیل القدر ائمہ حدیث کے مقابلہ میں اس شخص کی جرح کا کیا وزن ہوگا جس کو نکرہ اور معرفہ کی بھی تمیز نہیں ہے۔

خیال رہے کہ نافع کی شہادت بھی رد کر دی گئی تھی اور ان کی روایات کی کتبِ صحاح میں بڑی کثرت ہے۔

حضرت نفیع کی سوانح

رحمت اللہ حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں لکھتا ہے:۔ "ابوبکرہ جو کچھ بھی تھے صدیقہ کے بارے میں اتنا مخلص نہ تھے جتنا کہ

بتلایا جاتا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ عسکرِ علی کے بیس ہزار شہسوار تھے، اس کے باوجود پلڑا مولیٰ علی کا ہی بھاری تھا۔ لہٰذا یہ نادر موقعہ تھا کہ نفیع اپنی وفاداری کا بر موقعہ اظہار فرما کر سیدنا علی کی نظروں میں غیر جانب دار ثابت ہوں۔ کیونکہ ہوا کا رخ دیکھ کر موقع بدلنے کا سنہرا چانس تھا۔ اسطرح نفیع نے جب دیکھا کہ غلبۂ علی کے ساتھ عائشہ کا ساتھ دینا مشکل ہے تو موقع پرست ہونے کے طعن سے بچنے کے لیے زیرِ بحث روایت کا سہارا لے لیا کہ گہرائی میں نہ جھانکنے والا مغالطہ میں پڑا رہے۔"

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۶)

نیز لکھتا ہے:

"یہ حدیث وضعی ہے خواہ روایت کرنیوالا کوئی بھی ہو" (عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۹)

طارق کی عبارتیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ امید ہے آپ نے اس کے ذہنی عدمِ توازن کو اچھی طرح محسوس کر لیا ہوگا۔ ام المومنین کا لشکر تیس ہزار پر مشتمل تھا۔ جب کہ حضرت علی کا لشکر بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس اعدادی تباین کے باوجود جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی حضرت ابو بکرہ کو معلوم ہو گیا کہ غلبہ حضرت علی کا ہو گا۔ اگر اس حدیث پاک (زیرِ بحث) کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں تو یہ کہنا ہو گا کہ حضرت ابو بکرہ نے حضور علیہ السلام کے ارشاد کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا کہ عورت کی سربراہی میں چونکہ فلاح نہیں لہٰذا ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ بہر حال عورت ہیں لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں فتح ان کے لشکر کی نہیں ہو سکتی۔ فتح بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہو گی۔ یہ قیاس تو عقلاً نقلاً صحیح تھا، لیکن اس صورت میں حدیث مذکور کو صحیح تسلیم کرنا پڑے گا، جو طارق شہاب وغیرہ کو کسی صورت میں قبول نہیں ہے بصورت دیگر تو جو طلب امر یہ ہے کہ ام المومنین کے لشکر کی کثرت اور جذبہ کی فراوانی اور مطالبۂ قصاص

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شدت کے باوجود جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی حضرت

ابو بکرہ کو کیسے حضرت علی کی فتح کا یقین ہوگیا۔ اور اس خیال کی بنیاد پر حضرت نفیع نے وقت

بدل کر ام المومنین کی ناراضگی کو کیوں گوارہ کیا؛ جب کہ حضرت نفیع نے اگر موقف بدلا تھا اور

اس کا پس منظر سیاسی تھا اور غلبہ بھی سیدنا علی المرتضیٰ کے ساتھ تھا تو بتائے کہ اس سے حضرت

نفیع نے کیا فائدہ اٹھایا؟ اگر آپ کا کوئی سیاسی مقصد ہوتا تو آپ ام المومنین کو چھوڑ کر حضرت

علی کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت علی کو خوش کرتے اور انکو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر

دنیاوی مفادات سمیٹتے (جیسے کہ طارق نے اپنی کتاب کے ٹائیٹل پر تصویر چھاپ کر یہ

کھیل کھیلا ہے)

لیکن حضرت نفیع تو جنگ سے کنارہ کش ہو کر گھر بیٹھ گئے اس سے انہیں کیا سیاسی

فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ حضرت نفیع کے اس عمل سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کا مقصد ہرگز سیاسی

اور دنیاوی نہ تھا بلکہ ارشادِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے یاد آتے ہی نیام سے

نکلی ہوئی تلوار اطاعتِ رسول اللہ کا مظاہرہ کرتی ہوئی کسی مسلمان کے خون سے

رنگین ہوئے بغیر نیام میں واپس چلی گئی۔

ایسے صحابی سید الکونین علیہ السلام پر سیاسی مصلحتوں کا الزام لگانا انتہائی

خباثت اور پرلے درجے کی جہالت ہے۔

صحابی محبوب رب العالمین فداہ ابی وامی کے متعلق طارق کی کوثر و تسنیم سے دھلی

ہوتی زبان قارئین نے ملاحظہ فرمائی۔ اب دیکھئے! یہی طارق متعدد ایسی عورتوں کے نام

جن عورتوں کا دین سے کوئی خاص تعلق بھی نہ تھا اور نہ ہی انہیں دنیاوی مناصب کے علاوہ

کوئی اور اہمیت حاصل ہوتی انکے ناموں کے ساتھ بے شمار القابات لکھ کر اور انکی تعریف

میں رطب و یابس ملا کر اپنی بے دینی، عیش پرستی اور باطل نوازی کا مظاہرہ کیا ہے۔

دینے فروختند و چہ ارزاں فروختند!

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

" حضرت ابو بکرہ فضلاء صحابہ میں سے ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے۔ مشہور نفیع بن الحارث ہے۔ اور امام محمد بن سعد کی تحقیق ہے کہ انکا نام نفیع بن مسروح ہے عثمان بن نہدی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرہ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور اگر کوئی مجھ کو نسب سے ہی پکارنا چاہتا ہو تو میں نفیع بن مسروح ہوں۔

(الاصابہ ج ۲ ص ۵۷۱، ۵۷۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۶۹۔ تقریب التہذیب ص ۵۲۵)

امام محمد بن سعد لکھتے ہیں :

حضرت ابو بکرہ کا نام نفیع بن مسروق ہے اور بعض روایات میں نفیع بن مسروح ہے انکی ماں کا نام سمیہ ہے جو ان کے ماں جائے بھائی زیاد بن سفیان کی ماں تھیں۔ یہ طائف میں ایک غلام تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ نے فرمایا : جو آزاد شخص ہمارے پاس آجائے گا اس کو امان ہوگی اور جو غلام آئے گا اس کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد اہل طائف کے متعدد غلام آپ کے پاس آ گئے۔ ان میں حضرت ابوبکرہ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکرہ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ ثقیف نے ان پر دعویٰ کیا تو کہا میں مسروح ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں !

شباک سے روایت ہے کہ ثقیف کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابو بکرہ کو آپ ہمیں واپس دے دیں کیونکہ یہ ہمارا غلام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو واپس دینے سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا آزاد کردہ ہے۔

امام ابن سعد واقدی لکھتے ہیں کہ وہ نیک اور پرہیزگار شخص تھے (طبقات کبریٰ ج ۷، ص ۱۵، ۱۶) علامہ محمد بن اثیر الجذری نے بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ حضرت ابوبکرہ نے

اکیاون یا باون ہجری میں بصرہ میں وفات پائی حضرت ابوبرزہ اسلمی نے انکی نماز جنازہ پڑھائی۔ حسن نے کہا جن صحابہ نے بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی ان میں حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوبکرہ سے افضل کوئی نہیں تھا۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۵۱)

امام خزرجی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرہ سے کل ایک سو بتیس حدیثیں روایت کی گئی ہیں آٹھ متفق علیہ ہیں پانچ میں امام بخاری منفرد ہیں اور باقی میں مسلم۔ (خلاصہ تہذیب الکمال ج ۳ ص ۹۹)

امام کبیر ابی حاتم نے حضرت نفیع کو ثقات میں شمار کیا ہے (کتاب الثقات ج ۵ ص ۴۸۲)

علامہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابی تھے اور بڑی قدر رکھتے تھے آپ نے جنگ جمل اور صفین سے علیحدگی اختیار کی اور فتنوں میں گوشہ نشین رہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۷)

علامہ اصبھانی فرماتے ہیں کہ آپ انتہائی نیک اور پرہیزگار تھے اور فضلاء صالحین میں سے تھے۔ (دائرۃ المعارف بستانی ج ۲ ص ۴۸)

مندرجہ ذیل کتب میں بھی آپکے ثقہ ہونے اور آپکی پرہیزگاری اور خشیت الٰہی کی تصریحات موجود ہیں۔

(الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۴ ص ۲۳ لفقیہ الحافظ المحدث ابی عمر یوسف القرطبی سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۵ ۔ کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۹۳۱ ۔ تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۱۹۸ ، ۱۲۲ ۔ تاریخ کامل ج ۳ ص ۴۴۳ ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۳۱۵)

ایسے عظیم المرتبت اور متقی پرہیزگار برگزیدہ صحابی رسول پر طارق جیسے ملحد و بے دین شخص کا کیچڑ اچھالنا سراسر جہالت اور بدگوہری کا کھلا ثبوت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے تمام صحابہ عادل ہیں اور پھر صحابی کا وہ رفیع مقام ہے جو امت کے کسی اور شخص کو کسیطرح حاصل نہیں ہو سکتا ان معظمین امت مسلمہ پر آج پندرہویں صدی کے

کہ آزاد خیال، آوارہ گرد اور بازاری قسم کے لوگ اپنی پوری بیہودگی، بدزبانی اخلاقی پستی کے باعث زبانِ طعن اور الزام واتہام دراز کرنے میں کتنے جری اور بے باک ہیں۔ انہیں نہ خوفِ الٰہی دامنگیر ہوتا ہے اور نہ ہی مسلمانانِ امت کے جذبات مجروح کرنے پر انکو کوئی اندیشہ وفکر لاحق ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کے رواۃ کا بصری ہونا وجہ طعن نہیں ہے

رحمت اللہ طارق لکھتا ہے۔

"اس حدیث کے تمام سندوں کے راوی مرکز اسلام سے باہر کے یعنی بصرہ کے تھے۔ اور جس حدیث کو مرکز اسلام یعنی (مکہ و مدینہ) والے نہ جانتے ہوں اس کی بابت امام مالک (۹۵ھ م) فرماتے ہیں، جس حدیث کو حجاز سے باہر جنم ملا اس کا مغز جاتا رہا (وہ بے مغز ہے) اسیطرح امام شافعی (۸۲۰ھ م) کا ارشاد ہے جس حدیث کا اصل اور بنیاد حجاز میں نہ پائی جاتی ہو وہ حقیقت سے عاری ہے

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۹)

یہ تمام حوالے طارق کو مفید نہیں ہیں کیونکہ اس حدیث کی اصل تو حضرت ابوبکرہ ہیں اور وہ حجازی ہیں اور چونکہ آپ نے بصرہ میں بعد میں سکونت اختیار کر لی تھی اس لیے آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بصرہ میں ہی تھا۔ کتب احادیث میں اس قسم کے اسناد کی بکثرت مثالیں ہیں۔ نیز یہ حدیث حضرت جابر بن سمرہ سے بھی مروی ہے جس کو ہم مجمع الزوائد کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کو ہم جامع ترمذی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

حسن بصری پر جرح کا جواب اور ان کی روایت متصل ہونے کا ثبوت

رحمت اللہ طارق لکھتا ہے :-

" اب آپ اس سند کا دوسرا ناقابل تلافی عیب ملاحظہ فرمائیے۔ جسکی فنی اقدار کو سامنے رکھ کر ہرگز ہرگز تلافی نہیں ہو سکتی کیونکہ حدیث کا درمیانی واسطہ بالکل نادارد ہے۔ جناب عوف کے استاذ اور تابعین کے مشہور پیر طریقت حسن بن ابی الحسن البصری (متوفی ۷۸۸ء، ۱۱۰ھ) جو کہ اس سند کے دوسرے اہم راوی ہیں بایں جلالت شان احادیث نبوی میں بدترین قسم کا تصرف کرنے کے عادی تھے۔ علامہ خزرجی (متوفی ۱۵۱۷ء) نے لکھا ہے کہ یہ شخص صحابہ کرام کی بھاری جمعیت سے یونہی مرسل روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ (ص ۶۶، سطر ۵) اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے جس روایت کو مرسل انداز سے روایت کیا ہو تو وہ ناقابل حجت ہے (سطر ۶)

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۰، ۲۱)

طارق نے یہ جو کچھ لکھا ہے واقعہ کے خلاف اور تحریف و تلبیس ہے۔ حسن بصری کے متعلق اس نے بغیر کسی حوالہ کے لکھا ہے کہ وہ احادیث نبوی میں بدترین قسم کا تصرف کرنے کے عادی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسن بصری کی تعریف و توصیف میں، اسماء الرجال کے ائمہ مورخین اور سوانح نگاروں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ جس کے بعد طارق جیسے بیہودہ اشخاص کی بد زبانی اور ہرزہ سرائی سے کوئی بھی صاحب علم متاثر نہیں ہو سکتا بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت حسن بصری علم و عمل کے ایسے بدر منیر تھے جن کی ضیاء پاشیوں سے دبستانِ علم و معرفت فروزاں ہے۔ جن کے حسنِ عمل اور پاکیزگی سیرت نے بے شمار لوگوں کو معرفت و طریقت کی دولت سے مالا مال کیا۔ چاند پر تھوکنے والے

چاند کے حسن و جلوہ آرائی میں کمی نہیں کر سکتے بلکہ اپنے منہ کو ہی لعاب آلودہ کرتے ہیں۔ تاریک راتوں میں چمکنے والا چاند جو کروڑوں افراد کی رہنمائی کا سامان فراہم کر رہا ہوتا ہے اس کی عظمت و تابانی سے دل گرفتہ سگانِ دشت و کو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت کو عارف رومی نے یوں بیان فرمایا ہے:

در شب مہتاب مہ را بر سماک
از سگان و عوعو ایشان چہ باک

سگ وظیفہ خود بجا می آورد مہ وظیفہ خود برخ می گسترد

لیکن ایسے تاریک ضمیروں کی آہ و فغاں اور دودِ جگر اس چاند کا کچھ نہیں گھٹا سکتی اور نہ اس کی تابانیوں میں کوئی کمی پیدا کر سکتی ہے۔ ان کے سوزِ جگر اور اضطرابِ قلب سے لبریز نہ آسمان کیطرف اٹھا اٹھا کر کئے جانے والے نالے بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کو یہ شان اور تجلیات، خالقِ بحر و بر نے عطا فرمائی ہیں جنہیں کوئی گھٹا نہیں سکتا۔

حضرت حسن بصری کی علمی جلالت، زہد و تقویٰ حدیث پاک سے قلبی وابستگی اور محبت عشق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں وارفتگی اور فریفتگی کے باعث برکت و عظمت کا یہ عالم تھا کہ آپ جب حج پر گئے تو مکہ معظمہ میں آپکے لیے تخت بچھایا گیا۔ جس پر آپ رونق افروز ہوتے۔ اور وقت کے عظیم محدثین نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ جن میں امام طاؤس، عطار، مجاہد اور عمرو بن شعیب جیسے محدثین شامل تھے۔ درس حدیث ختم ہوا تو ان حضرات کے تاثرات یہ تھے کہ ہم نے ایسا محدث کبھی نہیں دیکھا۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ا ص ۱۶۲)

حضرت حسن بصری جس دن فوت ہوتے وہ جمعہ کا دن تھا۔ عصر کی نماز کے وقت آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کے جنازے کے باعث جامع مسجد بصرہ میں عصر کی نماز کی جماعت نہ ہو سکی کیونکہ سب لوگ آپ کے جنازہ کے ساتھ گئے تھے کوئی باقی ہوتا تو جماعت

ہوتی۔ لوگ جنازے میں اس قدر مشغول تھے کہ نماز عصر کا کسی کو خیال نہ آیا اور تاریخ اسلام میں عصر کی نماز کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آنا پہلا واقعہ تھا۔ جنکی مقبولیت کا یہ عالم ہو کہ بصرہ جیسے بڑے شہر میں کوئی مرد باقی نہ رہا ہو جو آپ کے جنازے میں شریک نہ ہوا ہو۔

اور پھر وہ حسن بصری جنکی پیدائش اور ابتدائی زندگی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بسر ہوئی ہو جنکو بچپن میں بے شمار دفعہ چپ کرانے کے لیے ام المومنین احضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پستان مبارک ان کے منہ میں دیا۔ ائمہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کی ذکاوت، فطانت اور علوم وفنون میں یکتائی کا باعث ام المومنین کا یہ کرم تھا۔

حضرت حسن بصری کی زیادتی علم وعرفان اور محبوب خلق خدا ہونے کے لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خصوصی دعا بایں کلمات فرمائی، اللھمّ نقّھہ فی الدین وحببہ الی الناس۔

حضرت حسن بصری کو گھٹی حضرت فاروق اعظم نے اپنے دست مبارک سے ڈالی۔

حضرت حسن بصری کی عمر کے تقریباً پندرہ سال مدینۃ الرسول میں گزرے۔

آپ تین سال تک خراسان میں جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہے۔

مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی وسعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جس شخصیت کی زندگی کے ایک ہزار شب وروز صرف ہوئے ہوں اور شجاعت میں جو خاص مقام کا حامل ہو۔ جس کے لیے بے شمار جلیل القدر صحابہ کرام نے خیر وبرکت کی دعا کی ہو جس نے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں بے شمار نمازیں پڑھی ہوں۔ جمعہ کے اجتماعات میں باقاعدگی سے حاضر رہا ہو جمعہ کے اجتماعات میں سیّدنا عثمان غنی کے دیئے گئے بے شمار خطبات سننے کی سعادت حاصل کی ہو، ایسی ہستی پہ بلا جواز تنقید کونسی دیانتداری ہے۔

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ، حضرت عائشہ صدیقہ

حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ایک سو تیس جلیل القدر صحابہ کرام کی زیارت کی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۲۸۹ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۶۴ ۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۶ ۔ تاریخ کبیر ج ۲ ص ۲۸۹ ۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۶۹ .... دائرۃ المعارف بستانی ج ۷ ص ۴۴ ۔ صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۲۳۳ ۔ دائرۃ المعارف، فرید وجدی ج ۳ ص ۴۴۴ ۔ سیر الصحابہؓ ج ۱۳ ص ۹۳)

اس شان کے تابعی امام و مقتدا، حافظ قرآن و حافظ حدیث پر یوں زبانِ طعن دراز کرنے والے کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی "فلعنۃ اللہ علی الکاذبین" کا ایک مصداق ہے۔ کیا علم و فن اسی کو کہا جاتا ہے کہ بے ادبی اور گستاخی میں مہارت حاصل کی جائے۔ کیا فن اسماء الرجال نے طارق کو بہتان تراشی کا سبق دیا ہے ۔۔۔؟ آسمان رشد و ہدایت کے کواکب گرانمایہ کی تنقیص شان اور گلستانِ اسلام کے مہکتے پھولوں کو پامال کرنا، اس شقی ازلی کا پسندیدہ مشغلہ اور وظیفہ حیات ہے ۔۔؟

کروڑ کروڑ، لمحہ لمحہ، ساعت ساعت، سانس سانس ایسے اعداء اسلام اور گستاخانِ اکابرینِ ملتِ اسلامیہ پر کروڑوں لعنتیں قیامت تک برستی رہیں اور رہیں گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حسن بصری حضرت ابوبکرہ کے بلا واسطہ شاگرد ہیں اور جب حسن بصری اور حضرت ابوبکرہ کے درمیان کوئی واسطہ ہی نہیں ہے (جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے) تو یہ کہنا کہ ان کے درمیان واسطہ چھوٹا ہوا ہے اس لیے یہ حدیث منقطع ہے زبردست جہالت ہے۔

حدیث مرسل کی تعریف اور احکام

جہاں تک حدیث مرسل کا تعلق ہے تو اس کی تعریف یہ ہے کہ جس حدیث میں

تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور درمیان میں صحابی کو چھوڑ دے اس کو مرسل کہتے ہیں ۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ص ۳۸۴)

امام مالک، اہل مدینہ، امام اعظم ابوحنیفہ اور اہل عراق وغیرہ کے نزدیک حدیث مرسل پر عمل کرنا واجب ہے ۔ اور امام شافعی اور اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک حدیث مرسل پر عمل کرنا واجب نہیں ہے ۔ (الکفایہ ص ۳۸۴) المستصفیٰ للغزالی

لیکن یہ بحث ان اسانید میں ہے جن میں تابعی درمیان میں صحابی کا ذکر کئے بغیر براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور جب اس سند میں حسن بصری درمیان میں حضرت ابوبکرہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر رہے ہیں اور ان سے حدیث کی روایت کر رہے ہیں اور یہ حدیث متصل ہے تو یہاں ارسال کی غیر متعلق بحث لاکر مغالطہ آفرینی کی سعی لاحاصل ہے ۔

حسن بصری کی روایات کے بارے میں امام ابن سعد اور الخزرجی کی تحقیق

رحمت اللہ نے تحریف اور مغالطہ آفرینی کے لیے امام ابن سعد کی ادھوری عبارت نقل کی ہے ۔ اور عبارت کے اس پہلے حصے کا ذکر نہیں کیا جس میں امام ابن سعد نے لکھا ہے کہ حسن بصری کی سند متصل سے بیان کردہ روایات حجت ہیں ۔ اور اسی قطع وبرید سے اس کی بدنیتی واضح ہو جاتی ہے ۔

امام ابن سعد لکھتے ہیں :۔

قال یحیٰی بن سعید القطان فی حدیث سمرۃ التی یرویھا الحسن عنہ : سمعنا انھا من کتاب قالوا : وکان الحسن جامعاً عالیاً	یحییٰ بن قطان نے ان احادیث کے بارے میں کہا جنکو حسن سمرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا یہ روایات کتاب سے ہیں محدثین نے کہا کہ حسن

ربیعاً فقیہاً ثقۃ مامونا عابداً ناسکا کبیر العلم فصیحا جمیلاً وسیمًا،	روایات کو جمع کرنیوالے، بلند مرتبہ فقیہ، ثقہ، لائق اعتماد، عبادت گذار بہت بڑے عالم، فصیح اور خوبصورت شخص تھے۔ وہ
وکان ما اسند من حدیثہ وروی عمن سمع منہ فحسن حجۃ وما ارسل من الحدیث فلیس بحجۃ	جن احادیث کو اتصالاً بیان کریں اور جس صحابی سے روایت کریں اسکا نام لیں تو وہ احادیث حسن اور حجت ہیں اور جن احادیث کو وہ ارسالاً بیان کریں وہ حجت نہیں ہیں۔
(الطبقات الکبریٰ ص ۱۵۸، ۱۵۷)	

اور چونکہ زیر بحث حدیث کو حسن بصری نے اتصالاً بیان کیا ہے اور جس صحابی سے روایت کیا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا امام ابن سعد کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن اور حجت ہے۔ اب ہم اس پر دلائل پیش کر رہے ہیں کہ حسن بصری کی حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے۔

امام ابن سعد لکھتے ہیں:

ومن الطبقۃ الثانیۃ وھم دون من قبلھم فی السن من روی عن عمران بن حصین وابی ھریرۃ وابی بکرۃ وابی بردۃ ومعقل بن یسار وعبد اللہ بن معقل وابن عمر وابن عباس وانس ابن ملک وغیرھم الحسن بن ابی الحسن۔	دوسرے طبقہ کے راوی جو پہلے طبقہ کے راویوں سے عمر میں کم ہیں جنہوں نے حضرت عمران بن حصین حضرت ابوہریرہ حضرت ابوبکرہ، حضرت ابوبرزہ، حضرت معقل بن یسار حضرت عبد اللہ بن معقل، حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس، اور حضرت انس بن مالک وغیرہم سے روایت کی ہے وہ حسن بن ابی الحسن (بصری) ہیں۔

(طبقات کبریٰ ج ۷، ص ۱۵۶)

علامہ الخزرجی لکھتے ہیں :

الحسن بن ابی الحسن البصری مولی ام سلمۃ والربیع بنت النضر او زید بن ثابت ابوسعید الامام احد ائمۃ الھدی والسنۃ، روی بالقدر ولا یصح عن جندب بن عبد اللہ وانس وعبد الرحمٰن بن سمرۃ ومعقل بن یسار وابی بکرۃ وسمرۃ قال سعید لم یسمع منہ۔

(خلاصۃ تذھیب تہذیب الکمال ج ۱ ص ۲۱)

....

حسن بن ابی الحسن بصری، امّ سلمہ اور ربیع بنت النضر یا زید بن ثابت کے (آزاد کردہ) غلام ہیں۔ امام ابوسعید نے کہا ہے کہ یہ ہدایت اور سنت کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں۔ ان پر قدری ہونے کی تہمت لگائی گئی اور وہ صحیح نہیں ہے یہ حضرت جندب بن عبد اللہ حضرت انس حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت ابوبکرہ اور حضرت سمرہ سے روایت کرتے ہیں۔ سعید نے کہا انہوں نے حضرت سمرہ سے احادیث نہیں سنیں۔

علامہ خزرجی اور امام ابن سعد دونوں نے تصریح کی ہے کہ حسن بصری حضرت ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں۔ البتہ دونوں نے سعید القطان کے حوالے سے لکھا ہے کہ حسن بصری کا حضرت سمرہ سے سماع نہیں ہے۔ ہم نے دونوں بزرگوں کی اصل عبارتیں نقل کر دی ہیں لیکن رحمت نے خیانت یا جہالت سے یہ لکھا ہے :

"ادھر محدثین کرام تصریح فرما چکے ہیں کہ حسن مذکور کی روایت ذیل کے صحابہ سے ثابت ہی نہیں (خزرجی ۶۶/سطر ۵) مثلاً حضرات جندب، انس عبد الرحمٰن بن مغیرہ (اصل میں عبد الرحمٰن بن سمرہ ہے) ابوبکرہ، معقل بن یسار، ابوھریرۃ اور سمرہ رضی اللہ عنہ، اور جب حسن کی روایت ابوبکرہ سے ثابت ہی نہیں...."

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۳۱)

علامہ خزرجی نے لکھا ہے کہ "عن جندب بن عبداللہ و انس و عبدالرحمن بن سمرۃ و معقل بن یسار و ابی بکرۃ و سمرۃ وقال سعید لم یسمع منہ"۔ منہ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر ہے جو قریب ترین مرجع سمرہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی سعید نے کہا کہ حسن نے سمرہ سے سماع نہیں کیا۔ امام ابن سعد نے بھی سعید قطان کا قول سمرہ کے بارے میں ہی نقل کیا ہے (پوری عبارت پیش کی جا چکی ہے۔ غالباً طارق نے رمی بالقدر و لایصح میں خیانت یا جہالت سے لایصح کا تعلق بعد کی عبارت سے جوڑ دیا۔ یہ طارق کا علمی کرشمہ ہے جس کی بنیاد پر وہ عالم اسلام کے تمام علماء کو نقیبانِ جہالت قرار دیتا ہے۔

حضرت ابوبکرہ سے حسن بصری کے سماع کی تصریح

اب ہم آپ کے سامنے حسن بصری کے حضرت ابوبکرہ سے سماع پر ایسی قوی شہادت پیش کرتے ہیں جو ہر صاحب علم اور صاحب انصاف شخص کے نزدیک حجتِ قاطعہ ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

قال الحسن: ولقد سمعت ابا بکرۃ یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن بن علی الی جنبہ وھو یقبل علی الناس مرۃ وعلیہ اخری ویقول ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان	حسن (البصری) کہتے ہیں میں نے حضرت ابوبکرہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا دراں حالیکہ حسن بن علی ان کے پہلو میں تھے اور آپ کبھی انکی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی لوگوں کیطرف اور آپ فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ

يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين قال ابو عبد الله قال لي علي بن عبد الله انما صح عندنا سماع الحسن من ابي بكرة بهذا الحديث۔ (صحیح بخاری ج۱ ص ۳۷۳)	اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا، امام بخاری نے فرمایا مجھ سے علی بن عبداللہ (مدینی، امام بخاری کے استاذ) نے کہا اس حدیث کی بنا پر ہمارے نزدیک حسن (البصری) کا حضرت ابوبکرہ سے سماع صحیح ہے۔

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "کیونکہ اس میں حسن بصری نے حضرت ابوبکرہ سے سماع کی تصریح کی ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۰۷)

مندرجہ ذیل کتب میں بھی حضرت حسن بصری کی حضرت ابوبکرہ سے سماع کی تصدیق کی گئی ہے:

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۱۶۱ - تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۱، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۶۹ - کتاب الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۴۸۹ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۸ - سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۵۔)

عوف اعرابی پر جرح کا جواب

رحمت اللہ لکھتا ہے:-

"غور فرمائیے! کہ زیر بحث پولٹیکل حدیث کی بخاری کے ذریعہ دو سندوں کا ایک راوی عوف بن ابی جمیلہ (متوفی ۷۵۲ء، ۱۴۶ھ) بایں زہد و تقویٰ باتفاق محدثین وائمہ رجال شیعہ تھے، اور شیعہ بھی اس شان کے خود امام بخاری و مسلم کے متفقہ استاذ محمد بن بشار عرف بندار (متوفی ۸۶۵ء) کہ عوف صرف رافضی تھا شیطان بھی تھا۔" (عورت اور مسئلہ امارت ص ۲۰)

یہ صحیح ہے کہ امام بندار نے عوف پہ جرح کی ہے۔ لیکن امام بندار سے زیادہ مستند ائمہ حدیث نے عوف کی تعدیل کی ہے۔ اور امام بخاری جو فن حدیث میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں انہوں نے عوف کی روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کر کے یہ ظاہر فرما دیا کہ عوف کی تعدیل اس کی جرح پر راجح ہے۔

امام بندار پر جرح

اگر ایسی ہی جرح پر اعتماد کر لیا جائے جیسی کہ حضرت عوف پر کی گئی ہے تو اس طرح بہت کم رواۃ ایسے ہونگے جو جرح سے محفوظ رہے ہوں۔ چنانچہ امام بندار بھی جرح سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد بن یسار فرماتے ہیں کہ ابا حفص فلاس حلفاً کہتے تھے کہ امام بندار جو یحییٰ سے روایت کرتے ہیں اس میں جھوٹ بولتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹۰، سیر الاعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۴۷)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ فرھیانی نے کہا میں نے ابو موسیٰ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ داؤد کی احادیث سرقہ کرنے پر قادر ہوتے تو وہ ضرور ان کو سرقہ کر لیتے۔ اس سے مراد ان کی امام بندار تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۰۲)

اگر امام محمد بن بشار عرف بندار نے حضرت عوف اعرابی کو سخت الفاظ سے یاد کیا ہے تو وہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ سرقہ اور کذب کا الزام ان پر بھی لگ چکا ہے۔ لہذا امام بندار کے قول سے حضرت عوف پر احتجاج کی کوئی خاص وقعت نہیں کیونکہ عوف کو امام بندار سے رفیع المرتبت ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

امام خزرجی فرماتے ہیں کہ عوف بن ابی جمیلہ اعرابی کو امام نسائی اور کثیر علماء نے ثقہ کہا ہے۔ (خلاصۃ تذھیب تہذیب الکمال ج ۲ ص ۳۰۸)

امام شیخ الاسلام رازی فرماتے ہیں کہ حضرت عوف کو "عوف صدوق" کہا جاتا تھا۔

مروان بن معاویہ فرماتے ہیں کہ عوف "صدوق" تھے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل سے علامہ عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھے لکھا کہ میں نے اپنے والد یعنی امام احمد بن حنبل سے عوف اعرابی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ عوف ثقہ اور صالح الحدیث تھے۔

امام عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میرے والد یعنی امام کبیر ابی حاتم اسحاق بن منصور سے اور یحیٰ ابن معین سے بیان کرتے ہیں کہ عوف بن جمیلہ "ثقہ" تھے۔

امام شیخ الاسلام عبدالرحمن رازی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ابی حاتم سے عوف اعرابی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا وہ "صدوق" اور "صالح الحدیث" تھے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۵)

امام کبیر محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم نے عوف بن جمیلہ اعرابی کو "ثقات" میں شمار کیا ہے۔ (ثقات ابن حبان ج ۷ ص ۲۹۶)

امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی فرماتے ہیں کہ امام بندار نے عوف کو قدری اور رافضی کہا ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ عوف ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

امام نسائی نے عوف کو "ثقہ" اور "مثبت" کہا ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۸۴)

امام ابن سعد واقدی نے بھی عوف کو "ثقہ" اور کثیر الحدیث کہا ہے (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۵۸)۔

علامہ ابن حماد حنبلی فرماتے ہیں کہ عوف "صدوق" تھے، شیعی تھے اور کثیر الحدیث تھے، مغنی میں کہا گیا ہے کہ عوف ثقہ اور "مشہور" تھے (شذرات الذھب ج ۱ ص ۲۱۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عوف "ثقہ" اور "صالح الحدیث" ہیں۔ اسحاق بن منصور نے

ابن معین سے نقل کیا ہے کہ وہ "ثقہ" ہیں۔ اور ابو حاتم نے کہا وہ بہت سچے اور نیک ہیں۔ نسائی نے کہا وہ "ثقہ" اور "ثابت" ہیں۔ اور ابو الولید بن علیہ نے مروان بن معاویہ سے نقل کیا ہے کہ انکو "صدوق" کہا جاتا ہے۔ اور محمد بن عبداللہ انصاری نے کہا عوف بہت سچے ہیں۔ امام ابن سعد نے کہا وہ "ثقہ" اور "کثیر الحدیث" ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا وہ حسن سے ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جنکو اور کوئی نہیں روایت کرتا تھا اور وہ تشیع کرتے تھے (یعنی حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دیتے تھے)

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۶۷۔ تقریب التہذیب ص ۴۰۳)

صحیح بخاری کی روایت کے متابعات

رحمت اللہ طارق لکھتا ہے :-

"حافظ ابن حجر مرحوم جو بڑے پائے کے محدث اور حدیث نبوی کے شارح ہو گذرے ہیں آپ نے جب محسوس کیا کہ بخاری کی دونوں سندیں توثیق اور پشتے یانی کا حق ادا کرنے کے باوصف اس قابل نہیں کہ زیر بحث حدیث کو صحیح و سچ ثابت کر سکیں تو آپ نے اہل بصیرت تنقید نگاروں کی توجہ ہٹانے کے لیے اس کمزوری کا دبے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے لکھ دیا کہ بخاری کی سندوں کی بہ نسبت حمید طویل والی (ترمذی و نسائی) کی روایت ہی معتبر اور گوارا ہے آپ کے الفاظ ہیں کہ " واحسنها اسنادا روایة حمید۔ (فتح الباری ۱۳/۴۵/۵) ابن حجر کی وضاحت کے معنی یہ ہوئے کہ اس حدیث کی جس سند میں بھی حمید واقع ہوا ہے وہی صحیح اور قابل اعتبار ہے باقی سب ناقابل بھروسہ۔"

(عورت اور مسئلہ امارت ص ۳۶)

طارق نے یہ سب غلط اور جھوٹ لکھا ہے اور نتائج بھی غلط اخذ کئے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت یہ ہے:۔

وقد تابع عوفاً حمید الطویل عن الحسن اخرجہ البزار وقال: رواہ عن الحسن جماعۃ واحسنھا اسناداً روایۃ حمید۔
(فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۴)

عوف کی متابعت حمید الطویل نے حسن بصری سے کی ہے۔ اسکی حدیث کو امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور امام بزار نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حسن بصری سے راویوں کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے انمیں سب سے اچھی سند وہ ہے جس میں حمید کی روایت ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کا منشا یہ ہے کہ حسن بصری سے اس حدیث کی روایت میں عوف منفرد نہیں ہیں۔ حمید نے بھی یہ حدیث حسن بصری سے روایت کی ہے پھر امام بزار کے قول سے یہ ثابت ہے کہ حسن بصری سے ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عوف کی روایت پر حمید کی روایت کو ترجیح دینا یہ امام بزار کی رائے ہے حافظ ابن حجر کی رائے نہیں ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ امام بزار کی نسبت امام بخاری کی سند زیادہ قوی ہے۔ اس لیے قوی ترین سند وہی ہے جس کو امام بخاری نے پیش کیا ہے اور ہم نے اسی کی بنیاد پر بحث کی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ امام بزار نے یہ کہا کہ حمید کی سند باقی راویوں کی نسبت زیادہ اچھی ہے۔ اس سے طارق نے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا کہ وہی صحیح اور قابل اعتبار ہے باقی سب ناقابل بھروسہ۔ چوتھی بات یہ ہے کہ متابعات، مؤیدات ہوتے ہیں اصل حدیث امام بخاری کی روایت ہے اور باقی سب مویدات ہیں۔ اگر انکی اسانید میں کسی میں کچھ ضعف بھی آگیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہمارا اصل استدلال صحیح بخاری کی روایت سے ہے۔

اختتامی کلمات

قارئینِ محترم! کثیر احباب کے اس شدید اصرار کے باعث کہ جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ طبع کرا کے ان کو فراہم کیا جائے۔ انکی خواہش کے احترام میں اس اعتراف کے ساتھ کتاب کو ختم کر رہا ہوں کہ اس کتاب کو میں اپنی خواہش کے مطابق مکمل نہ کر سکا۔ اکثر ابحاث تشنۂ تحقیق ہیں اور کئی موضوعات مکمل طور پر باقی ہیں۔ ان سب موضوعات کو اس حصہ میں سمونا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ کتاب کی ضخامت پہلے ہی کافی ہو چکی ہے۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ باقی ابحاث پر مشتمل دوسرا حصہ ترتیب دیا جائے انشاءاللہ العزیز۔ حصہ اول پر قارئین کے تاثرات کی روشنی میں دوسرے حصہ پر کام شروع کر دیا جائے گا۔ ضرورت محسوس ہوئی تو بشرطِ حیات آئندہ ایڈیشن میں حصہ اول کو مزید مدلل بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

معذرت

حصہ اول کی آخری بحث تحریر کی جا رہی تھی کہ میرے انتہائی مشفق و مہربان دوست جناب جی۔ ایم۔ سلیم ایڈووکیٹ سندھ ہائی کورٹ جو خود بھی اسلامیات کے موضوع پر صاحبِ تصانیف ہیں اور مروجہ قانونی معاملات میں انکی خدمات ہمیشہ حق اور اہلِ حق کے لیے بلا طمع وقف رہتی ہیں، نے مجھے ایک کتاب "خلافت اور امامت اور طبقہ نسواں" نامی فراہم کی اور اس میں اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب لکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ لیکن مجھے سخت افسوس ہے کہ میں چند وجوہ کی بنا پر انکی خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ ایک تو اس کتاب کا معیار اتنا پست ہے کہ اس کے مصنف کو مہر اور دَینِ مہر میں تمیز نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں "عربوں کی دنیا میں آج بھی نقد دَینِ مہر دینے کا رواج ہے" نقد اور دَین قابلِ توجہ ہیں۔ اسیطرح صفحہ ۵۳ پر رقمطراز ہیں "کہ پردہ کے معنی نقاب پوشی اگر ہے تو اسکا تصور قرآن حکیم میں سرے سے موجود نہیں

جس کے لیے برقعہ استعمال ہوتا ہے "مصنف کتاب انیس الرحمٰن صاحب ایڈوکیٹ کو کون بتاتے کہ "جلابیب" کا معنی کیا ہے اور " یدنین علیھن من جلابیبھن "کا مفہوم کیا ہے۔ یونہی ایک مقام پر اس راز سربستہ سے پردہ اٹھا کر پہلی دفعہ امت مرحومہ پر احسان فرمایا ہے کہ یہاں نبی کریم علیہ السلام کی بیویوں کو حکم دیا گیا ہے لہذا اس حکم کا تعلق دیگر خواتین سے نہیں ہے ۔ بہر حال یہ ایسی گلفشانی ہے جس سے مصنف کے مبلغ علم کا صاف پتہ چل رہا ہے۔ کتاب میں کوئی باقاعدہ حوالہ بھی نہیں ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ محض کتاب لکھنے کا شوق پورا کرنے کے لیے یا انگلی کٹا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھوانے کے لیے مصنف نے سنی سنائی باتوں پر اکتفا کیا ہے یا رسالوں اخباروں میں دیکھ کر کچھ باتیں لکھ دی ہیں۔ میری ذاتی رائے کے مطابق اس کا جواب لکھنا بے جا تکلف ہوگا لیکن اگر میرے محترم دوست نے فرمایا تو انشاء اللہ حصہ دوم میں اسکا سرسری جائزہ بھی ہدیۂ قارئین کر دیا جائے گا۔

میری یہ کوشش محض کلمہ حق بیان کرنے کی ایک پرخلوص کوشش تھی اور میں نے مسلسل چھ ماہ شب و روز محنت اس لیئے کی تاکہ یہ کتاب میرے لیے باعث نجات بن سکے قارئین سے بھی التماس ہے کہ اگر میری یہ کوشش آپ کو پسند آئے تو میرے لیے فلاح اخروی کی دعا فرمادیں۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

۵ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

فہرست مضامین

نمبر شمار		صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

اسلامی نظام کا دیگر نظاموں سے تقابلی جائزہ

اسلامی نظام

اور

مغربی جمہوری پارلیمانی نظام

- اسلامی نظام کے نفاذ کی شرعی ضرورت
- اسلامی نظام کے بغیر مساوات ناممکن ہے

- جمہوری نظام کو دنیا کا بہترین نظام کہنے والے دراصل اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جمہوری نظام کو پسند کرتے ہیں
- عدل و انصاف صرف اسلامی نظام کے ذریعہ میسر آسکتا ہے
- سستا انصاف اسلامی نظام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا

اسلامی نظام کی دیگر نظاموں پر فوقیت اور برتری سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے بہترین کتاب

تصنیف
سید محمد جمال الدین کاظمی

صفحات ۵۰

تحریکِ اسلامی انقلاب، کی طرف سے مفت تقسیم کے لیے

مغربی پارلیمانی طریق انتخاب علماءِ اُمّت کی نظر میں

اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد کتاب

ملک کے ۴۲ مقتدر علماء کرام کے علمی اور تحقیقی مقالے جو مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات پر مشتمل ہیں

۱- کیا اس وقت پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہے یا نہیں؟

۲- اسلامی آئین کے نفاذ کی شرعی حیثیت اور ضرورت کیا ہے؟

۳- اگر کسی ملک میں اسلامی آئین نافذ نہیں تو عوام علماء اور مشائخ پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

۴- اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد اور تحریک چلانا کس قدر ضروری ہے؟

۵- اگر کسی اسلامی ملک کا سربراہ اسلامی آئین نافذ نہیں کرتا تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

۶- کیا مروجہ طریقہ انتخاب اسلامی ہے یا نہیں؟

دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب یقیناً آپ کے لیے معلومات افزا ثابت ہوگی

صرف ڈاک خرچ بھیج کر مفت طلب فرمائیے

دفتر

تحریکِ اسلامی انقلاب

نزد قمر العلوم فریدیہ، ماری پور روڈ۔ کوڈ نمبر ۷۵۶۶۰

کراچی نمبر ۱۵

تحریکِ اسلامی انقلاب پاکستان

کے

اغراض و مقاصد

۱۔ مُروّجہ غیر اسلامی طریقۂ انتخاب کا خاتمہ اور اسلامی طریقۂ انتخاب کا اجراء۔

۲۔ اسلامی نظام کا مکمّل نفاذ اور غیر اسلامی نظاموں کا خاتمہ۔

۳۔ مُفت، فوری اور مؤثر انصاف کا یقینی حصُول۔

۴۔ دولت و وسائل دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا یکسر خاتمہ۔

۵۔ ذرائع اَبلاغِ عامہ کی مکمّل تطہیر۔

۶۔ اَمر بالمعروف نہی عن المنکر کا فوری اجراء۔

۷۔ جذبۂ جہاد کا احیا، اور اِس جذبے سے اسلامی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ۔

مرکزی دفتر: تحریکِ اسلامی انقلاب نزد قمر العلوم ناری پور روڈ کراچی ۵۳ فون: ۷۴۱۰۵۱